التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

". سچا اور امین تاجر قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (مرقاۃ المفاتیح 6/53)



ہماری تجارت جنت کا راستہ

10 اسباق

تجارت کورس

- مسلمان تاجر کی صفات
- مارکیٹنگ، پراپرٹی کے جدید مسائل
- آن لائن اور قسم کے احکام
- شراکت داری، مضاربت، تجارتی مسائل
- حلال، حرام، جائز، ناجائز صورتیں
- مارکیٹ کی مسنون دعائیں
- خرید و فروخت کی جدید شکلیں
- بیوع کی اقسام، مسنون لین دین
- نصاب زکواۃ، کامیاب تجارت کی چابیاں
- کامیاب تاجروں کے واقعات

جمع و ترتیب
مفتی مصطفی عزیز

الامین اکیڈمی فیصل آباد

بازار میں داخل ہونے کی دعائیں و آداب

لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو حی لا یموت بیدہ الخیر وہو علی کل شیء قدیر

ترجمہ:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہو اور یہ [درج ذیل] ذکر پڑھے لے تو اللہ تعالی اسکے نامئہ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اسکے دس لاکھ گناہ مٹادیتا ہے، اور اسکے دس لاکھ درجات بلند کرتا ہے۔[سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد۔]

تشریح:

بازار ایک ایسی چیز ہے جس سے تقریبا ہر شخص کا سابقہ پڑتا ہے بلکہ بازار کسی بھی معاشرے اور مجتمع کی ایک اقتصادی اور معاشرتی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر قوم میں بازار کا وجود رہا ہے حتی کہ صرف شہروں ہی میں نہیں بلکہ دیہاتوں میں بھی بازار و منڈی کا اہتمام ہوتا رہا ہے، جہاں لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے، بیچتے اور ادھر ادھر سے آئے ہوئے لوگوں سے متعارف ہوتے ہیں، حتی کہ اللہ کے افضل ترین بندے بھی بازاروں سے اپنا ایک گونہ تعلق رکھتے تھے {وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انہم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق} ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔[الفرقان:20] لیکن اسمیں کوئی شک نہیں کہ بازار انسان کی صرف ایک ضرورت ہے اسکی فضیلت نہیں ہے کیونکہ بازار شورو شرابا، جھوٹ ودھوکہ اور فواحش ومنکرات کا مرکز ہوتا ہے، وہاں للھیت کم اور مادیت زیادہ دکھائی دیتی ہے، ذکر الہی کا اہتمام کم سے کم تر اور جھوٹی قسمیں کثرت سے کھائی جاتی ہیں، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کو بدترین جگہ قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے :اللہ تعالی کے نزدیک سب سے محبوب جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں { صحیح مسلم :671 المساجد بروایت ابو ہریرہ،} لیکن چونکہ بازار انسان ایک ضرورت ہے لہذا شریعت نے بازار میں داخلے اور وہاں اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے اور بیچنے

کی اجازت دی ہے، البتہ اسکے لئے کچھ آداب رکھے ہیں جسکا پاس ولحاظ رکھنا مسلمان کے لئے بڑا اہم ہے، ان میں سے چند اہم آداب درج ذیل ہیں۔

1 بازار ضرورت وحاجت کے تحت جایا جائے: وقت گزارنے اور لوگوں کی بھیڑ دیکھنے کے لئے جانا مناسب نہیں ہے، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے بازار میں نہ داخل ہو اور نہ سب سے آخر میں نکلو کیونکہ بازار شیطان کے دنگل ہیں اور شیطان وہیں اپنا جھنڈا گاڑتا ہے، [صحیح مسلم:2451]لہذا ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد جلدی بازار سے نکل جائے۔

2 دعا نہ بھولے: زیر بحث حدیث میں اسی دعا کا ذکر اور اسکی فضیلت بیان ہوئی ہے، بظاہر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اس چھوٹے سے عمل پر اتنا بڑا اجر کیا معنی رکھتا ہے؟ حقیقت تو اللہ تعالی کو معلوم ہے لیکن شاید اولا اسکی وجہ کلمہ توحید کی فضیلت وبرکت ہے، اور ثانیا چونکہ بازار ذکر الہی سے غفلت کی جگہ ہے، جہاں جاتے ہوئے ہر شخص کی توجہ اپنی ضرورت کی طرف ہوتی ہے لہذا ایسے وقت میں اللہ تعالی کا ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص بازار میں داخل ہو لوگوں کی غفلت اور مشغولیت کے وقت میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالی اسکے نامئہ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور قیامت کے دن اسکو ایسی مغفرت سے نوازے گا کہ لوگوں کے وہم گمان میں بھی نہ ہوگی، [شرح السنۃ: 1339]

3 نظر نیچی رکھے: بازار میں باپردہ اور بے پردہ دونوں قسم کی عورتیں ہوتی ہیں، مسلم وکافر ہر قسم کی عورتیں آتی ہیں، بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنکا دیکھنا مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہوتا لہذا ایک مسلمان سے مطالبہ ہے کہ ایسے حالات میں اپنی نظر کو نیچی رکھے، صحابہ کرام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عام راستوں اور بازاروں کی مجالس میں بیٹھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے جن شرطوں کے ساتھ اجازت دی تھی ان میں ایک شرط نظر نیچی رکھنا بھی شامل ہے، [صحیح البخاری]

4 ہر بازار داخلہ کے لائق نہیں ہوتا: بہت سے بازار ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں فواحش ومنکرات کی دعوت عام ہوتی ہے، حدود الہیہ کی پامالی بڑی دلیری کے ساتھ کی جاتی ہے وغیرہ لہذا ایسے بازاروں میں داخلے سے پرہیز ضروری ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ: اے انس "لوگ شہروں کو آباد کریں گے انہیں شہروں میں سے ایک شہر بصرہ ہوگا اگر وہاں سے تمھارا گزر ہو یا تمھارا داخلہ ہو تو وہاں کی شور والی زمین، سرسبز زمین، کھجوروں کے

باغات، نوابوں کے محل اور اسکے بازاروں سے دور رہنا اور اس شہر سے کناروں میں رہائش اختیار کرنا کیونکہ وہاں کے لوگوں کی شکلیں بدل دی جائے گی، ان پر پتھروں کی بارش ہو گی اور کچھ لوگ [بے حیائی و فحاشی کے کاموں میں] رات گزاریں گے تو صبح ہوتے ہوتے انکی شکلوں کو سور اور بندروں کی شکل سے بدل دیا جائے گا [سنن ابو داود]

5 متانت و سنجیدگی کو لازم پکڑیں: بازار شور و شرابا، چیخ و پکار اور نعرہ بازی کی جگہ ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں متانت و سنجیدگی اور حسن اخلاق کے خلاف ہیں، تورات وغیرہ پچھلی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ آپ بازار میں شور و شرابا کرنے والے نہ ہونگے [صحیح البخاری] نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی ہر متکبر، پیٹو اور بازاروں میں شور و شرابا کرنے والے سے بغض رکھتا ہے...الحدیث [صحیح ابن حبان]

6 ایک نبوی وصیت: حضرت قیس بن ابی عزرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ بازار میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: لغو باتیں اور قسم کھانا اس بازار کا حصہ ہے لہذا اسے تم صدقہ سے ملا دو [سنن النسائی: 7/15، مسند احمد 4/6

فائدے:

1 بازار میں داخلہ کے کچھ اداب ہیں جنکا پاس ولحاظ بہت ضروری ہے۔

2 کلمۂ توحید کی فضیلت و اہمیت کہ وہ گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

3 جس وقت اور جس جگہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہوں وہاں اللہ کے ذکر کا اہتمام بڑی عظیم نیکی ہے۔

خرید و فروخت میں نقصان سے بچنے کی دُعا

اگر آپ کی دکان یا دفتر بازار میں ہے یا کسی اور کام سے بازار جا رہے ہوں تو بازار میں داخل ہوتے وقت یہ مسنون دعا پڑھیں:۔{معنوں پر غور کیجئے خاص طور پر آج کل}

بسم اللہ اللھم انی اسالک خیر ھذہ السوق وخیر ما فیھا و اعوذ بک من شرھا و شر ما فیھا اللھم انی اعوذ بک ان اصیب فیھا یمینا فاجرۃ او صفقۃ خاسرۃ

(ترجمہ)"میں اللہ کا نام لے کر (بازار میں) داخل ہوتا ہوں۔اے اللہ میں آپ سے اس بازار اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس بازار اور جو کچھ اس بازار میں ہے اس کے شر سے۔ اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ یہاں جھوٹی قسم کھاؤں یا خرید و فروخت میں نقصان رزق میں برکت کی مسنون دعائیں.

مالی وسعت کی دعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ ایک پریشان حال غربت و مرض کے آثار سے لبریز ایک انصاری سے ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ ایسی حالت کیوں ہے؟ اس نے کہا تنگدستی اور امراض کی وجہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو ایسی دعا نہ بتادوں کہ تم اس کو پڑھو تو تنگدستی اور بیماری دور ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !وہ دعا ہمیں بھی سکھا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھو:

توکلت علی الحی الذی لایموت والحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا ٥

"بھروسہ اس ذات پر جو زندہ ہے، جسے موت نہیں آئے گی اور تعریف اس اللہ کی جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور ذلت کے موقع پر اس کے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہے اور اسی کی بڑائی بیان کرو۔" چند دن کے

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت اچھی حالت دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا سکھائی تھی اس کی برکت سے۔ (الطبرانی 3/1285) گھر سے نکلنے کی دعا جو باعث فراخی رزق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں کیا مانع ہے کہ جب تم پر معاشی تنگی ہو تو گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھو:

بسم اللہِ علٰی نفسی وما لی و دینی اللّٰھم رضِّنی بقضآئک و بارک لی فیما قدِّرلی حتّٰی لا احبَّ تعجیل ما اخّرت و لا تاخیر ما عجّلت°

" اللہ کے نام سے نفس پر، اپنے مال پر، اپنے دین پر، اے اللہ ہمیں اپنے فیصلے پر راضی فرما اور جو مقدر فرمائے اس میں برکت عطا فرما، یہاں تک کہ میں موخر میں جلد بازی اور جلد بازی میں تاخیر نہ چاہوں۔" (الدعاء ص410 بسند ضعیف) بہترین رزق کے حصول کیلئے ایک دعا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح میں یہ دعا پڑھ لے تو اس دن بہتر رزق سے نوازا جائے گا اور برائیوں سے محفوظ رہے گا اور جو شام کو پڑھ لے تو رات کو بہترین رزق سے نواز جائے گا اور برائیوں سے محفوظ رہے گا

ماشاءَ اللہُ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اشھد ان اللہ علٰی کلِّ شیءٍ قدیر

"وہی ہو گا جو اللہ چاہے نہ کوئی طاقت نہ قوت سوائے اللہ کے، میں گواہی دیتا ہوں اللہ پاک ہر شے پر قادر ہے۔" (ابن سنی، کنز العمال) مال میں برکت اور رزق میں وسعت کے لیے ایک دعا جو شخص ان آیتوں کو بکثرت فرض نماز کے بعد اور نوافل کے بعد پڑھے گا اس کے رزق میں وسعت اور اس کے مال میں برکت ہو گی اور تنگدستی دور ہو گی۔

قُلِ اللّٰھمّ مالک الملک تؤتی الملک من تشآءُ و تنزع الملک ممّن تشآءُ و تعزّ من تشآءُ و تذلّ من تشآءُ بیدک الخیر انّک علٰی کلِّ شیءٍ قدیر° تولج الیل فی النّھار و

تُولِجُ النَّهارَ فِی الیل وَ یخرج الحیّ مِنَ المیت و یخرج المیت مِنَ الحیّ و یرزق مَن تشآءُ بغیر حسابo (آل عمران:26,27)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ کی شکایت کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو یہ دعا بتائی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شدید فقر وفاقہ کی شکایت کی کہ ایک ماہ ہو گیا گھر میں چولہا جلانے کی نوبت تک نہیں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو پانچ بکریاں دے دوں اور چاہو تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابھی ابھی ایک دعا سکھائی ہے، وہ بتادوں۔ میں نے عرض کیا وہ دعا فرمادیں، فرمایا یہ دعا پڑھو:

یااول الاولین یا اخر الاخرین یاذاالقوۃ المتین ویاراحم المساکین ویاارحم الراحمین o

" اے اللہ سب سے اول، اے سب سے آخر، قوت و طاقت والے، اے مسکینوں پر رحم کرنے والے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔" (الدعاء1289، کنزالعمال 927/2) اٹھاؤں۔" (حاکم)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس آدمی نے بازار میں داخل ہوتے وقت کہا: صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے۔"

سلسلہ احادیث صحیحہ ترقیم:3139

ادا ءقرض میں آسانی کی دعا

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک ۔

اے اللہ! اپنے حلال کے ذریعے مجھے حرام سے بچا اور مجھے اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے مستغنی فرمادے۔

پریشانیوں اور قرضوں سے نجات کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے:

اللھم اِنِی اعوذبک مِنَ الھمِ وِ الحزِن وِ العِجزِ وِ الکسِلِ وِ الجبنِ وِ البخلِ وِ ضلعِ الدینِ وِ غلبۃِ الرجالِ۔

اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور کمزوری و سستی سے اور بزدلی اور بخل سے اور قرض کے بوجھ اور لوگوں کے سخت غلبے سے۔

(صحیح البخاری:6369)

نظر لگ جانے پر پڑھنے کی دعا

لا بأس أذهبِ البأس ربِ الناس اشف أنت الشافی لا یکشف الضر إلا أنت

کوئی ڈر نہیں ہے (اے) انسانوں کے رب بیماری دور کر دے اور شفا دے دے کیوں کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی نقصان دور نہیں کر سکتا۔

سبق نمبر1

مسلمان تاجر کی صفات؟

دین اسلام نے جہاں حلال تجارت کرنے کی ترغیب دی وہیں تجارت کے پختہ اصول وضوابط بھی اپنے ماننے والوں کو بتائے ہیں، اور دین کے اسلام کے آخری نبی محمد عربی ﷺ نے خود بھی تجارت فرمائی، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ اور اکثر مہاجرین کا ذریعہ معاش تجارت ہی تھا۔ حضرت علیؓ چونکہ حضور ﷺ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے اس لئے انہیں اس کا موقع کم ملا تاہم گاہے بگاہے انہوں نے بھی تجارت فرمائی۔ سر خیل فقہا امام ابو حنیفہ بڑے تاجروں میں تھے۔ امام بخاریؒ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تاجر کے بارے میں فرمایا کہ: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر قیامت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا (ترمذی) رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے پاکیزہ کمائی کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھ کا کام اور صحیح طریقہ پر تجارت (مسند احمد)

سر زمین ہندوستان میں اولین مسلمانوں کا جو قافلہ آیا تھا وہ بغرض تجارت ہی آیا تھا، گویا انھوں نے اپنی تجارت اور لین دین کے ذریعے لوگوں کو اسلام کا تعارف کرایا تھا، آج بھی کئی لوگ تجارت کے اسلامی اصولوں کو پڑھ کر اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، اگر ہر مسلمان تاجر اسلام تجارت میں اسلامی تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کرنے لگے تو بعید نہیں کہ آج بھی مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا لیکن آج اکثر مسلمان تاجروں نے دینی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور مال دولت کو ہی اپنا دین سمجھ لیا ہے، ایک مسلمان تاجر کی کیا خوبیاں ہوتی ہیں اور وہ کونسی خوبیاں ہیں جنھیں دیکھ کر لوگوں نے اسلام کو گلے لگایا، ذیل میں ہم پیش کر رہے ہیں، امید کہ ہر تاجر ان
خوبیوں اور صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

۱ صحیح عقیدہ:

ہر مسلمان تاجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کی اصلاح کرے، اللہ تعالی کے ایک ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ورسول ہونے کی شہادت پر ایمان ویقین رکھے اور اس بات کا علم رکھے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو صرف اور صرف اس کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں [الذاریات:۵۶]

لہذا مسلمان تاجر پر ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت میں سارے کام اللہ تعالی کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہوئے کرے اور شرک وریاء سے مکمل طور پر پرہیز کرے، کیونکہ شرک اور ریاء نیک اعمال کو ختم کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ترجمہ: یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا- بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا[الزمر:٦٥،٦٦]

مسلم شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے: میں شرک والوں کے شرک سے بے پرواہ ہوں، جس میں میرے علاوہ میرا شریک ہو تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔(مسلم حدیث ٢٩٨٥)

٢ - اللہ تعالی پر حسن توکل:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اللہ تعالی پر بھروسہ رکھے، اپنے لیے اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے حلال رزق کے ذرائع اختیار کرے، ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبر دار ہے۔[الفرقان:٥٨].

اور ارشاد ہے: اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا۔[الطلاق:٣]

ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم لوگ اللہ پر بھروسہ کریں، جیسا کہ اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں بھی اسی طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ (پرندے) صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔(صحيح الترمذي للألباني حدیث ١٩١١)

٣ - دعاوں کی کثرت:

دعاء غمزدوں کا سہارا ہے، پرہیز گاروں کی جائے پناہ ہے اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے، جب کسی نیک صفت اور ڈرنے والے کے دل سے دعاء کی پکار نکلتی ہے تو رب رحیم و کریم کی جانب سے بھی اس کی قبولیت کی گونج سنائی دیتی ہے۔ مسلم تاجر کو ہر وقت اللہ تعالی سے مانگنا چاہیے، خصوصا فارغ اوقات میں دعاوں کا اہتمام کرے، اللہ تعالی

قرآن کی کئی آیتوں میں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی احادیث میں دعاء کرنے کی تاکید کی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:(ترجمہ)جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے-[البقرة:186]

اور ارشاد ہے:(ترجمہ)بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کرکے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالی کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔[النمل:62]

اور ارشاد باری تعالی ہے:(ترجمہ)اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا ہے) کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔[غافر:60]

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالی بڑے کریم اور شرمیلے ہیں جب کوئی بندہ ان کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس بات سے شرماتے ہیں کہ ان کو خالی واپس کریں۔(صحيح أبي داود للألباني حديث ۱۳۲۳). اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی سے دعاء کرو، اس حال میں کہ تمہیں قبولیت دعاء کا پورا یقین ہو، اور جان لو کہ اللہ تعالی غافل بے پرواہ دل کی دعاء قبول نہیں کرتا۔(صحيح الترمذي للألباني حدیث۲۷٦٦)

۴ -مسجد کی جماعت کے ساتھ پانچ وقت کی نمازوں کا پڑھنا:

پانچ وقت کی فرض نمازوں کی مسجد میں ادائیگی ہر ایسے بالغ مرد کے لیے واجب ہے، جو مسجد جانے کی طاقت رکھتا ہو، اگرچہ اسے مسجد جانے کے لیے دوسروں کی مدد ہی کیوں نہ لینا پڑے، سوائے شرعی عذر کے مسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالی نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ جنگ کی حالت میں بھی جماعت سے نماز پڑھے، ارشاد باری تعالی ہے:(ترجمہ)جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہے، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں، ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی

گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بارش کے یا بسبب بیمار ہو جانے کے اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔[النساء:۱۰۲]

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حالت امن میں باجماعت نماز پڑھنا پہلے درجہ کا واجب ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا ہے کہ لکڑیاں اکٹھا کرنے کا حکم دوں (جلانے کے لیے) پھر نماز کا حکم دوں اور اس کے لیے اذان دی جائے پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے پاس جاوں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) پھر انھیں ان کے گھروں سمیت جلادوں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ وہاں گوشت کی موٹی ہڈی یا بکری کے دو اچھے کھر ملیں گے تو وہ ضرور عشاء (کی جماعت) میں حاضر ہو۔ (البخاري حديث 644 / مسلم حديث ٦٥١) ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس باب کی یہ حدیث باجماعت نماز کے فرض عین ہونے پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ باجماعت نماز اگر سنت ہوتی تو اس کے چھوڑنے والے کے لیے جلانے کی وعید نہیں دی جاتی۔ (فتح الباري لابن حجر العسقلاني ج۔ ۲ ص۔۱۴۸)۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مسجد تک مجھے لے کر آئے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کرے، آپ نے اسے اجازت دے دی، جب وہ واپسی کے لیے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور پوچھا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ (یعنی تمہارے گھر تک اذان کی آواز آتی ہے) اس نے کہا ہاں! فرمایا کہ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے مسجد حاضر ہوا کرو (گویا تمہیں بھی گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے)۔ (مسلم حدیث 653). ابن قدامہ کہتے ہیں: جب ایسے نابینا شخص کو اجازت نہیں ملی جسے مسجد لانے والا کوئی نہیں ہے تو پھر دوسرے لوگوں کے لیے تو زیادہ اولی ہے کہ وہ باجماعت مسجد میں نماز پڑھیں۔ (مغنی ابن قدامہ ج۔۳ ص۔۴۰۶)

ابن ماجہ میں ابن عباس کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اذان سنی اور نماز کو نہیں آیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی، الا یہ کہ اسے کوئی عذر ہو۔ (صحیح ابن ماجہ للألباني حديث ٦٤٥)

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: باجماعت نماز میں شرکت پر کسی کو طاقت ہو اور پھر بھی وہ مسجد نہ آئے میں اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا ہوں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔ (الأم للشافعي ج-١ص-١٥٤)

جب بعض دکاندار نماز کے وقت اپنی دکانوں کو بند کر دیتے ہیں یا پھر دکان پر (نماز کے لیے بند) کا بینر لگاتے ہیں تو کتنا اچھا لگتا ہے، یقیناً جب موذن اذان میں اللہ اکبر اللہ اکبر کے کلمات کہتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالی کی ذات مال سے، گھر سے خاندان سے اور بچوں سے بڑی ہے اور اللہ تعالی کی ذات ہر چیز سے بڑی ہے۔

٥ -تمام مخلوقات کے رزق کے سلسلے میں اللہ تعالی پر ایمان:

ارشاد باری تعالی ہے: (ترجمہ) اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے- آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو[الذاریات: ٢٢،٢٣]

اور ارشاد ہے: (ترجمہ) زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے[ہود: ٦]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (اعتدال کے ساتھ) روزی طلب کرو کیونکہ کوئی انسان اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ اس (رزق کے حصول) میں دیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی طلب کرو۔ جو حلال ہے، وہ لے لو اور جو حرام ہے، وہ چھوڑ دو۔ (سنن ابن ماجہ ٢١٤٤) اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک رزق بندے کو تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے۔ (صحیح ابن حبان، کتاب الزکاۃ، ٤/٩٨،)

٦ -دین کی سمجھ اور تجارت سے متعلق شرعی مسائل کی معرفت:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ جتنا ممکن ہو سکے دین کی اتنی سمجھ بوجھ حاصل کرے، جس کے ذریعے عقیدے اور عبادت کی صحت میں مدد حاصل کر سکے، ماضی میں اکثر ایسے تاجر گذرے ہیں جو بیک وقت عالم دین بھی تھے اور کامیاب تاجر بھی، لہذا آج بھی ضرورت ہے کہ تجارت پیشہ افراد تجارت سے متعلق شرعی مسائل اور احکام کا علم کریں، تجارت کے میدان میں پیش آنے والے مسائل کو علماء کرام سے حل کریں تا کہ شبہات اور حرام چیزوں سے حفاظت ہو سکے۔ علم کا حصول انسان کو بندوں میں بھی عالی مقام بناتا ہے اور خدائے باری تعالی کے پاس بھی اس کی قدر کی جاتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے

جو ایمان لائے ہیں اور جنھیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کر دے گا۔[المجادلہ:۱۱]. اور ارشاد ہے:(ترجمہ) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں[فاطر:۲۸]

حضرت معاویہ بن سفیان سے مروی کہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔(البخاري حديث ٧١ / مسلم حديث ١٠٣٧)

۷ -مسلم تاجر اپنے لیے اچھے معاونین کا انتخاب کرتا ہے:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اپنے لیے قابل اور باصلاحیت معاونین کا انتخاب کرے، ساتھ ہی وہ ان کی دینی حالت پر بھی نظر رکھے، کہ ان میں صدق وسچائی ہو اور امانتداری کا پاس ولحاظ ہو اور نماز کا اہتمام کرتے ہوں، کیونکہ انسان اپنے ساتھ رہنے والوں سے متاثر ہوتا ہے، حدیث میں حضرت سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: صحبت اختیار مت کرو مگر مومن کی اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر پرہیز گار آدمی۔(صحيح الترمذي للألباني حديث 1952). اور ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آدمی اپنے دوست کے دین (روش) پر ہوتا ہے لہذا چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک دیکھے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔(صحيح أبي داود للألباني حديث ٤٠٤٦)

۸ -استخارہ یعنی اللہ تعالی سے خیر چاہنا اور نیک لوگوں سے مشورہ لینا:

مسلمان تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام کاموں کے لیے استخارہ کا اہتمام کرے اور کوئی بھی کام کرنا ہو اس سلسلے میں نیک لوگوں کا مشورہ لے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو استخارہ کی تعلیم دیا کرتے تھے، حضر تجابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام معاملات میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے، قرآن کی سورت کی طرح (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم میں سے کوئی شخص کسی (مباح) کام کا ارادہ کرے (ابھی پکا عزم نہ ہوا ہو) تو دو رکعات (نفل) پڑھے اس کے بعد یوں دعا کرے ” اے اللہ! میں بھلائی مانگتا ہوں (استخارہ) تیری بھلائی سے، تو علم والا ہے، مجھے علم نہیں اور تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے بہتر ہے، میرے دین کے اعتبار سے، میری معاش اور میرے انجام کار کے اعتبار سے یا دعاء میں یہ الفاظ کہے ” فی عاجل امری وآجلہ “ تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین کے لئے، میری زندگی کے لئے اور میرے انجام کار کے لئے یا یہ الفاظ فرمائے ” فی عاجل امری وآجلہ

"تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقدر کر دے جہاں کہیں بھی وہ ہو اور پھر مجھے اس سے مطمئن کر دے (یہ دعا کرتے وقت) اپنی ضرورت کو بیان کر دینا چاہئے۔ (البخاري حديث ٦٣٨٢)

۹ -رزق کی تلاش میں صبح سویرے بیدار ہونا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاجر پیشہ صحابہ کو صبح سویرے تجارت کے لیے جانے کی ہدایت کرتے تھے اور خود بھی کسی کام کے کرنے یا سفر کا ارادہ کرتے تو صبح کے وقت کا انتخاب کرتے۔ حضرت صخر الغامدی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی: اے اللہ! میری امت کے سویرے کے کاموں میں برکت فرما۔ حضرت صخر کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو دن کے اول حصے میں (فجر کے فورا بعد) روانہ کرتے۔ حدیث کے راوی حضرت صخر خود تاجر تھے اور کوفہ میں رہتے تھے وہ اپنے نوکروں کو صبح ہی مارکیٹ روانہ کرتے تھے، چنانچہ ان کی دولت میں خوب برکت آئی۔ (صحيح الترمذي للألباني حديث ٩٦٨)

۱۰ -حکمت اور نصیحت کے ساتھ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اپنی تجارت کے دوران اخلاص کے ساتھ دعوت کا بھی کام کرے، لوگوں کو اچھے کاموں کی ترغیب دے اور اپنی طاقت کے مطابق وعظ و نصیحت کے ذریعے برے کاموں سے روکے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو [آل عمران: ۱۱۰]

اور ارشاد ہے: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے [النحل: ۱۲۵]

حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کوئی بات دیکھے تو وہ اسے ہاتھ سے تبدیل کر دے اگر اس کی قوت نہ ہو تو زبان ہی سے اس کی تردید کر دے اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے اس چیز کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب کمترین درجہ ہے۔ (مسلم حديث ۴۹)

۱۱ -شک وشبہ والی چیزوں سے دور رہنا:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ حلال و حرام چیزوں کے سلسلے میں ناواقفیت کی صورت میں علماء کرام سے پوچھے اور خرید وفروخت میں شک وشبے والی چیزوں میں پڑنے سے بچے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جن کو بہت

سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچے تو گویا اس نے اپنے دین اور آبرو کو سلامت رکھا، اور جو ان شبہات (کی دلدل) میں پھنس گیا، وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو (اپنے جانوروں کو) محفوظ چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے، ممکن ہے کہ وہ اپنے دھن میں اس چراگاہ میں جا گھسائے، اس طرح سن لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، یاد رکھو کہ اللہ کی زمین میں اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور سن لو کہ جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سن لو کہ یہ (گوشت کا ٹکڑا) دل ہے۔(البخاري حديث ۵۲ / مسلم حديث ۱۵۹۹)

۱۲ -ہر حال میں اللہ تعالی کا کثرت سے ذکر کرنا:

مسلم تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت اللہ تعالی کے ذکر سے تر رکھے، نمازوں کے اختتام پر، صبح وشام اور سفر کے دوران کے اذکار کا خیال رکھے، خصوصا ان اذکار کو پڑھے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے، ذکر کے سلسلے میں قرآن وحدیث میں بے شمار فضائل آئے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:(ترجمہ) اس لئے تم میر اذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو- [البقرة:۱۵۲]

اور ارشاد ہے:(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے[الرعد:۲۸].

اور ارشاد باری تعالی ہے:(ترجمہ) اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا-[الأعراف:۲۰۵]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے بارے میں میرا بندہ جو گمان کرتا ہے میں (اس کو پورا کرنے کے لیے) اس کے پاس ہوتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے (بھری) مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں ان کی مجلس سے اچھی مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں، اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب جاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میر قریب آتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کی پوری لمبائی کے برابر اس کے قریب آتا ہوں، اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس جاتا ہوں۔"(البخاري حديث ۷۴۰۵ / مسلم حديث ۲۰۶۷)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے جو زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بہت بھاری اور رحمان کو عزیز ہیں۔ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ وبحمدہ۔(البخاري حديث ٦٤٠٦ / مسلم حديث ٢٠٢٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سبحان اللہ وبحمدہ دن میں سو مرتبہ کہا، اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔(البخاري حديث ٦٤٠٥ / مسلم حديث ٢٦٩١)۔

معصب بن سعد سے روایت ہے، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) نے حدیث سنائی، انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں کمائے؟" آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے پوچھا ہم میں سے کوئی شخص ایک ہزار نیکیاں کس طرح کما سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ سو بار سبحان اللہ کہے۔ اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔"(مسلم حديث ٢٦٩٨)

۱۳ – تمام لین دین کے معاملوں میں سچائی اور دیانتداری کا اہتمام:

اللہ تعالی کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا اور امانت کو اس کے مالک تک پہنچانا مسلم تاجر کی پہچان ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو-[توبہ:۱۱۹]

اور فرمان باری ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ![نساء:۵۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خریدنے اور بیچنے والوں کو اس وقت تک اختیار (بیع ختم کر دینے کا) ہے جب تک دونوں جدا نہ ہوں یا آپ نے (مالم يتفرقا کے بجائے) حتی يتفرقا فرمایا۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا) پس اگر دونوں نے سچائی سے کام لیا اور ہر بات صاف صاف کھول دی تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بات چھپا رکھی یا جھوٹ کہی تو ان کی برکت ختم کر دی جاتی ہے۔(البخاري حديث ٢٠٧٩)

۱۴ – خرید و فروخت کے دوران اللہ تعالی کی قسم کھانے سے پرہیز:

مسلمان تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اپنی بات میں سچا ہونے کے باوجود بھی قسم نہ کھائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت میں قسم کھانے سے ہمیں روکا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (سامان بیچتے وقت دکاندار کے) قسم کھانے سے سامان تو جلدی بک جاتا ہے لیکن وہ قسم برکت کو مٹا دینے والی ہوتی ہے۔(مسلم حدیث ۱۶۰۶)۔

مسلمان تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر حرام مال نہ خریدے اور نہ بیچے، ارشاد باری تعالی ہے: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے-[آل عمران: ۷۷]

۱۵ -راہ خدا میں خرچ کرنا:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی دنیا وآخرت کی فائدہ مند تجارت ہے، لہذا ہر مسلمان تاجر کو اپنے مال میں سے حسب استطاعت خیر کے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے، خیر کے کام مختلف ہیں، جن میں مساجد کی تعمیر، دینی علوم پڑھنے والے طلباء کی مدد، فقراء ومساکین کی مدد، ضرورت مندوں اور یتیموں کی کفالت، رمضان میں روزے داروں کو افطار کرانا اور ان کے علاوہ خیر کے بے شمار کام ہیں۔

صدقہ وخیرات سے جہاں نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے وہیں مال میں بھی برکت آتی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی - تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے بے شک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے-[فاطر:۲۹، ۳۰]

اور ارشاد ہے: جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے-[البقرۃ:۲۶۱]

اور ایک جگہ ارشاد ہے: اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے) تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اللہ بڑا قدر دان بڑا بردبار ہے۔[التغابن:۱۷]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقے نے مال میں کبھی کوئی کمی نہیں کی اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو عزت ہی میں بڑھاتا ہے اور کوئی شخص (صرف اور صرف) اللہ کی خاطر تواضع (انکسار) اختیار نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مقام بلند کر دیتا ہے۔"(مسلم حدیث ۲۵۸۸]

ممکن ہے شیطان آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ مال خرچ نہ کر اور روکے رکھ ہو سکتا اولاد کی تربیت کے لیے تجھے ضرورت پڑے گی، اللہ تعالی نے بھی سچ فرمایا: شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔[البقرة:۲۶۸]

۱۶ -خرید و فروخت میں فیاضی اور نرمی سے کام لینا:

جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرے جو بیچتے وقت اور خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت فیاضی اور نرمی سے کام لیتا ہے۔(البخاري حديث ۲۰۷۶]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے۔"(مسلم حدیث ۲۵۹۴]

۱۷ -تنگدستوں کے ساتھ صبر سے کام لینا، انھیں مہلت دینا اور درگزر کرنا:

مسلمان تاجر کی یہ خوبی ہے کہ وہ تنگدستوں اور پریشان حال لوگوں کے ساتھ صبر سے کام لیتا ہے اور انھیں مہلت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہئے[البقرة:۲۸۰]

تنگدستوں کو مہلت دینے اور ان کے ساتھ صبر کا معاملہ کرنے کا اللہ تعالی کے نزدیک قیامت کے دن بڑا مقام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب کسی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے نوکروں سے کہہ دیتا کہ اس سے درگزر کر جاؤ۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے (آخرت میں) درگزر فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے مرنے کے بعد) اس کو بخش دیا۔(البخاري حديث ۲۰۷۸ / مسلم حدیث ۱۵۶۲)

۱۸ -شرعی وصیت کا اہتمام کرنا:

انسان کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کب، کیسے اور کہاں اس کی موت آنے والی ہے، لہذا مسلمان تاجر کے لیے چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی وصیت لکھی رکھے، اس پر کیا قرض اور کس کس سے قرض وصول کرنا ہے، اپنی وصیت میں لکھا ہوا رکھے، اگر اچانک موت آجائے تو لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہونگے اور لوگوں کے پاس اس کے وارثوں کے جو حقوق ہونگے وہ بھی محفوظ ہو جائیں گے، ارشاد باری تعالی ہے :(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔ (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے -[لقمان:۳۴]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے جس کے پاس وصیت کے قابل کوئی بھی مال ہو درست نہیں کہ ۲ / رات بھی وصیت کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھے بغیر گزارے۔ (البخاري حديث ۲۷۳۸ / مسلم حدیث ۱۶۲۷)

سبق نمبر2

خرید وفروخت کی جدید شکلیں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی معاشرہ کے معاشی اور مالی معاملات مناسب اُصول وضوابط کے پابند نہ ہوں، تب تک اس معاشرہ کی منصفانہ تشکیل ممکن نہیں۔ اسلام چونکہ منصفانہ معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے، اس لیے اسلام نے لین دین اور تجارتی تعلقات کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع اُصول عطا کئے ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں۔

معیشت و تجارت کے حوالہ سے دین اسلام کا ایک نمایاں وصف ہے کہ یہ نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح لوگوں کو کھلی چھٹی دیتا ہے اور نہ ہی آہنی زنجیروں میں جکڑتا ہے۔ بلکہ اس کا رویہ اعتدال پر مبنی ہے کہ جہاں اپنے ماننے والوں کو تجارت کے ذریعے کسبِ مال کی ترغیب دیتا ہے، وہاں ایسے رہنما اُصول بھی پیش کرتا ہے جن کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ ان اُصولوں کی پابندی کر کے جو بھی لین دین کیا جائے، وہ شریعت کی نگاہ میں جائز تصور ہو گا خواہ وہ دور جدید کی ہی پیداوار ہو، یعنی اسلام کا رویہ معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ جامع اور لچک دار بھی ہے جو ہر دور کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام جہاں معاشی ترقی کا خواہاں ہے، وہاں دینی، روحانی اور اخلاقی ہدایات کا معلم بھی ہے جن کی خلاف ورزی کر کے فلاحی نظامِ معیشت کا قیام ممکن نہیں، اس لیے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان حصولِ مال کی خاطر بے مہار ہو جائے اور حلال و حرام کا امتیاز ہی ختم کر دے کیونکہ اس طرح معاشی بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، اس لیے اسلامی ریاست میں ان لوگوں کو کاروبار کی اجازت نہیں ہے جو ان احکام سے واقف نہ ہوں جو اسلام نے تجارت کے سلسلے میں دیئے ہیں، چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بن خطاب کا فرمان ہے:

لَا يَبِعْ فِيْ سُوقِنَا إِلَّا مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ الدِّيْنِ [1]

"ہمارے بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین (تجارتی احکام) کی سمجھ ہو۔"

تیرھویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ مُحَمَّد بن احمد الرہونی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1230ھ) نے اپنے شیخ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"کہ اُنہوں نے مراکش میں محتسب کو بازاروں میں گشت کرتے دیکھا، جو ہر دکان کے پاس ٹھہرتا اور دکان دار سے اس کے سامان سے متعلق لازمی احکام کے بارہ میں پوچھتا اور یہ دریافت کرتا کہ ان میں سود کب شامل ہوتا ہے اور وہ اس سے کیسے محفوظ رہتا ہے؟ اگر وہ صحیح جواب دیتا تو اس کو دکان میں رہنے دیتا اور اگر اسے علم نہ ہوتا تو اسے دکان سے نکال دیتا اور کہتا تیرے لیے مسلمانوں کے بازار میں بیٹھنا ممکن نہیں تو لوگوں کو سود اور ناجائز کھلائے گا۔"2

اسلامی تعلیمات سے نا آشنا بعض حلقے یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ معیشت و تجارت کے بارہ میں اسلامی احکام پر عمل کرنے سے ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور ہم معاشی اعتبار سے بہت پیچھے رہ جائیں گے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقی اور دیرپا ترقی کے لیے تجارتی سرگرمیوں کو مناسب اُصول وضوابط کے دائرہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ حقیقت پسند ماہرین کے نزدیک موجودہ معاشی بحران کا بنیادی سبب معاشی سرگرمیوں کا اخلاقی قیود اور پابندیوں سے مستثنیٰ ہونا ہے اور مارکیٹ کو اخلاقی ضوابط کا پابند بنا کر معیشت میں بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔

اور اگر یہ ناقدین اسلام کے تجارتی احکام کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیں تو خود گواہی دیں گے کہ اسلامی طریقۂ تجارت میں شتر بے مہار آزادی، ہوس، مفاد پرستی اور خود غرضی کو کنٹرول کرنے کا شاندار میکانزم موجود ہے اور یہی وہ خرابیاں ہیں جو معاشرے کے اجتماعی مفادات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور معاشی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا باعث بنتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ تجارت پیشہ تھے اور ان کی تمام کاروباری سرگرمیاں شریعت کے تابع ہی ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود اُنہوں نے معاشی میدان میں بے مثال ترقی کی، ہر طرف مال و دولت کی فروانی، آسودگی اور خوش حالی عام تھی اور وسیع اسلامی مملکت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔ معاشی اعتبار سے کمزور ترین افراد بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو گئے تھے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معاشی ترقی کے لیے بے قید آزادی ناگزیر نہیں بلکہ یہ مقصد حدود و قیود کے اندر رہ کر بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

لین دین کے وہ کونسے احکام ہیں جو شریعت کی رو سے لازمی اور واجب التعمیل ہیں، ذیل میں اس کی تفصیل پیش خدمت ہے:

بیع کا تعارف

مناسب ہو گا کہ خرید وفروخت کے متعلق احکامِ شرعیہ بیان کرنے سے قبل بیع کا مفہوم واضح کر دیا جائے کیونکہ کتبِ حدیث میں لین دین کے معاملات اور ان سے متعلقہ احکام بالعموم کتاب البیُوع کے تحت ذکر ہوتے ہیں، قرآن نے بھی ان

معاملات کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں بھی خرید و فروخت کے معاہدے بیع نامہ کے نام سے ہی تحریر ہوتے ہیں۔

بیع کا معروف معنی ہے: بیچنا لیکن یہ خریدنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں اشیا کا لین دین اشیا کے بدلے ہی ہوتا تھا یعنی بارٹر سسٹم رائج تھا، اس طریقہ میں ہر شخص گویا فروخت کنندہ بھی ہوتا تھا اور خریدار بھی، اس سے بیع کے لفظ میں دونوں معنی پیدا ہو گئے۔

علمائے شریعت کے نزدیک لین دین کے وہ تمام معاملات جو کسی معاوضہ کی اساس پر طے پاتے ہیں، بیع کہلاتے ہیں اس لیے بیع کا شرعی مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

والبيع نقل ملك إلى الغير بثمن3

"بیع کا معنی ہے قیمت کے عوض چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔"

ملکیت کی منتقلی تو سودی معاملات میں بھی ہوتی ہے مگر ان کو بیع نہیں کہا جاتا۔ ایسے ہی قرض کا لین دین بھی بیع میں داخل نہیں کیونکہ قرض کا مقصد قرض لینے والے کے ساتھ احسان کرنا ہے نہ کہ قیمت وصول پانا۔ واضح رہے کہ بیع میں ملکیت کی منتقلی دائمی ہونی چاہیے۔

بیع اور تجارت کا باہمی فرق

بیع کے مقابلہ میں تجارت کا مفہوم قدرے محدود ہے۔ تجارت کا مطلب ہے Trade یعنی کوئی چیز اس غرض سے خریدنا تا کہ اسے بیچ کر نفع حاصل کیا جائے خواہ بعد میں نفع ہو یا نقصان، جبکہ بیع کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

خرید و فروخت کی دو قسمیں ایسی ہیں جو بیع تو ہیں مگر تجارت میں شامل نہیں:

1. ذاتی استعمال کے لیے چیز خریدنا، یہ بیع تو ہے لیکن تجارت نہیں کیونکہ اس کا محرک نفع کا حصول نہیں بلکہ اپنی ضرورت ہے۔
2. کسان کا اپنی فصل یا مینوفیکچرر کا اپنی مصنوعات بیچنا بیع تو ہے مگر تجارت نہیں کیونکہ یہ دونوں کسی سے چیز خرید کر نہیں بیچتے بلکہ خود پیدا یا تیار کرتے ہیں۔ تجارت تب ہی ہو گی جب چیز ایک سے خرید کر دوسرے کو بیچی جائے۔

بیع کی اقسام

مختلف اعتبار سے بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

جو چیز بطورِ قیمت دی جائے، اس کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

1. چیز کا تبادلہ چیز کے ساتھ ہو، مثلاً گندم کے بدلے چاول یا زمین دے کر مکان لینا۔ اس کو بارٹر سیل (المُقایِضَۃ) کہتے ہیں۔

2. روپے پیسے کے بدلے کوئی چیز خریدنا، یہ صورت بغیر کسی قید کے بیع مُطْلَق کہلاتی ہے کیونکہ عموماً خریدوفروخت اسی طرح ہوتی ہے۔

3. نقدی کے بدلے نقدی کا لین دین، اسکو بیع الصرف، منی چینجر کا کاروبار کہتے ہیں۔

4. ایک طرف کسی چیز کا حق استعمال یا کسی شخص کی محنت ہو خواہ وہ محنت جسمانی ہو یا ذہنی اور دوسری طرف اس کا معاوضہ تو اس کے لیے اِجارَہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جس کا معنی ہے: کرایہ داری اور محنت مزدوری کا معاملہ۔ اسکے احکام علیحدہ بیان کئے جائیں گے۔

قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں:

1. خریدی گئی چیز کی حوالگی اور قیمت کی ادائیگی دونوں نقد ہوں تو اس کو نقد خریدوفروخت

2. اور اگر چیز کی سپردگی تو فوری ہو مگر قیمت کی ادائیگی مستقبل کی کسی تاریخ پر طے ہو تو اسے ادھار خریدوفروخت (بیع مؤجل) کا نام دیتے ہیں۔

3. جب قیمت کی مکمل ادائیگی تو پیشگی کر دی جائے لیکن چیز کی حوالگی کے لیے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہو تو اس کو بیع سِلم کہتے ہیں جو کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

4. اگر قیمت کی ادائیگی اور چیز کی سپردگی دونوں اُدھار ہوں تو اس کو حدیث میں بیع الکالِئ بالکالِئ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے

فائدہ:

بعض اوقات مشتری فوری ادائیگی کی بجائے یہ کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا، بعد میں کب دوں گا، یہ طے نہیں ہوتا۔ یہ صورت اُدھار میں شامل نہیں بلکہ نقد کی ہی ایک شکل ہے جس میں فروخت کنندہ کچھ رعایت دے دیتا ہے۔ اس میں اور اُدھار میں فرق ہے، وہ یہ کہ ادھار میں مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جبکہ اس میں فروخت کنندہ جب چاہے تقاضا کر سکتا ہے، اگرچہ وہ اپنی مرضی سے جب تک چاہے تاخیر کرتا رہے لیکن اسے بیع کے فوری بعد مطالبے کا حق حاصل ہو جاتا ہے

قیمت فروخت کے لحاظ سے بھی بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

مُساوَمَۃ: یہ خرید وفروخت کی ایک عام قسم ہے جس میں فروخت کنندہ اپنی قیمت خرید یا لاگت ظاہر کئے بغیر کسی بھی قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ مساومہ کا معنی ہے: بھاؤ تاؤ۔ اس میں چونکہ فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان قیمت کا تعین بھاؤ تاؤ کے ذریعے ہوتا ہے اور فروخت کنندہ اپنی لاگت بتانے کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے اسے 'مساومہ' کہتے ہیں۔ جہاں فروخت کنندہ ان اشیا کی لاگت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکتا ہو جو وہ فروخت کرنا چاہتا ہو تو وہاں مساومہ ایک مثالی طریقہ ہو سکتا ہے۔

نیلام: فروخت کنندہ یوں کہے جو مجھے زیادہ قیمت دے گا، میں یہ چیز اس کو بیچ دوں گا۔ یہ بھی اصل میں مساومہ کی ہی ایک قسم ہے جس میں فروخت کنندہ ایک متعین قیمت طلب کرنے کی بجائے خریداری کے خواہاں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ قیمت لگائیں اور جس کی بولی زیادہ ہو گی اس کے ساتھ بیع منعقد ہو جائے گی۔

اس کے مقابلے میں ٹینڈر (مُناقصِۃ) پر خریداری ہے جس میں خریدار یہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے جو کم قیمت پر مہیا کرے گا، میں اس سے لوں گا۔ یہ جدید صورت ہے جس کا قدیم فقہی ذخیرہ میں تذکرہ نہیں ملتا، تاہم اس کا بھی وہی حکم ہے جو نیلام کا ہے۔

مُرابِحۃ: مرابحہ سے مراد ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ اس پر میری یہ لاگت آئی ہے اور اب میں اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر آپ کو بیچتا ہوں۔ مرابحہ کا معنی ہے: 'نفع پر بیچنا' مرابحہ میں قیمت نقد بھی ہو سکتی ہے اور اُدھار بھی۔ فروخت کنندہ کی جانب سے مشتری کو اپنی لاگت اور اس میں شامل منافع سے آگاہ کرنا ہی وہ نکتہ ہے جو مرابحہ کو مساومہ سے الگ کرتا ہے۔

تَوْلِیَۃ: جب فروخت کنندہ کوئی چیز نفع ونقصان کے بغیر لاگت قیمت پر ہی فروخت کرے تو اس کو بیع تولِیہ کہتے ہیں۔ تولیہ کا لغوی معنی ہے: والی بنانا، فروخت کنندہ چونکہ نفع حاصل کئے بغیر ہی خریدار کو چیز کا مالک بنا دیتا ہے، اسلئے اس کو تولیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

وضِعِیۃ: وضعیہ کا معنی ہے قیمتِ خرید سے کم پر بیچنا، یعنی خسارے کا سودا۔

آخری تین قسموں میں چونکہ فروخت کنندہ اپنی قیمتِ خرید یالاگت بتاکر سودا کرتا ہے اور خریدار اس پر اعتماد کرتا ہے، اس لیے ان کو بیوعِ الامانۃِ امانت داری پر مبنی بیوع کانام دیاجاتا ہے۔

خرید و فروخت کی اجازت کافلسفہ

یہ بات مسلم ہے کہ خرید و فروخت ہمیشہ سے انسانی زندگی کالازمی حصہ رہاہے، اس لیے کہ یہ انسان کی فطری ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں کیونکہ دنیامیں ہر شخص کسی نہ کسی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر ہے، یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے استعمال کی تمام اشیاخود ہی پیدا یاتیار کرلے۔ مثلاً ایک شخص کسان ہے جو اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود ہی کھیتی باڑی کرتا ہے مگر زرعی آلات، لباس اور رہائش کے سلسلے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: الإنسان مدني بالطبع انسان اپنی حاجات و ضروریات کے لیے ہر آن دوسروں کا محتاج ہے۔ جب ہر شخص کی ضرورتیں دوسروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں تو پھر خرید و فروخت کے معاملات ناگزیر ہیں۔

اگر خرید و فروخت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نظامِ حیات درہم برہم ہوجاتا، انسانیت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہوجاتی اور انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے یاتو چوری اور لوٹ مار کا سہارا لیتا جس سے نہ صرف لوگوں کے اَموال خطرات میں پڑ جاتے بلکہ خونریزی کا بازار بھی گرم ہوتا یادوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہوتا جو کہ باعثِ ذلت ہے اور بسا اوقات مالک معاوضہ کے بغیر دینے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا، لہٰذا اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر یہ خاص لطف و کرم فرمایا کہ اُنہیں اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نہ صرف خرید و فروخت کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ اس کے متعلق احکام و ہدایات دے کر ثواب اور اپنے قرب کا ذریعہ بنادیاہے۔

تجارت کی فضیلت

ایک دوسرے کے ساتھ اشیاکا تبادلہ چونکہ انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے، اس لیے قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ میں بڑے شوق آفرین انداز میں خرید و فروخت کے ذریعے کسب مال کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد کو اللہ کا فضل قرار دیاہے۔ حج کے معاشی اور تجارتی پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ...﴿١٩٨﴾...سورة البقرة

ترجمہ "تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (تجارت کے ذریعے) اپنے ربّ کا فضل تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑی) کے پاس اللہ کو یاد کرو۔ اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے بلاشبہ اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔"

حج کے دنوں میں جب سارے عرب سے لوگ مکہ مکرمہ میں حاضر ہوتے تو بازار مالِ تجارت سے بھر جاتے اور خرید و فروخت کا تانتا بندھا رہتا جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے۔ بعض مسلمان احتیاط کے پیش نظر دورانِ حج تجارت سے اجتناب کرتے تھے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ ربّ کے فضل سے مراد یہاں تجارت اور کاروبار ہے یعنی دورانِ حج مالی، تجارتی اور معاشی فوائد حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے بشرط کہ حج کے مناسک متاثر نہ ہوں۔

ایک اور جگہ نمازِ جمعہ کے بعد تجارت کرنے کی ہدایت دی گئی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ وَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾...سورة الجمعہ

"پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔"

یہاں بھی 'اللہ کا فضل تلاش کرو' سے مراد کسبِ مال ہے جس میں خرید و فروخت بھی شامل ہے۔ گویا تجارت محض دنیاوی کام نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کاروبار میں اسلامی احکام کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ کاروبار بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر بھی تجارت اور مال کو اللہ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے قبل خود بھی تجارت کی اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے، چنانچہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام تجارت ہی کرتے تھے۔ احادیثِ نبویؐ میں تجارت کو بہت معزز پیشہ قرار دیا گیا اور دیانت دار تاجر کا بڑا مرتبہ تسلیم کیا گیا ہے ۔ایک حدیث میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے اور دیانتدار تاجر کو جنت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کی رفاقت کی بشارت سنائی ہے:

التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ [4]

"راست باز اور امانت دار تاجر انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا۔"

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کسبِ معاش کا بہترین اور باعث برکت ذریعہ کونسا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

)عَمِلُ الرجل بیدہٖ وکُلُّ بیعٍ مبرور) 5

"انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور۔"

یعنی بہترین پیشہ وہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے محنت کرنا پڑے یا پھر ایسی تجارت جس میں امانت و دیانت کی روح کار فرما ہو۔ ثابت ہوا کہ تجارت بابرکت ذریعہ معاش ہے، تاہم اس میں دنیا ہی مد نظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ آخرت کی فلاح بھی مطلوب ہے اس لیے یہ شریعت کے تابع ہونی چاہیے۔ جو خرید و فروخت شریعت کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر کی جائے، اس کو 'بیع مبرور' کہتے ہیں۔ یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ہماری معاشی سرگرمیوں کو ایک نظم ونسق کے تحت دیکھنا چاہتا ہے۔

خرید و فروخت کے متعلق بنیادی ہدایات

خرید و فروخت کا جو معاملہ بھی ہو، اس میں تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

.1 معاملہ کرنے والے فریقین

.2 وہ چیز جس کا سودا کیا جا رہا ہو

.3 چیز کی قیمت

شریعتِ مطہرہ نے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایات دی ہیں:

فریقین کے لیے ہدایات

معاملہ باہمی رضامندی سے طے پانا چاہیے

بیع کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ فریقین کا نہ صرف ذہنی توازن درست ہو اور وہ معاملات کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سودے پر یکساں طور پر رضامند ہوں۔ چنانچہ لین دین کے وہ تمام معاملات جن میں فریقین کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہ پائی جاتی ہو ناجائز ہیں۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

يأيها ٱلذين ءامنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالبطل إلا أن تكون تجرة عن تراض منكم ۚ ولا تقتلوا أنفسكم ۚ إن ٱلله كان بكم رحيما ...﴿٢٩﴾...سورة ٱلنساء

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ اور اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بلاشبہ اللہ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔"

سورہ نساء کی یہ آیت تجارتی اور معاشی تعلقات کے متعلق بنیادی اُصول پیش کر رہی ہے کہ وہ کاروباری اور تجارتی معاملات جن پر دونوں فریق یکساں مطمئن اور راضی نہ ہوں، باطل ہیں۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ لین دین میں فریقین کی باہمی رضامندی لازم ہے۔ شریعتِ اسلامیہ اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی کسی کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرے یا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام نے ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو یکساں محترم قرار دیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی جیسی معمولی چیز کی زبردستی خرید و فروخت کو بھی قابل حرمت قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

"کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی (بھی) اس کی قلبی خوشی کے بغیر لے۔" 6

بطورِ خاص خرید و فروخت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان ہے:

(إنما البيع عن تراض) 7

"بیع صرف باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔"

واضح رہے کہ یہ رضامندی حقیقی ہونی چاہیے نہ کہ مصنوعی۔ لہٰذا کسی دباؤ کے تحت یا غلط تاثر کی بنیاد پر یا دوسرے فریق کو چیز کی حقیقت سے بے خبر یا اصل قیمت سے دھوکے میں رکھ کر حاصل کی گئی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ مصنوعی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے شریعت نے اس قسم کی دھوکہ دہی کی صورت میں متاثرہ فریق کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اگر انتہائی بے بسی اور مجبوری کی بنا پر اپنی چیز بیچ رہا ہو تو ایسے شخص سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر خریدنا، اگرچہ بظاہر وہ اس پر راضی بھی ہو ناجائز ہے، درست نہیں۔ معمولی کمی بیشی کی تو گنجائش ہے لیکن بہت زیادہ فرق درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قلبی خوشی کی تاکید فرمائی ہے اور یہ بات طے ہے کہ مجبور شخص خوش دلی سے غیر معمولی کم ریٹ

پر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں مجبور شخص سے سستے داموں خریدنے کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ ناپسندیدہ رویہ ہے جس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

البتہ بعض صورتوں میں حکومت یا کوئی مجاز اتھارٹی مالک کو اس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی چیز فروخت کرے:

پہلی صورت یہ ہے کہ مقروض اپنے ذمے قرض ادا نہ کر رہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو تو عدالت اس کو اپنی جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اگر وہ عدالتی حکم کے باوجود لیت ولعل سے کام لے تو عدالت قرض خواہ کی داد رسی کے لیے خود بھی اس کی جائیداد مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے جائیداد رہن رکھ کر قرض لے رکھا ہو اور وہ متعدد مرتبہ کی یاد دہانی کے باوجود ادائیگی نہ کر رہا ہو تو قرض خواہ رہن شدہ جائیداد فروخت کر کے اپنا حق وصول پا سکتا ہے، چاہے مقروض اس پر راضی نہ بھی ہو بشرطیکہ عدالت اور قرض خواہ منصفانہ قیمت پر بیچنے کو یقینی بنائیں، اپنی رقم کھری کرنے کے لالچ میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

تیسری صورت جب مالک کو اپنی اشیا فروخت کرنے پر مجبور کیا سکتا ہے، یہ ہے کہ جب غذائی اشیا کی قلت ہو اور کچھ لوگ ذخیرہ اندوزی کر رہے ہوں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تاجروں کو ذخیرہ کی گئی اشیا فروخت کرنے کا حکم دے، اگر وہ تعمیل نہ کریں تو حکومت ان کی مرضی کے خلاف خود بھی مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے، جیسا کہ الموسوعة الفقهية میں ہے:

إذا خيف الضرر على العامة أجبر بل أخذ منه ما احتكره وباعه وأعطاه المثل عند وجوده أو قيمته وهذا قدر متفق عليه بين الائمة ولا يعلم خلاف في ذلك [8]

"جب عوام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے گا بلکہ اس سے ذخیرہ شدہ مال لے کر فروخت کر دے گا اور اس کو اس مال کا مثل جب موجود ہو یا اس کی قیمت دے گا۔ اتنی بات تمام ائمہ میں متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

کسی کی چیز زبردستی لینے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ حکومت کو عوامی مقاصد کے لیے کسی جگہ کی حقیقی ضرورت ہو اور مالکان بیچنے پر آمادہ نہ ہوں تو حکومت وہ جگہ زبردستی بھی حاصل کر سکتی ہے، تاہم حکومت پر فرض ہو گا کہ مالکان کو مارکیٹ ریٹ کے حساب سے ادائیگی کرے۔ حکومت بازاری قیمت ادا کیے بغیر کسی شہری کو جائیداد سے محروم نہیں کر سکتی۔

خریدنے سے پہلے بیچنا ممنوع ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ بیچنے والا فقط اسی چیز کا سودا کرے جس کا وہ کلی طور پر مالک بن چکا ہو۔ بعض دفعہ کاروباری حضرات کے پاس چیز موجود نہیں ہوتی مگر وہ اس اُمید پر سودا طے کر لیتے ہیں کہ بعد میں کہیں سے خرید کر فراہم کر دینگے، ایسا کرنا منع ہے، کیونکہ ممکن ہے مالک وہ چیز بیچنے پر آمادہ ہی نہ ہو یا وہ اس کی قیمت فروخت سے دگنی قیمت طلب کر لے اور یہ نقصان سے بچنے کے لیے خود ہی خریدنے پر تیار نہ ہو۔ اس طرح فریقین کے مابین تنازعات جنم لینے کا اندیشہ ہے، لہٰذا شریعتِ اسلامیہ نے ان کے سد باب کے لیے یہ اُصول بنا دیا ہے کہ وہ متعین چیز جو فی الحال فروخت کنندہ کی ملکیت میں نہ ہو، اس کا سودا نہ کیا جائے، جیسا کہ جناب حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"میرے پاس ایک آدمی آتا ہے اور وہ مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس سے سودا کر لوں پھر وہ چیز بازار سے خرید کر اسے دے دوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابا فرمایا:

(لا تبِع ما لیس عِندک)[9]

"جو (متعین) چیز تیرے پاس موجود نہیں، وہ فروخت نہ کر۔"

حضرت حکیم بن حزامؓ کا سوال متعین چیز کی فروخت کے متعلق ہی تھا۔ متعین کا معنی ہے کسی مخصوص پلاٹ یا گاڑی وغیرہ کا سودا کرنا مثلاً یوں کہنا کہ میں فلاں سکیم کا فلاں نمبر پلاٹ آپ کو اتنے میں بیچتا ہوں جبکہ وہ اس وقت اس کی ملکیت نہ ہو، ایسا کرنا ناجائز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے واضح ہے۔ لیکن اگر تعین کی بجائے صرف مخصوص صفات بیان کی جائیں، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں تمہیں اتنی مدت بعد ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ مکمل قیمت پیشگی ادا کر دی جائے، اس کو بیع سَلَم کہتے ہیں۔ مکمل قیمت کی پیشگی ادائیگی لازمی شرط ہے، اس کے بغیر یہ جائز نہیں ہو سکتی۔

ملکیت سے قبل فروخت کی بعض صورتیں

بعض ہاؤسنگ اسکیمیں اپنی ملکیّتی زمین سے زیادہ تعداد میں پلاٹس کی فائلیں فروخت کر دیتی ہیں مثلاً ابھی تک اسکیم کے پاس زمین صرف ایک ہزار پلاٹس موجود ہیں لیکن فائلیں دو ہزار پلاٹس کی بیچ دی جاتی ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ بقیہ زمین بعد میں خرید لی

جائے گی۔۔ اس طرح اسکیم مالکان کو کچھ مدت کے لیے لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی جلبِ منفعت ان کا مطمحِ نظر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ سراسر خلافِ شریعت ہے کیونکہ اسکیم نے ایک ہزار پلاٹس کی جو زائد فائلیں فروخت کی ہیں، اُن کی زمین ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی، لہٰذا اسکیم مالکان کو ان کی فروخت کا حق بھی نہیں پہنچتا۔

ہمارے ہاں جائیداد کی خرید و فروخت کے مروّجہ طریقہ کار کے مطابق خریدار معاہدہ خرید کر کے کچھ رقم (بیعانہ) اَدا کر دیتا ہے اور بقیہ ادائیگی کے لیے مہلت لے لیتا ہے اور معاہدے میں یہ شرائط بھی طے ہوتی ہیں کہ اگر خریدار منحرف ہو گیا تو بیعانہ کی رقم ضبط ہو جائے گی اور اگر فروخت کنندہ اپنی بات پر قائم نہ رہا تو اس سے بیعانہ کی رقم دگنی وصول کی جائے گی۔ اور یہ بات بھی معاہدے کا حصہ ہوتی ہے کہ معاہدۂ بیعانہ کرنے والا اس معاہدے کی بنیاد پر کسی تیسرے فریق کو فروخت کرنا چاہے تو مالک کو کوئی اعتراض نہ ہو گا، بیعانہ دینے والا جس خریدار کا نام پیش کرے گا، مالک اس کے نام ملکیت منتقل کرنے کا پابند ہو گا۔ بسا اوقات بیعانہ دینے والا کچھ منافع لے کر آگے فروخت بھی کر دیتا ہے۔ شرعی لحاظ سے اس طرح آگے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ معاہدہ بیعانہ کرنے والا جائیداد مذکور کا ابھی مالک نہیں بنا۔ اگر اصل مالک دگنا بیعانہ ادا کر کے منحرف ہو جائے جیسا کہ بعض اوقات ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نزاع پیدا ہو گا۔ ہاں اگر پراپرٹی مالک کے پاس منحرف ہونے کا اختیار نہ ہو یا سودا مکمل ہو چکا ہو، صرف بقیہ رقم کی ادائیگی باقی ہو تو پھر آگے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مالک کے انکار کی صورت میں اس سے دگنا بیعانہ وصول کرنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

ملکیت کے بغیر فروخت کی تیسری صورت سٹاک مارکیٹ میں رائج Shot Sales کی ہے۔ اس میں فروخت کنندہ ایسے شیئرز بیچ دیتا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہوتے لیکن اسے یہ اُمید ہوتی ہے کہ وہ کلیئرنگ سے قبل مارکیٹ سے سستے داموں حاصل کر کے خریدار کے حوالے کر دے گا، یہ غیر ملکیتی شیئرز کی بیع ہے جو ناجائز ہے۔ اگر مارکیٹ میں مندے کی بجائے تیزی غالب رہے تو Shot Sales کرنے والوں کو اچھا خاصا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ جب بھی سٹاک مارکیٹ کسی بڑے بحران سے دوچار ہوتی ہے، اس میں نمایاں کردار اسی شاٹ سیل کا ہوتا ہے۔

قبضہ سے قبل فروخت نہ کریں

عصر حاضر میں خریدی گئی چیز کو قبضہ میں لئے بغیر آگے فروخت کرنے کا عام رواج ہے بالخصوص درآمدات میں سامان منزلِ مقصود پر پہنچنے سے قبل کئی جگہ فروخت ہو چکا ہوتا ہے اور ظاہر ہے، ہر خریدار کچھ منافع رکھ کر ہی آگے فروخت کرے گا، اس

لیے مارکیٹ پہنچتے پہنچتے اس چیز کی قیمت بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک معاشی نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ بار برداری کے شعبہ سے وابستہ مزدوروں کا روزگار متاثر ہوتا ہے۔ یہ شریعتِ مطہرہ کے محاسن میں سے ہے کہ اس نے یہ قانون بنادیا ہے جب کسی چیز کا سودا طے پاجائے اور خریدار اس کو آگے فروخت کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے وہ اسے قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل کردے، اسی جگہ فروخت کرنا منع ہے۔

چنانچہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مِنَ ابۡتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعۡهُ حَتّٰی یَسۡتَوۡفِیَهُ) [10]

"جو غلہ خریدے، وہ قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے۔"

جناب عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

کُنَّا فِیۡ زَمَانِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ نَبۡتَاعُ الطَّعَامَ فَیَبۡعَثُ عَلَیۡنَا مَنۡ یَأۡمُرُنَا بِانۡتِقَالِهِ مِنَ الۡمَکَانِ الَّذِیۡ ابۡتَعۡنَاهُ فِیۡهِ إِلٰی مَکَانٍ سِوَاهُ قَبۡلَ أَنۡ نَبِیۡعَهُ [11]

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں غلہ خریدتے تو آپ ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجتے جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم بیچنے سے قبل جہاں سے خریدا ہے، وہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں۔"

سیدنا زید بن ثابتؓ سے روایت ہے:

نَهٰی أَنۡ تُبَاعَ السِّلَعُ حَیۡثُ تُبۡتَاعُ حَتّٰی یَحُوۡزَهَا التُّجَّارُ إِلٰی رِحَالِهِمۡ [12]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع فرمایا کہ سامان کو وہاں بیچا جائے جہاں سے خریدا گیا تھا حتیٰ کہ تاجر اسے اپنے مقامات پر منتقل کرلیں۔"

جو تاجر اس حکم کی تعمیل نہ کریں ان کے خلاف تادیبی کارروائی بھی کی جاسکتی ہے جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

رَأَیۡتُ النَّاسَ یَشۡتَرُوۡنَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً یُضۡرَبُوۡنَ عَلٰی عَهۡدِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ أَنۡ یَبِیۡعُوۡهُ حَتّٰی یُؤۡوُوۡهُ إِلٰی رِحَالِهِمۡ [13]

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تخمینے سے اناج خریدنے والوں کی پٹائی ہوتی دیکھی یہاں تک کہ وہ اس کو اُٹھا کر اپنے ٹھکانوں میں منتقل کردیں پھر فروخت کریں۔"

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ تاجروں کے لیے یہ جائز نہیں کہ منقولی اشیااپنی تحویل میں لے کر دوسری جگہ منتقل کئے بغیر فروخت کریں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے کہ چیز اُٹھائے بغیر شرعی قبضہ ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ويعرف من ذلك ان اختيار البخاري ان استيفاء المبيع المنقول من البائع وتبقيته في منزل البائع لا يكون قبضا شرعيا حتى ينقله المشتري إلى مكان لا اختصاص للبائع به [14]

"اس سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ منقولی چیز کو فروخت کنندہ سے وصول پانا اور اسے فروخت کنندہ کے ٹھکانے پر ہی رکھ چھوڑنا شرعی قبضہ نہیں ہے تا آنکہ خریدار اسے ایسی جگہ لے جائے جو فروخت کنندہ کے لیے مخصوص نہ ہو۔"

ممانعت کا سبب کیا ہے؟ نامور تابعی حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے قبضہ سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب پوچھا تو انہوں فرمایا:

ذاک دراهم بدراهم والطعام مرجأ [15]

"یہ درہم کے بدلے درہم کا لین دین ہے جبکہ غلہ وہیں پڑا ہوا ہے۔"

یعنی سودی لین دین کے مشابہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے، اس کی توضیح یوں ہے مثلاً خالد نے ایک لاکھ کی گندم خریدی اور وہاں سے منتقل کئے بغیر ایک لاکھ دس ہزار میں فروخت کر دی تو گویا اس نے رقم دی اور رقم ہی لی اور اس پر نفع کمایا، عملی طور پر کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی علت کی تحسین فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وهذا التعليل اجود ما علل به النهي؛ لان الصحابة اعرف بمقاصد الرسول ﷺ [16]

"ممانعت کی باقی وجوہ کی نسبت یہ وجہ بہترین ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کو بہتر جانتے ہیں۔"

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ممانعت کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو قبضہ مکمل ہوا ہے اور نہ ہی فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم ہوا ہے، لہٰذا جب وہ دیکھے گا کہ خریدار کو اس سے خوب نفع حاصل ہو رہا ہے تو وہ معاملہ فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے فسخ کے لیے بات ظالمانہ حیلے، جھگڑے اور عداوت تک جا پہنچے جیسا کہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حکمت پر مبنی شریعتِ کاملہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے

خریدار پر یہ پابندی لگادی ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز پر قبضہ مکمل نہ ہو جائے اور فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم نہ ہو اور اس سے چھڑا نہ لی جائے وہ اس میں تصرف نہ کرے تاکہ وہ بیع فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ نہ سکے۔ یہ وہ فوائد ہیں جن کو شارع نے نظر انداز نہیں کیا، حتیٰ کہ وہ تاجر بھی اُنہیں مد نظر رکھتے ہیں جن کو شریعت کا علم نہیں کیونکہ ان کے خیال میں مصلحت بھی اسی میں ہے اور خرابیوں کا سدِباب بھی اسی طرح ہو سکتا ہے۔"17

اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک خریدار فروخت کنندہ کے قبضہ سے مال چھڑا کر اپنے قبضہ میں نہیں لے لیتا، آگے فروخت نہ کرے تاکہ نزاع کا خطرہ نہ رہے۔ کیونکہ جب تک خریدار چیز اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، اس بات کا اندیشہ باقی رہتا ہے کہ فروخت کنندہ زیادہ نفع کے لالچ میں وہی چیز کسی اور کو فروخت نہ کر دے۔

بعض اہل علم کے نزدیک جب بیچی گئی چیز کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہو جائے اور اس کے اختیار پر کوئی قدغن باقی نہ رہے تو قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، حقیقی طور پر چیز کو منتقل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

لا يحِل سِلف وبِيع ولا شرطان فِي بِيعٍ ولا ربح ما لم يضمن ولا بِيع ما ليس عِندك [18]

"قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں اور جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو، اس کا منافع جائز نہیں اور نہ ہی اس چیز کی بیع درست ہے جو تیرے پاس موجود نہ ہو۔"

ان حضرات کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

"جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو، اس کا منافع جائز نہیں۔"

ان حضرات کے بقول یہاں قبضہ سے قبل فروخت ممنوع ہونے کی وجہ رسک نہ لینا بیان ہوئی ہے، لہٰذا جب مال کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ آگے فروخت کر سکتا ہے، دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں۔

حوالہ جات

.1 جامع ترمذی:487، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ

.2 أوضح المسالک بحوالہ بحوث فقهية في قضايا اقتصادية معاصرة ج1/145

ا

.3فتح الباری:ج4/ص364

.4سنن ترمذی:1209،باب ماجاءفی التجار و قال:ھذا حدیث حسن

.5مسند احمد:17728

.6بلوغ المرام بحوالہ ابن حبان والحاکم

.7اِرواء الغلیل:ج5/ص125

.8ج2/ص95

.9سنن النسائی:4617باب بیع مالیس عند البائع

.10 صحیح بخاری:2136،کتاب البیوع باب بیع الطعام قبل اَن یقبض

.11 صحیح مسلم:3841،کتاب البیوع،باب بطلان بیع المبیع قبل القبض

.12سنن ابو داود:3499،باب فی بیع الطعام قبل اَن یستوفی

.13 صحیح بخاری:1231،باب مایذکر فی بیع الطعام

.14فتح الباری:ج4/ص443

.15 صحیح بخاری:1232باب مایذکر فی بیع الطعام

.16نیل الاَوطار:باب نھی المشتری عن بیع مااشتراہ قبل قبضہ

.17تہذیب:ج5/ص137

.18سنن ترمذی:1234،باب ماجاءفی کراھیۃ بیع مالیس عندک

.19تہذیب:ج5/ص154،153

سبق نمبر3

پراپرٹی کی چند اہم خرابیاں

☆...پراپرٹی دورِ حاضر کا بہترین اور آسان ترین کاروبار ہے، تیسری دنیا سے لے کر G-8 ممالک تک وسعت اختیار کر چکا ہے ☆...بد قسمتی سے اسٹیٹ ایجنسیوں اور اس پورے کاروبار میں فراڈ اور جعل سازی کا چلن عام ہے ☆...زمین کی وجہ سے بھڑکنے والے جھگڑے اکثر اوقات قتل کی حد تک پہنچ جاتے ہیں ☆

ان میں سے چند اہم خرابیاں یہ ہیں :

1 جھوٹ 2 فراڈ 3 جعل سازی 4 لڑائی جھگڑا 5 قتل وغارت

جھوٹ

انسان کی تباہی وبربادی کا سبب اس کے اپنے اعمال ہوتے ہیں۔ آج اگر ہم تنزلی کا شکار ہیں تو اس کی بنیادی وجہ ہمارے اخلاق وکردار اور معاملات ہیں۔ ہماری بری خصلتوں کی وجہ سے معاشرہ ابتری کا شکار ہوتا ہے۔ اگر ان پر قابو نہ پایا جائے تو پوری قوم کی تباہی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان صرف معاشرتی اور معاشی طور پر ہی تباہ نہیں ہو رہا، بلکہ آج کا انسان مالی طور پر مستحکم ہونے کے باوجود بے سکون بھی ہے۔ طمع اور لالچ نے اسے اس قدر بے حِس کر دیا ہے کہ انسان تمام سہولیات وآسائشات کے باوجود اپنی بے سکونی کا سبب نہیں جان پا رہا۔

اس کی بنیادی وجہ جھوٹ ہے۔ جس میں ہم سب ہی کسی نہ کسی درجے میں مبتلا ہیں۔ ہمارا کوئی کام ایسا نہیں جس میں جھوٹ شامل نہ ہو۔ معمولی سبزی بیچنے والا ہو یا کسی بھی طرح کا کاری گر۔۔۔۔ پیسہ کمانے کے لیے، اپنی خامیاں چھپانے کے لیے، آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لیے جھوٹ ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس کے ساتھ وہ خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کو رسوا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا سبھی کچھ دوسرے مسلمان کے لائق احترام ہے۔ اس کی عزت، مال اور جان۔“ (جامع ترمذی، باب شفقۃ المسلم علی المسلم: 2/14)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہ نہ بتادوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی۔ یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم تکیہ لگائے تشریف فرما تھے، پھر اچانک سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:اسی جھوٹی گواہی اور جھوٹی بات۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی دو خرابیوں کو بار بار دہراتے رہے۔ اتنا دہرایا کہ ہمارے دل میں آیا، کاش! حضور صلی اللہ علیہ وسلم بس کریں۔"(جامع ترمذی، باب حقوق الوالدین:2/12)

جھوٹ، ہمارے معاشرے کی وہ خرابی ہے جس سے ہم نفع حاصل کرنے کے لیے دوسرے کا نقصان کر ڈالتے ہیں ۔پراپرٹی کے کاروبار میں اس کا تناسب حد سے زیادہ ہے۔ مشورہ دینے سے فروخت کے مرحلوں اور جعلی کاغذات کی سپردگی وغیرہ تک ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔

فراڈاور جعل سازی

دھوکہ بازی اور فراڈ سے جہاں ایک فرد پر برا اثر پڑتا ہے وہیں پورامعاشرہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دھوکہ اور فراڈ سے نہ صرف فرد واحد کا ذاتی نقصان ہوتا ہے، بلکہ معاشی استحکام بھی زوال پذیر ہوتا ہے۔ اگر اس برائی پر قابو نہ پایا جائے تو یہ جنگل میں آگ کی طرح پھیل کر ہر طرف تباہی وبربادی پھیلا دیتی ہے۔ بد قسمتی سے اسٹیٹ ایجنسیوں اور اس پورے کاروبار میں یہ خرابی بھی عمومی طور پر پائی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص ہمیں (مسلمانوں کو) دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"(مشکوۃ:254) یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی دوسرے کو دھوکہ دے یا اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ کرے۔

دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہے :

"جس کسی نے تمہارے پاس امانت رکھوالی ہے، اس کو امانت لوٹا دو۔ اور جس کسی نے تمہارے ساتھ خیانت کی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔"(صحیح البخاری:1/66)

لڑائی جھگڑا اور قتل وقتال

آج امن کی صورت حال افسوس ناک ہے۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہے۔ چین وسکون تباہ ہو چکے ہیں۔ زندگیاں غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔ معاشرہ تیزی سے تباہی کی طرف جارہا ہے۔ آج یہاں لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت گری عام ہے۔ جہاں اس کے اور بہت سے اسباب ہیں، وہیں ان کا ایک سبب مال ودولت اور زمین کا لالچ بھی ہے۔ مشہور مقولہ ہے:"زن، زر، زمین فتنہ فساد کا

سبب ہوتے ہیں۔"زن، زر ضرورت کی چیز ہے، اس کے بغیر گزارہ نہیں، جبکہ زمین اس سے کم درجے کی ضرورت ہے، اس کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔

اسٹیٹ ایجنسی کے جہاں موجودہ دور میں بہت سے فوائد ہیں، وہیں اس کی ایک بڑی خرابی لڑائی جھگڑا اور قتل وغارت گری نوبت پہنچنے کا سبب بنا بھی ہے۔ زمین کی وجہ سے لڑائی جھگڑے بھڑکتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے بعض اوقات قتل کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ 2 سال قبل رمضان میں ہری پور ہزارہ کے گائوں پنڈ ہاشم خان میں ایسا ہی ہوا۔ دو خاندانوں کے درمیان زمین کا تنازعہ ہوا۔ ایک خاندان کے چند افراد نے دوسرے خاندان کے دو بھائیوں کو قتل کر دیا۔ اور پھر دیت وغیرہ لے دے کر صلح کرا دی۔ اب چند مہینے پہلے دوسرے فریق کو موقع ملا تو انہوں نے دیت لینے کے باوجود پہلے فریق کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔

اس طرح ایک زمین کی وجہ سے دو خاندانوں کے 3 افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے قتل آج عام ہوتا جارہا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"وہ وقت بھی آنے والا ہے جب زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائے گا اور علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور فتنے بکثرت ظاہر ہوں گے اور بخل ڈال دیا جائے گا۔ اور ہرج زیادہ ہو جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: ہرج کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل۔"(مشکوۃ، کتاب الفتن:462) آج انسان کے خون کی قیمت بھیڑ، بکری کے خون سے زیادہ سستی ہو گئی ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ خاندانی جھگڑے ہیں۔ بھائی بھائی کے قتل سے دریغ نہیں کرتا۔ مال و دولت کی لالچ میں خون سفید ہو گئے ہیں۔ مغربی ممالک میں اگر دیکھا جائے تو جائیداد اور زمین کی اتنی لالچ نہیں ہے۔ جتنی مشرقی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ آج اگر اخبار اٹھا کر دیکھا جائے یا خبروں میں سنا جائے تو ہر جگہ یہی فتنہ فساد ہوتا ہے۔ ناجائز قبضہ کے لیے دوسرے کی جان لینا کوئی بڑی بات ہے ہی نہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان مرد کے قتل ہو جانے سے ہلکا ہے۔"(جامع ترمذی:391)

اور اخروی سزا کے بارے میں سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:"اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کہ قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے۔"(آیت:93)

ضرورت ہے کہ کسی بھی لحاظ سے اس کاروبار میں حصہ بننے والے ان خرابیوں کو محسوس کریں۔ ختم کرنے کے لیے اپنی استطاعت کی حد تک کوشش بروئے کار لائیں۔ ورنہ یہ آگ ہمارے گھر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

اسلامی مارکیٹنگ

اسلامی مارکیٹنگ میں واقعی خوبیوں کے ساتھ واقعی خامیاں بتانا ضروری قرار پاتا ہے۔ جبکہ ہم صبح وشام جس مارکیٹنگ کا سامنا کرتے ہیں، وہاں مبالغہ آمیز خوبیاں بیان کی جاتی ہیں، اور تمام خامیوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلہ بیچنے والے سے کہا کہ بارش کی وجہ سے جس حصہ میں نمی آگئی ہے، اسے اوپر رکھو، تاکہ لوگ خریدنے سے پہلے دیکھ سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی فرمان تھا، کہ اگر کوئی شخص کوئی کچھ فروخت کرے، تو اس کے خامی والے پہلو ضرور بیان کرے۔ اور جو سودے میں شریک نہ ہو مگر جانتا ہو، اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ متعلقہ فرد کو آگاہ کردے۔

یاد رہے کہ خامیاں بتانے کی ذمہ داری کا دائرہ بہت وسیع ہے، اسے سادہ خرید وفروخت تک محدود کرنا درست نہیں ہے۔ مارکیٹنگ سامان کی ہو یا پروجیکٹ کی، اداروں کی ہو یا آئیڈیاز کی، افراد کی ہو یا کتابوں کی بلا مبالغہ مثبت پہلوؤں اور بنا کم وکاست منفی پہلوؤں کا بیان ہی مارکیٹنگ کا اسلامی طریقہ ہے۔

اکثر شرکت ومضاربت پر مبنی سرمایہ کاری کی اسکیمیں سامنے آتی ہیں، یہ اسکیمیں افراد بھی پیش کرتے ہیں، اور بڑی کمپنیاں بھی پیش کرتی ہیں، ان میں عام طور سے منافع کے تعلق سے لوگوں کو سبز باغ دکھائے جاتے ہیں، اور نقصان ہونے کے امکانات کو یکسر پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ گو کہ خود شرکت ومضاربت اسلامی طریقے ہیں، لیکن ان کی اس طرح کی مارکیٹنگ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے، درست رویہ یہ ہے کہ دیانت داری کے ساتھ صحیح Feasibility study پیش کی جائے، جس میں نفع اور نقصان دونوں کے امکانات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے، اور اس کے بعد فیصلہ سرمایہ لگانے والے کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے۔ سرمایہ لیتے وقت رنگین خواب دکھانا اور نقصان ہو جانے پر شریعت کا یہ حوالہ دینا کہ نقصان سرمایہ لگانے والے کو برداشت کرنا ہوتا ہے، دراصل شریعت کے ساتھ ناانصافی ہے۔

تعلیمی اداروں کے اشتہارات میں عام طور سے ہر ادارہ "قابل اعتماد تعلیم گاہ" اور "مثالی تربیت گاہ" ہونے کا دعوی کرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ فراغت کے وقت اکثر سرپرستوں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن اونچے ارمانوں کے ساتھ اپنے بچے کو داخلہ دلایا ہوتا ہے، وہ مٹی میں مل چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے درست رویہ یہ ہے کہ یا تو تعلیمی ادارہ کو واقعی "قابل اعتماد تعلیم گاہ" اور "مثالی

تربیت گاہ" بنایا جائے، ورنہ اس طرح کے خلاف واقعہ دعوے کرنے کی بجائے، ہر سرپرست کو داخلہ سے پہلے تعلیمی ادارے کی واقعی صورت حال سے باخبر کیا جائے، تاکہ وہ کسی خوش فہمی کا شکار نہ رہے۔

بسا اوقات ہمارے ذہن میں ایک آئیڈیا آتا ہے اور ہم اسے تجویز کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اس تجویز کو سب سے منوا لینے کی دھن میں ہم اس کے مثبت پہلوؤں کو پوری قوت سے پیش کرتے ہیں، اور اس کے منفی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یہ بھی درست رویہ نہیں ہے، انصاف کا تقاضا ہے کہ زیر بحث آئیڈیا کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو ممکنہ حد تک تلاش کیا جائے، اور آئیڈیا کو پوری دیانت داری کے ساتھ پیش کیا جائے۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی صاف گوئی اور Full disclosure سے کیا مارکیٹنگ ہو پائے گی؟ یہ سوال ایک صحابی رسول حضرت جریر سے بھی کیا گیا، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ تو اپنے سامان کی ساری خامیاں کھول کھول کر دکھاتے اور گن گن کر بتاتے ہیں، ایسے کیسے کاروبار چلے گا؟ انہوں نے کہا، اللہ کے رسول سے ہم نے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ عہد کی پاس داری بھی خوب ہوئی اور کاروبار بھی خوب چلا۔

توکل کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کاروبار کرتے ہوئے نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی ان ساری تدبیروں کو یکسر مسترد کر دیا جائے جو حکم الہی کی تعمیل میں رکاوٹ بنیں۔ اور ایسے توکل کی برکتوں اور ایسے توکل والوں کے نصیبوں کا کیا پوچھنا۔

بات ادھوری رہ جائے گی اگر یہ نہیں کہا جائے کہ جہاں مومن دیانت دار ہوتا ہے اور اپنی چیز کی پیش کش کے وقت ہر خوبی اور ہر خامی سے آگاہ کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے، وہیں مومن کو سمجھ دار بھی ہونا چاہئے، اور سمجھ داری کا تقاضا ہے کہ اپنے اندر تحقیق کا ذوق پیدا کرے، اور آنکھ بند کر کے کچھ قبول نہ کرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر اچھے نظر آرہے اناج کے اندر تک ہاتھ ڈال کر دیکھا، اور تب معلوم ہوا کہ نیچے والے حصے میں نمی ہے۔

ماخوذ: شریعہ اینڈ بزنس

قسم کے احکام

اگر کسی ایسی چیز کے متعلق قسم کھائی جو ہو چکی ہے یا اب ہے یا نہیں ہے یا نہیں ہوئی یا نہیں ہے مگر وہ قسم جھوٹی ہے۔ مثلاً قسم کھایا کہ فلاں شخص آیا اور وہ اب تک نہیں آیا۔ یا قسم کھائی کہ نہیں آیا اور وہ آ گیا ہے۔ یا قسم کھائی کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے اور حقیقت میں وہ کام نہیں کر رہا ہے۔ یا قسم کھائی کہ یہ پتھر ہے حالانکہ حقیقت میں وہ پتھر نہیں ہے غرض یہ کہ اس طرح کی جھوٹی قسم کی دو صورتیں ہیں۔ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی مثلاً جس کے آنے کے بارے میں قسم کھایا تھا وہ خود بھی جانتا تھا کہ نہیں آیا ہے تو ایسی قسم کو شریعت کی زبان میں 'غموس' کہتے ہیں۔ اور اگر اپنے خیال سے تو اس نے سچی قسم کھائی تھی مگر حقیقت میں وہ جھوٹی تھی مثلاً جانتا تھا کہ فلاں نہیں آیا اور قسم بھی کھایا کہ نہیں آیا مگر حقیقت میں وہ آ گیا تو ایسی قسم کو 'لغو' کہا جاتا ہے۔ اور آنے والے زمانے کے لئے قسم کھائی مثلاً خدا کی قسم! میں یہ کام کروں گا، یا نہیں کروں گا۔ تو اس کو منعقدہ' کہتے ہیں۔

قسموں کے احکام

قسم غموس کھانے والا سخت گنہگار ہے اس پر توبہ واستغفار ضروری ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا جو کہ بڑا گناہ ہے۔ مگر کفارہ لازم نہیں۔ لغو میں گناہ بھی نہیں اور منعقدہ میں اگر قسم توڑے گا تو اس پر کفارہ لازم ہو گا اور بعض صورتوں میں گنہگار بھی ہو گا۔

کن قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے اور کن کو نہیں؟

بعض قسمیں ایسی ہیں کہ ان کو پورا کرنا ضروری ہے مثلاً ایسے کام کے کرنے کی قسم کھائی جس کا بغیر قسم کھائے بھی کرنا ضروری تھا مثلاً نماز پڑھنے کی قسم کھائی یا گناہوں سے بچنے کی قسم کھائی تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور بعض قسموں کو توڑنا ضروری ہے مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا اپنے ماں باپ سے بات نہیں کروں گا وغیرہ تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ تیسری یہ کہ اس کا توڑنا مستحب ہے مثلاً کسی چیز کی قسم کھائی اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ میں بہتری ہے تو قسم توڑ دے اور وہ کرے جو زیادہ بہتر ہے۔ اور کفارہ دے دے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کیا وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔ [بخاری، حدیث: ۶۶۲۲۔ صحیح مسلم، حدیث: ۱۶۵۰]۔

چوتھی جائز کام کی قسم کھائی یعنی ایسے کام کی جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے جیسے قسم کھائی کہ پان نہیں کھاؤں گا تو ایسی قسموں کا پورا کرنا افضل ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

(القرآن)

قسم کب صحیح ہوتی ہے اور کب نہیں؟

اللہ تعالی کے جتنے نام ہیں ان میں سے جس نام کے ساتھ بھی قسم کھائی جائے گی قسم ہو جائے گی۔ اسی طرح جن صفتوں کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے مثلاً خدا کی عزت و جلال کی قسم، اس کی کبریائی کی قسم، اس کی بزرگی کی قسم، قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم وغیرہ ان الفاظ سے بھی قسم ہو جائے گی۔ یعنی اگر توڑے گا تو کفارہ دینا پڑے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی نے کہا کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے۔ تو اس کے کہہ دینے سے وہ حلال چیز حرام نہ ہو گی مگر اب اس چیز کا استعمال کرے گا تو کفارہ دینا پڑے گا یعنی کہ یہ بھی قسم ہے۔ اللہ کے علاوہ کی قسم، قسم نہیں ہے مثلاً تمہاری جان کی قسم، تمہارے سر کی قسم، اللہ اور اس کے رسول کی قسم وغیرہ یعنی اس صورت میں کفارہ نہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اللہ کے علاوہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا: چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص قسم کھانے کا ارادہ کرے وہ صرف اللہ کی قسم کھائے۔ قریش کے لوگ اپنے باپ دادا کی قسم کھاتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے باپ دادا کی قسم مت کھائو۔
(صحیح مسلم، حدیث:۱۶۴۶)

اسی طرح سے اگر کسی نے اللہ تعالی کی قسم کھائی مگر اس کے ساتھ انشاء اللہ کہہ دیا مثلاً کسی نے کہا کہ: اللہ کی قسم میں فلاں سے بات نہیں کروں گا، انشاء اللہ۔ پھر بات کر لیا تو اس پر بھی کفارہ نہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے قسم کھائی اور انشاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہ ہو گا۔ (ترمذی، حدیث:۱۵۳۲)

قسم کے کفارے کیا ہیں؟

ایسی قسم کھایا جس کو شریعت میں قسم مانا گیا ہے اور پھر توڑ دیا تو اب کفارہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکین کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑا پہنائے یا ایک غلام آزاد کر دے اور اگر ان میں سے کسی بھی کام کے کرنے کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

اللہ تمہاری غلط فہمی کی قسموں (یعنی قسم لغو) پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا ہاں ان قسموں پر گرفت کرتا ہے جنہیں تم نے مظبوط کیا تو ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکین کو کھانا دینا ہے اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اس کے اوسط میں (یعنی نہ بہت اچھا نہ بہت خراب درمیانی کھانا) یا انہیں کپڑا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اور جو ان میں سے کسی بات کی طاقت نہ رکھے وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھائو۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر کرو۔ سورہ، مائدہ، آیت:۸۹)

سبق نمبر4

دینِ اسلام میں خرید و فروخت کی بنیادی شرائط![1]

لغوی تعریف:

شرط:("را" پر جزم و سکون کے ساتھ) کا لغوی معنیٰ ہے: کسی بھی چیز کو لازم پکڑ لینا اس سے چمٹ جانا۔

اصطلاحی تعریف:

فقہاء و علماء اصول کے مطابق شرط کی تعریف یہ ہے کہ:

"جس کے فقدان سے کسی چیز کا نہ ہونا لازم ہو اور اس کے وجود سے ہونا یا نہ ہونا لازم نہ آئے"۔[2]

آسان الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ: کوئی بھی عمل اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی مطلوبہ شرط مکمل نہ ہو، اگر شرط مکمل نہیں ہوئی تو عمل بھی درست نہ ہو گا۔

لہٰذا خرید و فروخت کی شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں کہ جنہیں شریعتِ مطہّرہ نے کسی بھی معاہدہ بیع کی درستگی کے لئے لازمی قرار دیا ہے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو وہ بیع شرعی اعتبار سے صحیح نہیں ہو گی۔

لہٰذا ہر لین دین کرنے والے اور ہر کاروباری تاجر حضرات کیلئے ان شرائط کا علم رکھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ خرید و فروخت کا جائز وناجائز ہونا انہی شرائط پر مبنی ہوتا ہے۔

اہلِ علم نے شرعی نقطہ نگاہ سے کسی بھی بیع کے درست ہونے کیلئے بنیادی طور پر چھے (6) اہم شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی شرط: طرفین (خریدار و فروخت کنندہ) حقیقی طور پر رضامند ہوں

کوئی بھی بیع اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی جب تک بیچنے والا اسے بیچنے اور خریدنے والا اُسے خریدنے پر حقیقی طور پر رضامند نہ ہوں۔

مذکورہ شرط کے دلائل: ربُّ العالمین کا ارشاد ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ} [النساء: 29]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے آپس میں لین دین ہو۔''

مذکورہ بالا آیت میں تجارت ولین دین کے تمام معاملات میں طرفین کی حقیقی رضامندی کو بنیادی شرط کے طور پر ذکر کیا گیااور جن معاملات میں فریقین کی باہمی حقیقی رضامندی شامل نہ ہو اُنہیں باطل قرار دیا گیاہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے: ''خرید و فروخت صرف باہمی رضامندی سے ہی ہونی چاہئے ''۔[3]

اس طرح عقلِ سلیم بھی اس امر کی متقاضی ہے کہ اگر معاملات میں باہمی حقیقی رضامندی کی شرط عائد نہ کی جائے، تو لوگ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا شروع کر دیں گے، ایک طاقتور شخص اگر اپنے سے کمزور کے پاس اپنی من پسند چیز دیکھے گا تو اس سے زور زبردستی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جس سے معاشرہ میں سوائے نفرت، دشمنی، فساد اور بربادی کے کچھ باقی نہ بچے گا، لہٰذا اسی بنا پر شریعتِ اسلامیہ میں کسی کی چیز بغیر اجازت حاصل کرنا یا کسی کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کرنا یا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر اُسے خریدنا حرام ہے۔

رضامندی حقیقی ہونی چاہئے

اس حوالہ سے عصرِ حاضر کے معروف عالم فضیلۃ الشیخ حافظ ذوالفقار علی فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ یہ رضامندی حقیقی ہونی چاہئے نہ کہ مصنوعی۔ لہٰذا کسی دباؤ کے تحت یا غلط تاثر کی بنیاد پر یا دوسرے فریق کو چیز کی حقیقت سے بے خبر یا اصل قیمت سے دھوکے میں رکھ کر حاصل کی گئی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ مصنوعی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے شریعت نے اس قسم کی دھوکہ دہی کی صورت میں متاثرہ فریق کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اگر انتہائی بے بسی اور مجبوری کی بنا پر اپنی چیز بیچ رہا ہو تو ایسے شخص سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر خریدنا، اگرچہ بظاہر وہ اس پر راضی بھی ہو ناجائز ہے، درست نہیں۔ معمولی کمی بیشی کی تو گنجائش ہے لیکن بہت زیادہ فرق درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قلبی خوشی کی تاکید فرمائی ہے اور یہ بات طے ہے کہ مجبور شخص خوش دلی سے غیر معمولی کم ریٹ پر بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں مجبور شخص سے سستے داموں خریدنے کو ترجیح دی جاتی ہے، یہ ناپسندیدہ رویہ ہے جس کی اصلاح ہونی چاہئے''۔[4]

باہمی و حقیقی رضامندی سے متعلق چند اہم و ضروری مسائل

پہلا مسئلہ: ''بیع المعاطاۃ'' کا حکم

بیعِ معاطاۃ سے مراد وہ بیع ہے کہ جس میں: خریدار سامان لیکر فروخت کنندہ (بیچنے والے) کو اُس کی قیمت ادا کر دے بغیر زبانی کلامی بات کئے یا اس کے برعکس ہو۔ یعنی فروخت کنندہ سامان خریدار کو دیتا ہے اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے۔ اور اس دوران خریدار و فروخت کنندہ کے درمیان کوئی زبانی بات چیت نہیں ہوتی دونوں طرف سے یا کسی ایک کی طرف سے قیمت و سامان کا لین دین بغیر کسی زبانی ایجاب و قبول کے ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کو یہاں اسی لئے ذکر کیا جارہا ہے کہ ہمارے یہاں بے شمار اس طرح کے سودے ہوتے ہیں جن میں مطلوبہ چیز کو دیکھا اور پسند کیا جاتا ہے، اس کی قیمت معلوم کی جاتی ہے اور بغیر کسی زبانی رضامندی کے قیمت ادا کرکے وہ مطلوبہ چیز لے لی جاتی ہے۔ اور اس مسئلہ کی اہمیت اس صورت میں اور بڑھ جاتی ہے جب معاملہ اور سودا بڑے پیمانہ پر ہو۔

کیا ایسی صورت میں بغیر کسی زبانی رضامندی کے طے پانے والا سودا شرعاً درست ہو گا یا نہیں؟

مسئلہ مذکورہ میں اہلِ علم کے مابین اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور بعض نے یہ تفریق کی ہے کہ اگر معاملہ چھوٹے پیمانے پر ہو تو جائز ہے اور بڑے پیمانے پر ہو تو جائز نہیں۔ جبکہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ بیع مکمل طور پر جائز ہے۔

اور دلائل کے مطالعہ سے جمہور علماء کی رائے ہی قریب از صواب اور راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ:

رضامندی فقط قول ہی سے نہیں بلکہ عمل و فعل سے بھی واقع ہوتی ہے اور یہاں خریدار کا قیمت ادا کرکے چیز کو لینا اور فروخت کنندہ کا چیز کو دیکر قیمت وصول کرنا اُن کی باہمی رضامندی کی صریح دلیل ہے۔

زمانہ قدیم سے لوگوں کے مابین اس طرح سے معاملات کا لین دین معروف ہے، اگر زبانی ایجاب و قبول صحتِ بیع کی شرط ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے صراحت سے ضرور بیان فرمادیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔

شریعتِ مطہّرہ میں خرید و فروخت سے متعلقہ ہدایات و احکامات موجود ہیں، اور شریعت نے خرید و فروخت کے انعقاد کے سلسلہ میں کچھ خاص و معیّن الفاظ مقرر کرنے کے بجائے اسے معاشرہ میں رائج عرف و طور طریقوں پر چھوڑ دیا، اور جو ناجائز طریقے ہیں وہ بتادیے، اور باہمی حقیقی رضامندی کی قید لگادی تاکہ وہ جو بھی معاملات کریں انہیں باہمی حقیقی رضامندی و خوش اسلوبی سے طے کرلیں۔

دوسرا مسئلہ: ''بیع المُکرَہ''(زبردستی کی بیع) کا حکم

فقہاء کی اصطلاح میں " اِکراہ " سے مراد: '' ایسا کام جسے کوئی انسان کسی دوسرے کے مجبور کرنے پر کرے جس میں اس کی کوئی رضامندی واختیار نہ ہو''۔

یہاں مراد ایسی بیع ہے جو خریدار یا فروخت کنندہ کو مجبور کر کے ناحق اور زور زبردستی سے کروائی جائے،، خریدار و فروخت کنندہ کو اکراہاً بیع پر آمادہ کرنا شرعاً، قانوناً و اخلاقاً کسی طور بھی درست و جائز عمل نہیں، اگرچہ وہ مجبور کرنے والا حاکمِ وقت ہی کیوں نہ ہو !اگر کسی پر زبردستی کر کے مجبوراً اسے کچھ خریدنے یا اسے اس کا سامان بیچنے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کرنے سے یہ بیع شرعاً باطل و فاسد ہوگی اور اس پر کوئی موئثر نتائج مرتّب نہیں ہوں گے۔

بلکہ ایسے معاملات میں شریک ہونے والوں کیلئے سخت وعید وارد ہوئی ہے انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی انسان کے لئے اپنے (دینی) بھائی کے مال سے اُس کی رضاو خوشی کے بغیر کچھ بھی لینا جائز نہیں''۔[5]

اور دوسری روایت میں فرمایا کہ: '' تم میں سے کوئی بھی اپنے (دینی) بھائی کے مال کو اس کی رضا و خوشی کے بغیر مت خریدے''۔[6]

مذکورہ روایات سے اس مسئلہ کی نزاکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر خریدار یا فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ سودا طرفین میں سے کسی ایک کی بھی رضامندی و خوشی کے بغیر ہو رہا ہے تو سودا کرنا جائز نہیں ہے حتّٰی کہ اس میں طرفین کی باہمی و حقیقی رضاوخوشی شامل نہ ہو۔

بلکہ اہلِ علم نے مذکورہ روایت کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مسئلہ بھی بیان کیا ہے کہ:

تحفہ وہدیہ بھی اس وقت قبول کرنا جائز نہیں ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ تحفہ دینے والے نے وہ تحفہ ناچاہتے ہوئے یا کسی خجالت وحیاء میں یا مجبوری میں دیا ہے، کیونکہ اگرچہ تحفہ دینے والا اس کی صراحت یا اظہار نہ کرے لیکن اُس کی ظاہری حالت و قرائن یہی ہوں کہ وہ اس پر راضی و خوش نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: ''بیع الجبری'' زبردستی کی بیع کی چند استثنائی صورتیں

حکومت وقت، عدالت یا کوئی مجاز اتھارٹی بعض ناگزیر صورتوں میں مالک کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ جسے فقہاء کی اصطلاح میں بیع الجبری کے نام سے جانا جاتا ہے۔

وہ صورتیں جن میں مالک کو اس کی چیز بیچنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے درجِ ذیل ہیں::

پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی مقروض اپنے ذمے (واجب الاداء) قرض ادا نہ کر رہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو تو عدالت اس کو اپنی جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اگر وہ عدالتی حکم کے باوجود لیت ولعل سے کام لے تو عدالت قرض خواہ (مقرِض یعنی قرض دینے والے) کی داد رسی کے لئے خود بھی اس (مقروض) کی جائیداد مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی جائیداد یا کوئی اور چیز رہن (گروی) رکھ کر قرض لے رکھا ہو اور مدّتِ ادائیگی گذر جانے کے بعد وہ متعدد مرتبہ کی یاد دہانی کے باوجود ادائیگی نہ کر رہا ہو تو قرض خواہ رہن شدہ جائیداد فروخت کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہے، چاہے مقروض اس پر راضی نہ بھی ہو بشرطیکہ عدالت اور قرض خواہ منصفانہ قیمت پر بیچنے کو یقینی بنائیں، اپنی رقم کھری کرنے کے لالچ میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

تیسری صورت جب غذائی اشیاء کی قلت ہو اور کچھ لوگ ذخیرہ اندوزی کر رہے ہوں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تاجروں کو ذخیرہ کی گئی اشیاء فروخت کرنے کا حکم دے، اگر وہ حکم کی تعمیل نہ کریں تو حکومت ان کی مرضی کے خلاف خود بھی مارکیٹ ریٹ پر فروخت کر سکتی ہے۔

جیسا کہ الموسوعة الفقهية، ج2، ص95 میں ہے:

"جب عوام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے گا بلکہ اس سے ذخیرہ شدہ مال لے کر فروخت کر دے گا اور اس (ذخیرہ اندوز) کو اس مال ہی کا مثل جب موجود ہو یا اس کی قیمت دے گا۔ اتنی بات تمام ائمہ میں متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے"۔

چوتھی صورت: یہ ہے کہ حکومت کو مقاصدِ عامہ کے لئے کسی جگہ (جیسے دوکان، گھر وغیرہ) یا کسی چیز کی حقیقی ضرورت ہو اور مالکان بیچنے پر آمادہ نہ ہوں تو حکومت وہ جگہ یا چیز زبردستی بھی حاصل کر سکتی ہے، تاہم حکومت پر فرض ہو گا کہ مالکان کو مارکیٹ

ریٹ کے حساب سے قیمت کی ادائیگی کرے۔ البتہ حکومت بازاری قیمت ادا کئے بغیر کسی شہری کو اس کی جائیداد وملکیت سے محروم نہیں کر سکتی۔

چوتھا مسئلہ: بیع التلجیۃ (مجبوری میں کی جانے والی غیر حقیقی بیع) کا حکم

فقہاء کی اصطلاح میں بیع التلجیۃ سے مراد وہ معاملہ ہے جس میں فریقین (خریدار و فروخت کنندہ) دلی ارادہ کے بغیر، محض دکھلاوہ کی غرض سے ایک تصوّراتی سودا کریں اور حقیقت میں اُس کا کوئی ارادہ وحیثیت نہ ہو، اور اس سے عاقدین کا مقصد ظالم حاکم یا کسی دشمن کے خوف سے بچنا ہو لیکن تمام ارکان وشرائطِ بیع کی تکمیل کے ساتھ حیلہ کے طور پر یہ سودا کیا جائے۔ اس بیع کو شافعیہ ''بیع الأمانۃ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیا ایسی صورت میں شرعاً یہ بیع درست متصور ہوگی کہ نہیں؟؟ کیونکہ عاقدین کا مقصد اگرچہ اس سے حقیقی بیع نہیں ہے لیکن بیع کے تمام شرائط وارکان پورے ہیں۔

ایسے عقد کے صحیح یا باطل ہونے کی دونوں آراء اہلِ علم میں موجود ہیں لیکن دلائل کی روشنی میں راجح و درست رائے یہی ہے کہ ایسا عقد شرعاً باطل ہے، کیونکہ:

باہمی و حقیقی دلی رضامندی اس عقد میں مفقود ہے، جو کہ کسی بھی بیع کی درستگی کے لئے بنیادی شرط ہے۔

معاملات و معاہدات میں اعتبار مقاصد و معانی کا ہوتا ہے نا کہ الفاظ و مبانی کا، جیسے مسائلِ بیوع میں مسلّمہ قاعدہ ہے کہ: ''العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لا للألفاظ والمبانی''۔

دوسری شرط: طرفین خرید و فروخت کی اہلیت و قابلیت رکھتے ہوں

یہاں اہلیت و قابلیت سے مراد یہ ہے کہ عاقد (خریدار یا فروخت کنندہ) اپنے مال وسامان سے متعلقہ امور میں تصرّفات کرنے کا اہل ہو اور وہ جو بھی تصرّف کرے وہ نافذ العمل ہو، اُس کا اعتبار کیا جائے اور اس کے تصرّفات حکم کے اعتبار سے نتائج واثر رکھتے ہوں۔

اہلیت و قابلیت کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے:

پہلا وصف: وہ آزاد ہو غلام نہ ہو

کیونکہ غلام کا اپنے مالک کی اجازت کے بغیر خرید و فروخت کرنا شرعاً درست نہیں کہ وہ خود کسی کی ملکیت میں ہے جیسا کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: ''جو کوئی غلام خریدے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ اس کے خریدار مالک کی ملکیت ہے الا یہ کہ

جس سے غلام خرید ا گیاہے وہ اسے مستثنٰی رکھے"۔[7](دور حاضر میں غلام کا تصور نہیں ہے لہٰذا اس حوالہ سے مسئلہ کی تفصیل سے اجتناب کیا گیاہے)۔

دوسرا وصف: کہ وہ بالغ ہو، بچہ نہ ہو۔

تیسرا وصف: کہ وہ عقل مند و باشعور ہو، پاگل نہ ہو کیونکہ پاگل کا تصرّف درست نہیں۔

چوتھا وصف: کہ وہ سمجھدار ہو بے وقوف نہ ہو۔

جو اپنے مال میں صحیح تصرّف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، بے مقصد اشیاء میں پیسے لٹانے والا نہ ہو اور مال وزر کی صحیح قیمت اور ویلیو(Value) وغیرہ سے واقف ہو، جیسے سو کی چیز دس، بیس میں نہ بیچ ڈالے، لہٰذا بے وقوف کا تصرّف اُس کے سرپرست کی اجازت کے بغیر درست نہیں اور نہ ہی نافذ العمل ہے۔

بے وقوفی کا ضابطہ

اہلِ علم نے معاملات میں بے وقوفی کی پہچان کا یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ: جو لین دین میں اچھے و مناسب کی سمجھ نہ رکھتا ہو یا پھر، اپنے عمل سے یہ ظاہر کرے کہ وہ اپنے مال میں بہتر مصرف کی پہچان نہیں رکھتا۔

نوٹ: بے وقوفی سے مراد پاگل پن نہیں ہے، اگرچہ دونوں ہی تصرف کے قابل نہیں لیکن دونوں میں معنی و احکام کے لحاظ سے واضح فروق موجود ہیں۔

پانچواں وصف: اُس پر مالی تصرّفات میں کسی بھی قسم کی کوئی پابندی وروک نہ لگائی گئی ہو۔

اب خواہ یہ پابندی کسی دوسرے کی مصلحت کی غرض سے ہو۔

جیسے: قرضہ دینے والوں کی مصلحت کی خاطر، مقروض مفلس(کنگال) پر اسکے اپنے مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگانا، یا جس کے پاس کچھ گروی رکھوا کر قرض لیا گیا ہو کی مصلحت کی خاطر گروی رکھنے والے پر پابندی لگانا کہ وہ اپنی گروی رکھی ہوئی چیز میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا، یا پھر ورثا کی مصلحت کی خاطر مرض الموت میں مبتلا مریض پر اس کے اپنے مال میں ثلث (تیسرے حصہ)کی وصیت کرنے پر پابندی لگانا۔

یا یہ پابندی اُس کی اپنی مصلحت کی بناء پر عائد کی جائے۔

جیسے: مجنون، بچے اور بے وقوف و ناسمجھ پر اُن کے اموال میں تصرّف کرنے پر پابندی لگانا کہ وہ اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتے۔

مذکورہ پانچ اوصاف کو مدِّنظر رکھتے ہوئے عاقد کی اہلیت و نااہلی کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

اہلیت رکھنے والے عاقد میں ان پانچوں اوصاف کا ہونا ضروری ہے، اگر ان میں سے ایک وصف بھی مفقود ہو اتو عاقد شرعی اعتبار سے نااہل قرار پائے گا۔ اور اسے خرید و فروخت کی اجازت نہیں ہو گی۔

طرفین کی اہلیت سے متعلقہ چند ضروری وضاحتیں:

نابالغ بچہ کی طرف سے سودا (خرید و فروخت) کرنے کا حکم

اگر نابالغ بچہ ممیّز ہو یعنی صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اُس کا اپنے مال میں تصرّف کرنا اپنے سرپرست کی اجازت سے درست ہے۔ (سرپرست کی اجازت شرط ہے)۔ اور یہی رائے راجح اور دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نابالغ بچہ کی جائداد، کاروبار و ملکیت اُس کی بلوغت سے پہلے اُس کے

حوالہ کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ اُس کا امتحان لیا جائے، اُسے آزمایا جائے (تھوڑا مال اُس کے سپرد کرکے، اُسے کوئی ایک آدھ سودا سونپ کے، اُس کے تصرّفات کا جائزہ لیکر دیکھا جائے) کہ وہ اس قابل بھی ہے کہ نہیں؟

ہاں اگر وہ صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھے اور سمجھداری کے قابل ہو جائے تو اُسے اپنے مال میں تصرّف کی اجازت ہے، اور ولی و سرپرست کی اجازت کی شرط کے ساتھ جو نقصان کے خدشات تھے وہ بھی دور ہو گئے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭوَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا } [النساء: 6]

ترجمہ: ”اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو مال داروں کو چاہیے کہ (یتیم کے مال سے) بچتے رہیں ہاں یتیم کا سرپرست اگر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طرح سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنالو دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے“۔

نوٹ: یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں کہ بلوغت سے پہلے جس کے والد فوت ہو جائیں۔

بچہ کو بالغ ہونے سے پہلے مالی تصرّفات کی اجازت عموماً اسوجہ سے نہیں دی جاتی کیونکہ اُس میں صحیح اور غلط کی پہچان، ان میں فرق کرنے کی صلاحیت اور معاملات کی مناسب سمجھ بوجھ نہیں ہوتی، لہٰذا اگر بچہ میں یہ علّتِ ممانعت موجود نہ ہو اور مطلوبہ صلاحیت موجود ہو تو ممانعت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اور پھر ولی و سرپرست کی اجازت کی شرط بھی اس منفی احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔

کیا ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں بائع و مشتری یعنی خریدار اور فروخت کنندہ ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک شخص کسی کو خرید و فروخت کے سلسلہ میں اپنا وکیل مقرر کرتا ہے:

اب اگر وہ وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے کسی چیز کو خریدنے کا پابند ہے تو وہ وکیل خود اس مطلوبہ چیز کو اپنے مؤکل کو بیچتا ہے، یعنی وہ خود وکیل بن کر اپنے مؤکل کی طرف سے اُسے خرید بھی رہا ہے اور خود فروخت کنندہ بن کر اُسے بیچ بھی رہا ہے۔

اس کے برعکس اگر وہ وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے کسی چیز کو بیچنے کا پابند ہے تو وہ وکیل خود اس مطلوبہ چیز کو اپنے مؤکل سے خرید لیتا ہے، یعنی وہ خود وکیل بن کر اپنے مؤکل کی طرف سے اُسے بیچ بھی رہا ہے اور خود خریدار بن کر اُسے خرید بھی رہا ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں کو آسان الفاظ میں یوں سمجھئے کہ:

ایک وکیل جو اپنے مؤکل کی طرف سے اس کی چیز بیچنے والا ہو تو کیا وہ اُسے اپنے لئے خرید سکتا ہے؟ یا وہ جو اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی چیز خریدنے والا ہو تو کیا اپنی چیز اُسے بیچ سکتا ہے؟

یا اسکی تیسری صورت یہ ہے کہ: اُس وکیل کو اُس کا مؤکل ایک چیز -مثلاً ایک زمین بیچنے کا حکم دیتا ہے، اور اُس کا دوسرا مؤکل اُسے ایک زمین خریدنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اُسی زمین کو (اپنے ایک مؤکل کے لئے) بیچتا بھی ہے اور اُسی زمین کو (اپنے دوسرے مؤکل کے لئے) خریدتا بھی ہے، اس طرح وہ اپنے دونوں مؤکلین کی طرف سے اُس ایک ہی زمین کا (وکیل ہونے کی حیثیت سے) خریدار بھی ہے اور فروخت کنندہ بھی۔

اس مسئلہ میں اہلِ علم میں سے کچھ جواز اور کچھ عدمِ جواز کی رائے رکھتے ہیں، جبکہ درست و قوی رائے یہی ہے کہ ایسا کرنا وکیل کے لئے جائز و درست ہے بشرطیکہ:

وکیل بازاری قیمت(Market Value) سے بہتر ڈیل اپنے موکل کو فراہم کرے۔یعنی اگر وہ اپنے موکل سے خود خرید رہاہے تو اُسے بازاری قیمت(Market Value) سے زیادہ میں خریدے اور اگر اپنے موکل کواپنے پاس سے بیچ رہاہے تو بازاری قیمت(Market Value) سے کم قیمت میں اُسے بیچے، تاکہ وکیل دھوکہ کی تہمت سے بری ہوسکے۔

یاپھر اپنے موکل کو معاملہ کی مکمل معلومات فراہم کرے اور سب کچھ اس کی اجازت و مرضی سے کرے۔

مذکورہ دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنالازم ہے وگرنہ وکیل کا عمل ناجائزاور قابلِ مذمت و گرفت ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ میں جواز کی بنیادی دلیل یہ مستقل قاعدہ وضابطہ ہے کہ: معاملات، لین دین وخرید وفروخت میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ جائز ہے سوائے اس کے کہ جس کی حرمت شریعت بیان کرے، لہٰذا ایک ہی وقت میں وکیل کا بائع و مشتری ہونا بیان کردہ تفصیل کے مطابق جائز ہے کیونکہ اس کی حرمت شریعت سے ثابت نہیں ہے اور جہاں تک دھوکہ کے امکان کا تعلق ہے تو وہ مذکورہ شرط سے دور ہوجاتاہے۔

تیسری شرط:خریدی وفروخت کی جانے والی چیز شرعی اعتبار سے خرید وفروخت کے قابل ہو

یعنی وہ پاک ہو، حلال ہواور شرعی طور پر نفع بخش ہو۔

الغرض ثمن (قیمت) مثمن (سامان) دونوں شرعی اعتبار سے پاک اور حلال ہوں اور عام حالات میں شرعی طور پر اُس سے فائدہ بھی حاصل کیاجاسکتاہو، کیونکہ جن سے عام حالات میں شرعاًفائدہ حاصل نہیں کیاجاسکتااُن کی خرید وفروخت ہر حال میں حرام ہے، جیسے شراب وغیرہ۔

(عام حالت سے مراد عمومی یعنی غیر اضطراری حالات ہیں، کیونکہ اضطرار و مجبوری میں کچھ چیزیں عارضی طور پر جائز ہوجاتی ہیں)۔

مذکورہ تینوں اوصاف (پاک ہونا، حلال، ہونا اور جائز نفع بخش ہونا)ان میں سے اگر ایک وصف بھی مفقود ہوا تو اس چیز کی خرید و فروخت شریعتِ مطہّرہ میں جائز نہیں ہے۔

اس حوالے سے ایک اور مستقل قاعدہ ہے کہ:

”تمام حلال و پاک اشیاء کی خرید و فروخت مطلقاً جائز ہے، اسی طرح جن اشیاء سے نفع و فائدہ اٹھانا شرعاً صحیح و درست ہو تو ان کی خرید و فروخت بھی درست ہے سوائے اُن صورتوں میں جن میں شریعتِ مطہّرہ نے دیگر حکمتوں و مقاصد کے پیشِ نظر اُن کی خرید و فروخت کو جائز قرار نہیں دیا۔

جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب (خمر)، مردار، خنزیر اور بت و مورتیوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے، کہا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مردہ جانور کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں (یعنی کیا اس کی بیع بھی حرام ہے؟) جن کے ذریعہ لکڑی کی کشتیوں کی پیوند کاری کی جاتی ہے اور کھالوں کو دھن دیا جاتا ہے (تا کہ وہ نرم پڑ جائیں) اور لوگ اُن کے ذریعہ روشنی حاصل کرتے ہیں۔؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں وہ (چربی کی خرید و فروخت) بھی حرام ہے پھر اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین مرتبہ) یہ فرمایا کہ: اللہ یہودیوں کو ہلاک و برباد کرے جن پر اللہ تعالیٰ نے چربیوں کو حرام قرار فرمایا مگر اُنہوں نے (اُسے خود تو استعمال نہیں کیا بلکہ) اسے پگھلایا، پھر اُسے بیچا اور اُسکی قیمت کھا گئے“۔[8] اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یقیناً جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کسی چیز کے کھانے کو حرام فرما دیتا ہے تو اُس قوم پر اُس کی قیمت کو بھی حرام فرما دیتا ہے، (یعنی اُسے بیچنا اور بیچ کر اُس کی قیمت کھانا بھی حرام ہے)۔[9]

اور شراب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

بے شک جس اللہ تعالیٰ نے شراب کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اُس نے اُس کی خرید و فروخت، تجارت و کاروبار کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

نوٹ: گذشتہ حدیث میں میتۃ یعنی وہ حلال خشکی کا جانور جو بغیر ذبح کیے مر جائے اسے حرام قرار دیا گیا ہے لیکن دوسری روایات میں کچھ چیزیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسے:

جراد یعنی ٹڈی کا استثناء موجود ہے کہ جس کا کھانا، استعمال اور بیع بھی حلال ہے، ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھے یا سات غزوات میں شرکت کی جن میں ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے رہے“۔[10] اسی

طرح مردہ جانور کی کھال کو رنگ دیا جائے تو اسے بھی استعمال اور خرید اوبیچا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث میں اس کا استثناء موجود ہے، البتہ بغیر رنگے مردہ جانور کی کھال بالاتفاق ناپاک ہے۔

اسی طرح اس کے وہ اجزاء جن پر زندگی اثر نہیں کرتی وہ بھی اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں، جیسے بال، اون وغیرہ کا استعمال اور خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اُنہیں جسم سے لگی کھال یعنی جڑ سے الگ کر دیا جائے ورنہ وہ پاک و جائز نہ ہوں گے۔

حرام اشیاء میں شامل دیگر امور

شریعتِ مطہّرہ میں شراب، مردار، خنزیر بشمول اُس کے تمام اجزاء اور بت و مورتیوں کے علاوہ: جوّا، فال نکالنے کے تمام طریقے، حلال جانور کو ذبح کرتے وقت بہایا جانے والا خون اور بے مقصد، دلفریب اور غافل کرنے والی باتوں کی حرمت بیان کی گئی ہے "۔

شراب کے علاوہ دیگر منشیات اور مخدّرات کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح بتوں کے علاوہ باقی شرکیہ آلات بھی اس حرمت میں داخل ہیں۔ جب کہ بے مقصد، دلفریب اور غافل کرنے والی باتوں میں گانے، موسیقی اور اُس کے تمام آلات، گانوں اور موسیقی پر مشتمل آڈیو، ویڈیو کیسٹیں، سی ڈیز، فحاشی و عریانیت پر مشتمل رومانوی ناول، فحش لٹریچر سب شامل ہیں، جبکہ جادو اور علمِ نجوم کی تعلیم پر مبنی کتابیں اور اسی طرح تمام باطل افکار و نظریات پر مشتمل کتب، مذکورہ تمام اشیاء کی تجارت حرام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر اُس چیز کی بیع جو شرعی اعتبار سے ناپاک ہو یا حرام کردہ ہو یا عام حالات میں اُن سے شرعی طور پر فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تو وہ جائز و درست نہیں ہے ان سے کُلی اجتناب کرنا ہر مسلم پر واجب ہے۔

چوتھی شرط: مال وزر فروخت کنند و خریدار کی ملکیت میں ہو

اس شرط سے مراد یہ ہے کہ: کسی بھی شخص کا کسی متعیّن شے پر کُلی ملکیت و اختیار سے پہلے اس کا سودا کرنا جائز و درست نہیں ہے، اور اس ملکیت کے حکم میں مال اور زر دونوں شامل ہیں یعنی خریدنے والے کا مال اُس کی ذاتی ملکیت ہو اور اُسے اس میں تصرّف کا اختیار ہو اور بیچنے والے کا سامان اُس کی ذاتی ملکیت میں ہو۔ ہمارے معاشرے میں یہ بات بہت عام ہے کہ لوگ اس چیز کا سودا طے کر لیتے ہیں جو سودے کے وقت اُن کی ملکیت میں نہیں ہوتی یعنی انہوں نے اُسے خریدا ہی نہیں ہوتا بلکہ اُن کا مقصد بعد میں مارکیٹ سے خرید کر اسے خریدار تک پہنچانا ہوتا ہے جو کہ شرعاً ایک ناجائز عمل ہے، کیونکہ اس میں نقصان کے کافی احتمالات ہیں، جیسے: اُس چیز کا مارکیٹ سے ہی ختم ہو جانا، جس قیمت پر اُس نے سودا کیا ہو وقتِ خرید اُس قیمت کا بڑھ جانا وغیرہ وغیرہ، اور پھر اس

کے نتیجہ میں تنازع، نفرت، عداوت و فساد بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا مال وزر، عزت و جان کی حفاظت کی خاطر شریعت ایسے کاموں سے سختی سے روکتی ہے۔

قرآن حکیم میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ } [النساء: 29]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، درست صورت یہ ہے کہ باہمی رضا مندی سے آپس میں لین دین ہو۔“

اور باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے۔

اسی طرح یقیناً کوئی شخص بھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ کوئی دوسرا اُس کے مال میں تصرّف کرے اور اُسے بیچ ڈالے۔ صورتِ ہٰذا میں بیچنے والا کسی دوسرے کے مال کو جو ابھی اِس کی ملکیت میں نہیں آیا اُسے بیچ رہا ہے جو مالِ غیر میں تصرّف کے مترادف ہے۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک آدمی آتا ہے جو مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس چیز کا اس سے سودا کر لوں پھر وہ چیز بازار سے خرید کر اسے دے دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: جو چیز تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں، یا قدرت و اختیار میں) موجود نہیں اُسے فروخت نہ کرو“۔ [11]

نوٹ (الف)

خرید و فروخت کی جانے والی شے دو قسم کی ہوتی ہے:

(1) کبھی تو متعیّن و محدّد ہوتی ہے، جسے دیکھا جا سکتا ہو، جیسے کوئی کہے کہ: میں تمہیں یہ گاڑی جو اُس کی نظروں کے سامنے ہو، جو Honda کمپنی کی ہے جس کا نام Civic ہے اسے بیچتا ہوں۔

(2) اور کبھی وہ شے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی مخصوص قسم کی صفات واضح ہوتی ہیں، لیکن وہ شے نہ ہی سامنے ہوتی ہے اور نہ ہی اُسے دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں تمہیں فلاں کمپنی کی فلاں صفات والی گاڑی بیچتا ہوں۔

مذکورہ روایت میں سیدنا حزام رضی اللہ عنہ کے سوال سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا سوال پہلی قسم سے تھا یعنی متعین شے کے سودے کے حوالہ سے تھا، جس کا معنی ہے کہ اگر خرید و فروخت کی جانے والی چیز متعیّن ہو تو ایسا سودا ملکیتِ کاملہ سے پہلے جائز نہیں۔

مسئلہ بیع السلم یا بیع السلف

لیکن اگر چیز کے تعیّن کی بجائے اُس کی مخصوص صفات بیان ہوں اور بیچنے والا اسے مستقبل کی ایک خاص مدّت کے اندر (جس میں فریقین کا اتفاق طے پائے) مہیّا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اُس کی مکمل قیمت پیشگی ادا کر دی جائے تو یہ سودا جائز ہے جسے شرعی اصطلاح میں بیع السلم یا بیع السلف کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ، آیۃ نمبر:282 اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث کی روشنی میں بیع سلم یا سلف صحیح و درست ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ: تم میں سے جو بھی بیع سلف (سلم) کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ معلوم و متعیّن وزن و پیمانے (یعنی معلوم صفات) اور معلوم و متعیّن مدّت کے ساتھ کرے۔[12]

بیع سلم یہاں ہمارا موضوع نہیں، لہٰذا بیع سلم میں رأس المال اور مسلم فیہ و الیہ وغیرہ سے متعلق شرائط و احکامات و دیگر تفصیل اس کے اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے، یہاں مذکورہ شرط کے حوالہ سے جو ضروری وضاحت تھی وہ کر دی گئی ہے۔[13]

یہاں یہ بھی معلوم ہو کہ اگر قیمت و مال دونوں ہی ادھار پر ہوں، تو یہ "بیع الکالی بالکالی" ہو جائیگی جو شرعاً ناجائز ہے۔

نوٹ (ب): مذکورہ شرطِ ملکیت کے حکم سے چار قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں

جو مالک تو نہیں بلکہ مالک کے قائم مقام تصوّر کیے جاتے ہیں اور وہ ملکیت کی مذکورہ شرط سے اس طور سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ مال و زر میں ذاتی ملکیت رکھے بغیر کچھ شروط و قیود کے ساتھ خرید و فروخت اور تصرّف کے مجاز ہیں، اور وہ درجِ ذیل ہیں:

(1) وکیل (Agent)   (2) وصی) نامزد (Nominated۔

(3) ناظر) : نگہبان، (Supervisor   (4) ولی) سرپرست، (Guardian۔

ان چاروں کی مختصراً وضاحت درجِ ذیل ہے:

وکیل: (Agent)

وہ شخص جسے مالک کی طرف سے اُس کی زندگی میں اُس کے مال میں تصرّف کی اجازت و اختیار دیا گیا ہو، یا: جو اپنے مالک کی طرف سے کسی متعین چیز کی خریداری یا فروخت کے لئے مقرر ہو۔

جیسے مینیجر، بروکر اور ایجنٹ وغیرہ، مثال کے طور پر مالک ایک شخص کو اپنی کوئی جائداد، یا گاڑی وغیرہ دیکر اُسے اس کے بیچنے کی ذمہ داری سونپ دے۔ وہ شخص مالک کی طرف سے اس کی متعیّن چیز کا وکیل ہوگا اور اسکی بیع بھی درست ہوگی۔

وصی) :نامزد(Nominated

وہ شخص جسے مالک کے اپنے مکمل مال کے ثلث (تیسرے حصے) میں کی ہوئی وصیت میں، اس کی موت کے بعد تصرّف کی اجازت واختیار دیا گیاہو۔

یہ بھی عرفِ عام میں وکیل ہی ہوتے ہیں لیکن انہیں عربی میں وصی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وصیت کے مال میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔ جیسے ایک شخص اپنے ثلث المال میں سے کسی خاص مصرف مثلاً فی سبیل اللہ کی مد میں پیسہ دینا چاہتا ہو اور وہ کسی خاص شخص کو اپنا وصی مقرر کرے تو وہ وصی، وصیت کئے گئے مال کو فی سبیل اللہ کے مصارف میں سے کسی بھی مناسب مصرف میں خرچ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

ناظر)نگہبان:(Supervisor

اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی بھی وقف (Endowment)وٹرسٹ پر نگہبان وذمہ دار بنایا گیاہو۔]14[

اب اس وقف کا نگہبان، ذمہ دار(Supervisor)اس میں مطلوبہ ہدف کی تکمیل کے تصرّفات کا اختیار رکھتا ہے، جیسے ایک شخص اپنے کسی گھر کو فقراء ومساکین کے لیے وقف کر دیتا ہے اور اس کے معاملات دیکھنے کی ذمہ داری عبد اللہ کو سونپتا ہے تو عبد اللہ کو اس میں مطلوبہ مقصد کی تکمیل کے لئے تصرّف کا اختیار ہے۔

ولی) سرپرست،:(Guardian

ولایت (سرپرستی) کی دو قسمیں ہیں: ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ۔

ولایتِ عامہ سے مراد: حکمران کی ولایت ہے، جیسے ملک کے وہ اموال، اراضی و املاک کہ جن کا کوئی مالک نہیں اُن کی ملکیت وتصرّف کا اختیار حاکم کے پاس ہوتا ہے، اسی طرح اس یتیم کے اموال واملاک کہ جس کا کوئی خاص ولی وسرپرست نہیں، اُن کی ولایت بھی حاکم کے پاس ہوتی ہے۔

ولایتِ خاصہ سے مراد: وہ ولایت ہے جو یتیم کے کسی خاص ولی وسرپرست کی ہوتی ہے، جیسے چچا کی ولایت اس کے یتیم بھتیجے پر۔ ایسی صورت میں یتیم اور اس کے مال کی کفالت اور سرپرستی اس کے خاص ولی کی ذمہ داری ہے جسے شریعت یتیم کے مال

میں جائز و حلال طریقہ سے اس وقت تک تصرّف کی اجازت دیتی ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے یا ممیز یعنی صحیح اور غلط میں فرق پہچاننے والا نہ ہو جائے۔

ولی اور وکیل میں فرق:

مذکورہ چاروں صورتوں میں ملکیت نہ ہونے کے باوجود تصرّف کا اختیار حاصل ہے لیکن پہلی تین صورتیں وکالت ہیں جن میں تصرف کا اختیار مالک کی طرف سے حاصل ہوتا ہے جبکہ چوتھی صورت میں یعنی ولی کو تصرّف کا اختیار شرع کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔

پانچویں شرط: خریدی ہوئی چیز کو قبضہ میں لینا اور قبضہ سے قبل اُسے فروخت نہ کرنا

خرید و فروخت کی شرائط میں سے ایک اہم وبنیادی شرط جس سے آج عوام الناس بالخصوص کاروباری و تاجر حضرات بہت غفلت برتتے ہیں وہ قبضہ و انتقال سے قبل ہی خریدی ہوئی شے کا آگے سودا کر دینا یعنی اُسے بیچ دینا ہے جو شرعی لحاظ سے ناجائز عمل ہے۔

لہٰذا خریدا ہوا مال قبضہ میں لیں اور اُسے خریدی ہوئی جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کریں اور پھر اُسے آگے جہاں چاہیں فروخت کریں، قبضہ سے پہلے اور خریدی ہوئی جگہ پر بیچنا دونوں ہی شرعاً ممنوع ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جو شخص غلہ خریدے، تو اُسے اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ وہ پوری طرح اُسے اپنے قبضہ میں نہ کرلے“۔[15] اسی طرح صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ خریدتے تو ہمارے پاس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) ایک شخص کو بھیجا جاتا جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم اُسے بیچنے سے پہلے خریدی ہوئی جگہ سے اُٹھا کر کسی دوسری جگہ منتقل کرلیں“۔[16]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدی ہوئی جگہ پر فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ تاجر اُسے اپنے مقامات پر منتقل کرلیں“۔[17]

قبضہ سے قبل فروخت کی ممانعت کی علّت

یہ عمل آج اتنا عام ہو گیا ہے کہ درآمد کی جانے والی اشیاء ملک میں آتے آتے کئی جگہ فروخت ہو چکی ہوتی ہیں، جو اسلامی شریعت میں ایک مذموم عمل ہے۔

ا

اس کے دنیاوی نقصانات میں سے اہم ترین نقصان یہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کئی ہاتھوں میں فروخت ہوچکی ہوتی ہے اس لئے جب وہ گھر میں پہنچتی ہے تو اُس کی انتہائی مہنگی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے مارکیٹ میں چڑھاؤ آتا ہے جو غریب و متوسط طبقہ کے لئے بالخصوص ظلم کے مترادف ہے۔

اور دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ باربرداری کے شعبہ سے وابستہ مزدوروں کا روزگار متاثر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حکمت و بصیرت، دور اندیشی اور عدل و انصاف پر مشتمل اسلامی شریعت اس عمل کی بلکہ ہر اُس عمل کی سختی سے مذمت کرتی ہے جو عدل و انصاف کے تقاضوں پر پورا نہ اترے، بلکہ معاشرے میں موجود متوسط اور غریب افراد پر ناحق بوجھ اور ظلم و زیادتی کا باعث بنے۔

گذشتہ اسباب کے علاوہ شریعت میں اس کی حرمت کا بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ یہ بیع لغرر(Uncertainty اور جہالت ،ودھوکہ) میں سے ہے اور بیع الغرر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایاہے۔

بیع الغرر سے مراد وہ بیع ہے جس میں کسی بھی لحاظ سے جہالت (لاعلمی)، یا دھوکہ ہو، یا جس میں بیچی یا خریدی جانے والی چیز کا ذریعہ حصول معلوم نہ ہو یا اس کی حقیقت یا مقدار معلوم نہ ہو۔

اور جب تک انسان کے قبضہ میں مال نہیں آجاتا اس وقت تک اس کی حقیقت مجھول ہی کے حکم میں ہے جو کہ غرر ہے، اور غرر اس طور پر بھی ہے کہ قبضہ سے قبل فروخت کرنے والا اگر اُسے سستی قیمت میں بیچتاہے اور خریدار کو وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ فائدہ مند ہو گا وگرنہ نقصان میں، اور فائدہ و نقصان کے درمیان یہی غرر ہے۔

اس کے علاوہ اس میں سود کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ اس کی ممانعت کی علّت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"ذاک دراھم بدراھم والطّعام مرج" کہ "یہ درہم کے بدلے درہم کا لین دین ہے جبکہ (خریدا ہوا بغیر قبضہ میں لیا) غلہ وہیں اپنی جگہ موجود ہے"۔یعنی یہ سودا ایک طرح سے نقدی کا لین دین ہی ہے، جیسے کسی نے ایک لاکھ میں غلّہ خریدا اور اسے اپنے قبضہ میں لئے بغیر اور منتقل کیے بغیر وہیں ایک لاکھ دس ہزار میں بیچ دیا گویا ایک لاکھ کی نقدی کے بدلہ دس لاکھ کی نقدی کا سودا کر کے منافع کمایا۔

امام ابنِ قیّم رحمہ اللہ نے اس حوالہ سے انتہائی مفید گفتگو فرمائی ہے، آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ عمل ممنوع اس لئے ہے کہ: خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر اُسے منتقل کیے بغیر نہ تو قبضہ مکمل ہوا ہے اور نہ ہی فروخت کنندہ سے تعلق کُلّی طور پر ختم ہوا ہے، لہٰذا جب فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو گا کہ اُس سے خرید کر آگے فروخت کرنے والے کو اس سے خوب نفع حاصل ہو رہا ہے تو وہ قبضہ دینے میں حیل وحجت سے کام لے گا یا پھر وہ سودا ختم بھی کر سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ سودا ختم کرنے کے لئے بات تنازع تک اور پھر عداوت و دشمنی تک جا پہنچے جیسا کہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حکمت پر مبنی شریعتِ کاملہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے خریدار پر یہ شرط عائد کر دی ہے کہ وہ خریدی گئی چیز پر اس وقت تک کوئی تصرّف نہ کرے جب تک اُسے فروخت کنندہ سے لیکر اپنے قبضہ میں نہ لے لے اور فروخت کنندہ سے اس کا مکمل تعلق ختم نہ ہو جائے، تا کہ وہ سودا فسخ (ختم) کرنے یا قبضہ نہ دینے کا سوچ بھی نہ سکے۔ یہ وہ حکمتیں وفوائد ہیں جن کو شارع نے نظر انداز نہیں کیا، یہاں تک کہ شریعت کا علم نہ رکھنے والے تاجر وکاروباری حضرات بھی اُنہیں تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں بھی ایک طرف مصلحت اس کی متقاضی ہے اور دوسری طرف معاملات میں موجود فساد وخرابیوں کا خاتمہ بھی اسی طرح ممکن ہے۔[18]

بعض اہلِ علم کے نزدیک مکمل قبضہ کے لئے خریدی گئی شے کا کسی دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں بشرطیکہ فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو خریدی گئی شے میں تصرّف کا مکمل اختیار حاصل ہو اس طور پر کہ: خریدی گئی چیز کا نفع بھی اور نقصان کی ذمہ داری بھی دونوں خریدار کی طرف منتقل ہو جائیں۔ کیونکہ عموماً خریدار کے قبضہ میں آنے تک خریدی ہوئی چیز کی ذمہ داری فروخت کنندہ (بیچنے والے) کی ہوتی ہے اور اُسے خریدار تک صحیح وسالم بحفاظت پہنچانا فروخت کنندہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

چھٹی شرط: خریدی وفروخت کی جانے والی شے سے متعلق مکمل علم رکھنا

خرید وفروخت کی شرائط میں آخری شرط یہ ہے کہ: جس چیز کو خریدا یا فروخت کیا جا رہا ہے، اس سے متعلقہ مکمل علم فریقین (خریدار و فروخت کنندہ) کو حاصل ہو۔

خرید وفروخت کی جانے والی شے کا علم اُس سے متعلقہ تین چیزوں کی مکمل معرفت سے حاصل ہوتا ہے:

(1) خریدی یا فروخت کی جانے والی چیز کیا ہے؟ (جس کی معرفت زبان سے اُس کا نام لے کر یا اس کی وضاحت کے ذریعہ یا اشارہ کے ذریعہ حاصل ہو گی)۔

(2) مقدار یعنی وزن وپیمانہ کی معرفت۔ (اگر خرید وفروخت کی جانے والی چیز کا تعلق وزن وپیمانہ سے ہو)۔

(3)صفات کی معرفت۔(اگر خریدی و فروخت کی جانے والی چیز کا تعلق اس کی صفات کی معرفت سے ہو یا وہ چیز سامنے موجود نہ ہو)۔

مذکورہ اشیاء کی مختصر وضاحت

مذکورہ تینوں اعتبار سے طرفین کو سودے ،اُس کی نوعیت، جنس، مقدار اور مکمل صفات سے متعلقہ کُلی علم ہونالازمی ہے، ان میں کسی بھی طرح کا ابہام ،شبہ یا لاعلمی شرعی اعتبار سے بیع کو مشکوک بنادیتی ہے،جسے شرعی اصطلاح میں" غَرَر"(Uncertainty)سے تعبیر کیا جاتا ہے جو شرعاًناجائز ہے اور جس کی وضاحت سابقہ سطور میں گذر چکی ہے۔

خرید و فروخت کی جانے والی شے کا علم

سب سے پہلے شے کا تعیّن ہونا چاہئے خواہ وہ اس کا نام لیکر کیا جائے یااس کی طرف اشارہ کر کے اور اس حوالہ سے طرفین میں سے کسی کو کسی بھی قسم کا کوئی مغالطہ یاشبہ نہ ہو ورنہ بیع درست نہ ہو گی۔

مقدار کا علم

یعنی وزن وپیمانہ کی معرفت، تو اس میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جن کی خرید و فروخت وزن،ناپ تول کے حساب سے کی جاتی ہے جیسے کھانے پینے کی اشیاء اور سائل مادّہ وغیرہ۔ان اشیاء کی بیع اُس وقت تک درست اور مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ طرفین میں وزن،ناپ تول کے حوالہ سے اتفاق واطمینان نہیں ہو جاتا۔

ناپ تول اور وزن میں کمی کرنا

یہاں فروخت کنندہ کو خاص اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ جان بوجھ کر وزن یاناپ تول میں کمی نہ کرے، کیونکہ یہ عمل دھوکہ دہی کی بدترین قسم ہے جو انتہائی بڑا گناہ، غضبِ الٰہی کے نزول، برکت کے خاتمہ اور معاشرے میں بگاڑ، فتنہ وفساد کا ذریعہ ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

[وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ o الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ o وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ {]المطففين: 1 – 3]

ترجمہ:"ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"۔

سابقہ قوموں میں قومِ شعیب علیہ السلام پر عذابِ الٰہی کے نزول کی بنیادی وجہ شرک وبدعقیدگی کے بعد یہی ناپ تول میں کمی کرنا تھا، وہ بدبخت آسودگی وامیری کے باوجود اس لعنت میں مبتلا تھے جس کا انجام اُن کی بربادی کی صورت میں ہوا۔

اس کے علاوہ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی قوم پر ظالم حکمرانوں کے تسلّط اور اس قوم کی غربت، فقیری اور لاچارگی کا بنیادی سبب اسی قبیح عمل ناپ تول میں کمی کو قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لم ينقصوا المكيال والميزان إلا اخذوا بالسنين وشدة المؤنة وجور السلطان عليهم"[21]

ترجمہ:"جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت ومشقّت (تنگی) اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے"۔

لہٰذا ناپ تول میں کمی کرنے والا اس بات کو ہمیشہ اپنے مدِّ نظر رکھے کہ وہ تھوڑے سے دنیاوی عارضی مفاد کی خاطر حقیقت میں اپنی برکت، اطمینان وسکون ختم کر رہا ہے اور نہ صرف اپنی دنیا و آخرت برباد کر رہا ہے بلکہ معاشرے میں عذابِ الٰہی کے نزول کا ذریعہ بھی بن رہا ہے۔

صفات کا علم

اسی طرح شئے سے متعلّقہ صفات کی معرفت بھی اس لئے ضروری ہے تاکہ بعد میں اسے لیکر طرفین کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی تنازع پیدا نہ ہو جائے۔ خریدار کو چاہئے کہ خریدنے سے پہلے اُس کی مکمل صفات اچھی طرح معلوم کرلے۔ اور فروخت کنندہ کو چاہئے کہ مطلوبہ صفات کی مکمل وضاحت کرے۔

جان بوجھ کر عیب چھپانا

فروخت کنندہ کا جان بوجھ کر اپنے سامان سے متعلقہ کسی بھی صفت کو چھپانا اور خریدار سے اُسے مخفی رکھنا درست نہیں ہے، اپنے سامان میں عیب کا علم ہوتے ہوئے بھی اُسے خریدار سے چھپانا ایک نہیں کئی بڑے گناہوں کا ارتکاب ہے جیسے جھوٹ، دھوکہ دہی، فریب، کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا اور اُس نقصان کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا وبال بھی اسی فروخت کنندہ کو حاصل ہوگا، اب اندازہ لگائیے کہ گناہوں اور نقصانات کے ناختم ہونے والے سلسلہ کے مقابلہ میں عیب چھپا کر اپنی چیز کو بیچ کر حاصل ہونے والے فائدہ کی کتنی اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ سچ بول کر حاصل ہونے والا تھوڑا فائدہ دنیا و آخرت میں حاصل ہونے والی، بے برکتی، بے اطمینانی اور رسوائی وذلت سے کہیں بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:"اگر وہ دونوں(فروخت کنندہ و خریدار)سچائی کو اپنائیں اورایک دوسرے پر حقیقتِ حال واضح کر دیں تو ان کا سودا بابرکت ہو گا اور اگر دونوں نے عیب کو چھپایا اور جھوٹ کو اپنایا تو ان کے سودے سے برکت ختم کر دی جائے گی[22]"

بعض بیچنے والے اپنی چیز کا نقص جانتے ہوئے بھی واضح نہیں کرتے بلکہ اس کی ذمہ داری خریدار پر ڈال دیتے ہیں کہ جی آپ خود ہی دیکھ لیں، اگر بعد میں کوئی خرابی نکلی تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے، معلوم ہو کہ اُن کا یہ طریقہ خلافِ شریعت ہے۔ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔اور کسی بھی مسلم کے لئے یہ حلال وجائز نہیں کہ وہ اپنی چیز میں موجود عیب کی وضاحت کئے بغیر اُس کا سودا اپنے بھائی کے ساتھ کرے"۔[23]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص سے بیزاری و لاتعلقی کا اظہار فرمایاہے جو چیز کا عیب ظاہر کیے بغیر اُسے فروخت کر دیتاہے۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلّے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا۔ آپ کی اُنگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اے غلّے والے! یہ کیاہے؟اُس نے کہا:اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!اس پر بارش پڑگئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم نے اس بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکتے؟اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس نے دھوکا دیا،اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے"۔[24]

آخر میں ربِّ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ ہمیں تمام معاملات میں قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماخوذ:حماد امین چاؤلہ مع تغیر وجیز1

---

[1]اضل مدینہ یونیورسٹی، مدیر شعبہ دعوت وتبلیغ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2]فقہ الحدیث، باب الشروط الصلاۃ 1/343

[3]سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب بیع الخیار۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کو ارواء الغلیل میں صحیح قرار دیاہے۔

[4]معیشت وتجارت کے اسلامی احکام، ص30-31

[5]اس روایت کو امام احمد نے مسند میں "اوّل مسند البصریین" حدیث نمبر:20578 میں بیان کیاہے۔

[6]سنن الکبری للبیھقي: کتاب النفقات (یہ روایت صحیح ہے)

[7]سنن ابی داود: کتاب الاجارۃ، باب فی العبد یباع

[8] صحیح البخاري: باب بیع المیتۃ والأصنام، صحیح المسلم: باب تحریم بیع الخمر

[9]سنن أبي داوٗد: باب في ثمن الخمر والمیتۃ

[10] صحیح البخاري: کتاب الذبائح والصید، باب أکل الجراد

[11]سنن أبي داوٗد: کتاب الإجارۃ، باب في الرجل یبیع مالیس عندہ (صحیح) سنن نسائي:4617باب بیع مالیس عند البائع

[12] صحیح البخاري: کتاب السلم، باب السلم في وزن معلوم.

[13]بیع السلم اور سلف کے حوالے سے مکمل بحث "البیان" کی اس خصوصی اشاعت میں موجود ہے جسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

[14]وقف سے مراد:

ذاتی ملکیت کی کوئی بھی منافع بخش شے جیسے جائداد، کاروبار، فیکٹری، پیسہ یا کوئی بھی مد جسے کسی خاص مقصد کے لئے مقرر و متعیّن کیا گیا ہو۔ جیسے کوئی شخص اپنی جائداد میں سے کسی ایک حصہ کو ہمیشہ یا کسی خاص مدّت تک کے لئے فقراء، یتیموں و بیواؤں کی کفالت یا دیگر خیری معاملہ کے لئے مختص کردے، یا اس جائداد کو استعمال میں لاتے ہوئے اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مختص کردے وغیرہ، الغرض وقف کا بہت وسیع مفہوم ہے جو چھوٹی سطح سے لیکر بڑی سطح تک جاسکتا ہے۔

[15] صحیح البخاري: کتاب البیوع، باب الکیل علی البائع والمعطي

[16] صحیح المسلم: کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض

[17]سنن أبي داود: کتاب الإجارۃ، باب في بیع الطعام قبل أن یستوفي (صحیح لغیرہ)

[18]تھذیب: ج5، ص:137

[19]جامع الترمذي: کتاب البیوع، باب ماجاء في کراھیۃ مالیس عندک (امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)

2 [20]تھذیب: ج5، ص154، 153

[21]سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب العقوبات (یہ روایت صحیح ہے)

[22] صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب مایمحق الکذب والکتمان فی البیع

[23]رواہ ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب من باع عیبًا فلیبیّنہ

[24] صحیح مسلم: باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا

سبق نمبر5

انٹرنیٹ کے ذریعہ خرید و فروخت کے شرعی احکام

سائنس وٹکنالوجی نے تجارت ومعیشت کے باب میں حیرت انگیز تبدیلی کی ہے، ماضی میں خرید وفروخت کے جو طور طریقے رائج تھے وہ آج بھی رائج ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تجارت وخرید وفروخت کی بہت سی نئی شکلیں وجود میں آگئی ہیں، ماضی میں اگر کوئی شخص کسی غائب شخص سے کوئی سامان فروخت کرتا تھاتو اس کی دو صورتیں رائج تھیں، تحریر کے ذریعہ یا قاصد کے ذریعہ، لیکن آج انٹرنیٹ نے اس کی نت نئی شکلیں پیدا کر دی ہیں، ہر ایک کا حکم جاننے کے لئے بیع کی حقیقت پر نظر کرنا ضروری ہے، فقہاء نے بیع کی تعریف کی ہے مال کا تبادلہ مال سے کرنا اس میں دو بنیادی قید ہیں، عوضین یعنی مبیع اور ثمن کا مال ہونا ضروری ہے اور آپسی رضامندی ضروری ہے، دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع کا انعقاد نہیں ہوتا ہے، دوسری طرف بیع کے انعقاد کے لئے فقہاء کے یہاں اصول ہے کہ بیع ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہوتی ہے خرید و فروخت کرنے والے میں سے پہلے کے قول کو ایجاب اور دوسرے کے قول کو قبول کہا جاتا ہے اور اس ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں پایا جانا ضروری ہے اور اتحاد مجلس کے ساتھ یہ ایجاب وقبول اگر عاقدین آمنے سامنے ہوں تو بالکل ظاہر ہے کہ ایک شخص بیع کا ایجاب کرے گا اور دوسرا قبول کرے گا اور دونوں ایک ہی مجلس میں ہو گا، لیکن اس کے علاوہ فقہاء نے غائب کی بیع سے بھی بحث کی ہے، فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد کے ایک فریق نے جب تحریر کے ذریعہ یا قاصد کے ذریعہ اپنی طرف سے خرید وفروخت کی پیش کش کی اور دوسرے شخص کے علم میں جب یہ تحریر آئی یا قاصد پیغام لے کر آیا اور اس نے اسی مجلس میں قبول کر لیا تو اس صورت میں بیع منعقد ہو جائے گی۔

علامہ ابن الہمام اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جب اسے خط پہونچ جائے اور وہ اس کے مضمون کو سمجھ لے اور مجلس ہی میں کہے میں نے قبول کیا تو بیع منعقد ہو جائے گی۔

فقہاء کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو شخصوں میں سے ایک نے دوسرے کو عقد بیع کی تحریری پیش کش کی اور صورت حال یہ ہے کہ دونوں مختلف جگہوں پر ہیں اور دوسرے شخص کو جس مجلس میں پیش کش پہونچی اور اس کے علم میں آئی اسی مجلس میں اس نے زبانی یا تحریری طور پر اس پیش کش کو قبول کر لیا تو بیع منعقد ہو جائے گا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء کے یہاں ایجاب وقبول کی صحت کے لئے اتحاد مجلس جو شرط ہے اس کا مطلب حقیقی مجلس کا ایک ہونا نہیں ہے، بلکہ ایجاب وقبول کا ارتباط واتصال کافی ہے، لیکن یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ نکاح کے باب میں یہ ارتباط اتصال کافی نہیں ہے، اس لئے کہ نکاح کا

معاملہ شرمگاہ کی حلت وحرمت کا ہے جس میں احتیاط کی ضرورت ہے، اسی لئے فقہاء نے نکاح کے باب میں تنگی رکھی ہے اور بیع کے باب میں تساہل اور نرمی کا معاملہ کیا ہے۔ بہر حال بیع میں ایجاب وقبول کے لئے اتحاد مجلس کا مقصد ارتباط واتصال ہے، اسی لئے غائب شخص سے بیع وشراء درست ہے، اس پس منظر میں موجودہ ٹکنالوجی کی دنیا اور اس میں پیدا ہو رہی نت نئی صورتوں کو بھی دیکھنا چاہئے، انٹرنیٹ کے ذریعہ خرید وفروخت کی مختلف صورتیں ہیں، اس پر کلی طور پر جواز یا عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، بلکہ ہر صورت کا حکم علیحدہ علیحدہ اس کی نوعیت کے اعتبار سے لگایا جائے گا۔

انٹرنیٹ پر خرید وفروخت کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے انٹرنیٹ پر خریداری کی پیش کش کی اور دوسرے فریق نے فوری طور پر انٹرنیٹ کے اسی رابطہ میں قبول کرلیا تو شرعا خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہوگیا، اور بیع کی صورت بیع بالکتابت میں داخل ہو کر درست ہوگی۔

ویڈیو کانفرنسنگ بھی انٹرنیٹ پر خرید وفروخت کی ایک صورت ہے جس میں خرید وفروخت کا معاملہ مائکروفون اور کیمرہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور فریقین اس طرح ایک دوسرے کی حرکات وسکنات سے واقف ہوتے ہیں جیسے ایک کمرہ میں اور ایک جگہ بیٹھے ہوں، خرید وفروخت کے اس معاملہ کو بیع بالکتابت تو نہیں کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی مائکروفون اور کیمرہ کو اتحاد مجلس کا درجہ دیا جاسکتا ہے، بلکہ بیع کے معاملہ میں فقہاء نے جو تساہل اور نرمی کا معاملہ کیا ہے اسی کے پیش نظر ایجاب وقبول کا ارتباط واتصال مان لیا جائے گا۔

انٹرنیٹ پر خرید وفروخت کی ایک صورت ای میل کے ذریعہ ہوتی ہے یعنی کوئی شخص کسی سامان کے خریداری کی اطلاع ای میل کے ذریعہ بھیج دیتا ہے جب دوسرے شخص کے پاس وہ میل پہونچے اور جس مجلس میں وہ میل پڑھے اسی مجلس میں اس کو قبول کرلے تو بیع کی یہ صورت بھی درست ہے اور یہ بیع بالکتابت ہے۔

آج کل آن لائن بزنس بھی عام ہوتا جارہا ہے جس میں خریدار اور بیچنے والے دونوں کو سہولت ہوتی ہے، بیچنے والے کو کسی دکان لگانے اور اس کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ انٹرنیٹ پر ویب سائٹ بنا کر اپنی اشیاء کا مکمل تعارف دے دیتا ہے اور سامان کا نمونہ بھی موجود رہتا ہے، خریدار اس سائٹ پر جاکر اپنی پسند کی چیز خرید لیتا ہے، بظاہر یہاں پر ایجاب وقبول کا معاملہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر سامان اپنی قیمت کے ساتھ وہاں درج ہوتی ہے خریدار کو اگر وہ سامان اسی قیمت پر پسند ہے تو وہ خرید لیتا ہے پھر ثمن کی ادائیگی کی دو صورت ہوتی ہے: کبھی تو اسی وقت اپنے اکاؤنٹ سے ثمن ادا کرنا ہوتا ہے اور مبیع گھر آجاتی ہے، لیکن آج کل آن لائن

خرید وفروخت کو سہل، قابل اعتماد اور عام کرنے کے لئے پیسے بھی پہلے نہیں لئے جاتے ہیں بلکہ جس وقت سامان لاکر دیتا ہے وہی بائع کا قاصد پیسے بھی وصول کرتا ہے اور اگر مبیع میں کوئی عیب ہے یا مبیع پسند نہیں ہے تو بائع کا قاصد آکر مبیع واپس لے جاتا ہے اور ثمن اکاؤنٹ میں واپس کر دیتا ہے، مبیع کے پسند نہ آنے یا عیب دار ہونے کی صورت میں واپسی کا اختیار رہتا ہے اور اس سلسلے میں مکمل ہدایت دے دی جاتی ہے کہ مبیع پسند نہ آنے یا عیب دار ہونے کی صورت میں حمل و نقل کا صرفہ کس کو اور کس قدر برداشت کرنا ہوگا، بظاہر اس میں کسی قسم کے نزاع کا احتمال نہیں رہتا ہے، بیع کی یہ صورت بیع تعاطی کی ہے، اس لئے کہ بائع نے سامان کو بیع کے لئے پیش کیا ہے، لیکن ایجاب وقبول کا مکمل مفہوم یہاں پر نہیں پایا گیا ہے، بلکہ مشتری کی طرف سے صرف قبول ہے جیسے ہم اخبار کی دکان پر جاکر پانچ روپئے رکھ کر ایک اخبار خرید لیتے ہیں بیع کی یہی صورت یہاں پائی جارہی ہے اور یہ درست ہے۔ بعض آن لائن خرید وفروخت کے طریقے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کی یہ صورت بیع بالکتابت میں داخل ہے، اس لئے کہ اگر خریدار کو سامان پسند آیا تو وہ خریدنے کا آپشن دبا دیتا ہے جس پر بائع کی طرف سے منظوری آتی ہے اور یہ میسیج دیا جاتا ہے کہ آپ کا سامان اتنے دنوں میں آپ کو پہونچ جائے گا، گویا خریدار نے بیع کا تحریری ایجاب کیا اور بائع کی طرف سے تحریری قبول پایا گیا، لہٰذا یہ بیع بالکتابت کی صورت ہے اور درست ہے۔

انٹرنیٹ پر آن لائن خرید وفرخت کی ایک صورت فاریکس ٹریڈنگ کی ہے، فاریکس ٹریڈنگ کا شرعی حکم معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ فاریکس ٹریڈنگ میں آدمی بلاواسطہ خود خریداری نہیں کر سکتا ہے، بلکہ کمپنی جو بروکر کا کام انجام دیتی ہے اس کا واسطہ ضروری ہے اور خرید وفروخت کے تمام مراحل بروکر کمپنی کے واسطہ سے پایہ تکمیل کو پہونچتے ہیں، یہ کمپنی ہر خرید وفروخت پر ۵۰ یا ۶۰ ڈالر کمیشن لیتی ہے، خریدار کو خواہ نفع ہو یا نقصان کمپنی کے طے شدہ کمیشن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، نیز اس کاروبار میں صرف ۱۰ ؍فیصد رقم بروکر کمپنی کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، باقی ۹۰ ؍فیصد قیمت ادا کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی کمپنی کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص ۱۰ ؍ہزار ڈالر بروکر کمپنی کو جمع کرواکر اپنا اکاؤنٹ کمپنی کے پاس کھول لیتا ہے تو اس کو ایک لاکھ ڈالر خریداری کی اجازت مل جاتی ہے، کاروبار کا طریقہ کار یہ ہے کہ آدمی فاریکس کا رکن بن جاتا ہے کمپنی دس ہزار میں سے دو ہزار ڈالر اپنے پاس بطور بیعانہ رکھ لیتی ہے، تاکہ اگر بالفرض خرید وفروخت میں نقصان ہونے لگے تو اس میں سے پورا کیا جاسکے، رکن بننے کے بعد کمپنی والے اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ کس وقت کون سی چیز خریدنا مناسب اور نفع بخش ہے، اس کاروبار میں خرید وفروخت کی جانے والی ہر شئی کی خریداری کی کم سے کم مقدار مقرر ہوتی ہے جس کو فاریکس ٹریڈنگ کی

اصطلاح میں لاٹ (Lot) کہتے ہیں، فروخت ہونے والی اجناس میں عام طور پر کپاس، چینی اور گندم جب کہ زر میں سوناچاندی شامل ہیں، سونے کی ایک لاٹ ۱۰۰۰ ایک ہزار اونس پر مشتمل ہوتی ہے ایک لاٹ کی قیمت مثلاً دس ہزار ڈالر ہوتی ہے جب کوئی آدمی ایک لاٹ خریدنا چاہتا ہے تو وہ کمپنی سے رابطہ کرتا ہے اس کے آرڈر پر کمپنی اس کے لئے ایک لاٹ خرید لیتی ہے اور اس کی اطلاع خریدار کو دے دیتی ہے، اس کے بعد جیسے ہی خریدی گئی جنس کی قیمت بڑھنے لگتی ہے کمپنی خریدار کو مطلع کرتی ہے اور خریدار اپنی مرضی کے مطابق کمپنی کو اس چیز کے بیچنے کا آرڈر دے دیتا ہے، جب کمپنی خریدار کے آرڈر پر لاٹ فروخت کرتی ہے تو حاصل شدہ نفع میں سے اپنا کمیشن کاٹ لیتی ہے، بقیہ نفع فروخت کنندہ کے اکاؤنٹ میں چلا جاتا ہے اور اگر خریدی گئی جنس کی قیمت کم ہونے لگے تو بھی کمپنی خریدار کو اطلاع کرتی ہے، تاکہ زیادہ خسارے سے بچنے کے لئے پہلے ہی لاٹ فروخت کر دی جائے، نیز اس کاروبار میں خریدی گئی چیز کو خریدار اپنے شہر میں بھی منگوا سکتا ہے، لیکن سفری اخراجات اور ٹیکس وغیرہ کی بنا پر اسی مارکیٹ میں خریدار وہ چیز فروخت کر دیتا ہے۔

یہ کاروبار مکمل طور سے انٹرنیٹ پر گھر بیٹھے ہوتا ہے اس میں حسی طور پر خریدار کسی جنس پر اور فروخت کنندہ کسی کرنسی پر قبضہ نہیں کرتا ہے، بلکہ اسکرین پر اس کے اکاؤنٹ میں صرف (SHOW دکھایا) کیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ایک لاٹ کا مثلاً مالک بن گیا، دوسری طرف فروخت کنندہ کے اکاؤنٹ میں صرف رقم کی منتقلی دکھائی جاتی ہے اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا ہے۔

فاریکس ٹریڈنگ کی مکمل صورت سامنے آنے کے بعد اس کا حکم بھی آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے، فتاویٰ عثمانی میں فاریکس سے متعلق ایک سوال ہے، جس میں فاریکس ٹریڈنگ کی مزید وضاحت ہے، خرید و فروخت کی مذکورہ صورت کئی وجوہ سے ناجائز ہے۔

۱ اس میں زیادہ تر کرنسی کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور یہاں پر خریدنے والا پوری رقم ادا نہیں کرتا ہے، اسی طرح بیچنے والا بھی صرف نفع کی رقم ہی ادا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں یہاں دونوں جانب سے قبضہ نہیں پایا جاتا ہے، یعنی دونوں جانب سے رقم دین ہے، لہٰذا یہ بیع الکالی بالکالی میں داخل ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ عن ابن عمر أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي هو النسيءة بالنسيءة.(۴۱)

۲ تجارت کی اس صورت میں مشتری جو سامان خریدتا ہے اس پر قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا ہے، نہ مشتری کی چیز علیحدہ کی جاتی ہے اور نہ ہی بیچنے کے علاوہ اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار پایا جاتا ہے، یہاں صرف اسکرین پر مبیع کے تعلق سے نفع یا نقصان کی

ا

مقدار دکھادی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں غرر اور دھوکہ کا امکان ہے، بہت ممکن ہے کہ جس چیز کی خرید وفروخت ہورہی ہو حقیقت میں اس چیز کا وجود ہی نہ ہو، اگر چہ اطمینان دلانے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مشتری سامان اپنے پاس منگانے کا اختیار رکھتا ہے، لیکن کمپنی کو بھی معلوم ہے منگانے کے صرفہ کی بنیاد پر کوئی بھی مبیع کو اپنے پاس نہیں منگائے گا، اس طرح گویا ایک معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے اور اس پر نفع یا نقصان کا مدار رکھا جاتا ہے، خرید وفروخت کی اس صورت میں غرر اور دھوکہ کا قوی امکان ہے۔

۳ خرید وفروخت کی اس صورت میں عام طور پر اشیاء منقولہ کی بیع ہوتی ہے اور خریدنے والا سامان پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیتا ہے اور قبضہ سے پہلے بیع بالا تفاق ناجائز ہے، یہاں تخلیہ کا مفہوم بھی نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے کہ قبضہ یا تخلیہ کا مفہوم یہ ہے کہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے اور مشتری کے لئے بلا کسی رکاوٹ کے اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، ظاہر ہے اس بیع میں قبضہ کا مفہوم نہیں پایا جارہا ہے، گویا انسان جس چیز کا مالک نہیں ہے اور جس چیز کے تسلیم و تسلم پر اس کو قدرت نہیں ہے اس کی بیع کر رہا ہے

۴ بروکر کمپنی ممبر سے کمیشن وصول کرتی ہے وہ یا تو ضمانت کی فیس ہے یا رقم کا معاوضہ ہے جو خریدار کی طرف سے بیچنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ اجرت علی الکفالہ ہے اور کفالت پر اجرت ناجائز، ولا یجوز أخذ الأجر علی الکفالۃ لأنہا من عقود التبرعات اور دوسری صورت میں یہ قرض پر نفع حاصل کرنا ہے جو کہ سود ہے اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔

۵ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فوریکس ٹریڈنگ کو ناجائز قرار دیا ہے اور عدم جواز کی مختلف وجوہات میں ایک وجہ جوا اور سٹہ بھی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اس کاروبار میں جب کوئی لاٹ خریدی جاتی ہے تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ خریدار آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے تو اس وقت اگر اسے نفع ہو تو صرف نفع واپس کر دیا جاتا ہے اور اگر نقصان ہو تو اس سے وہ نقصان طلب کر لیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی، بلکہ کاغذی طور پر اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جاتی ہے اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کر دیا جاتا ہے جو سٹے کی ایک قسم ہے۔

اس کاروبار میں زیادہ تر کرنسی کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور یہاں خریدار جو کرنسی خریدتا ہے وہ غیر معین کرنسی ہوتی ہے، کیوں کہ کرنسی میں تعیین قبضہ سے ہوتی ہے اور قبضہ یہاں متحقق نہیں ہے

٦ کاغذی کرنسی کو علماء عرب نے سونے چاندی کے حکم میں رکھا ہے اس کاروبار میں زیادہ تر کرنسی اور سونے چاندی کی بیع ہوتی ہے، ایسی صورت میں یہ بیع صرف ہے جس میں عوضین پر قبضہ ضروری ہے، جب کہ یہاں یہ صورت مفقود ہے اور بر صغیر کے علماء کے نزدیک یہ اگرچہ سونا چاندی کے حکم میں نہیں ہے، لیکن عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ ضروری ہے، جب کہ یہاں قبضہ کا تحقق بالکل مفقود ہے، اس لئے کہ یہاں کاروبار صرف کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی اسکرین پر ہوتا ہے۔

مفتی امانت علی قاسمی استاذ دار العلوم حیدر آباد

سبق نمبر6

لین دین کا اسلامی طریقہ

قرض کے فضائل اور مسائل دونوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں قرض دہندہ اور قرض خواہ دونوں قرض کے شرعی احکام سے واقف ہو جائیں اور اس کا اہتمام کریں تو قرض کے مسائل سے بچتے ہوئے اس کے جائز فوائد سمیٹے جاسکتے ہیں۔ اگر قرض لینے والا اور دینے والا اسلام کی فراہم کردہ تعلیمات کو مد نظر رکھیں تو یہ ضرورت کا معاملہ بہت بہتر انداز میں ہو سکتا ہے۔

آیئے! ہم ذرا قرض کے فضائل اور مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ہم چاہے قرض دینے والے ہوں یا لینے والے...ایک مسلمان والا رویہ اختیار کر سکیں۔

قرض کب لیا جاسکتا ہے؟

پہلا سوال تو یہ ہے کہ قرض کب لیں؟

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت قرض کی دونوں پارٹیوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ ایسے احکامات شریعت ہمیں دیتی ہے جن سے قرض لینے والا بھی قرض لینے کا عادی نہ ہو۔ ضرورت کے وقت ہی وہ قرض لے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرض دینے والے کا قرض ضائع نہ ہو، لہذا قرض لینا اس صورت میں درست ہو گا جب قرض لینے والا درج ذیل تین باتوں کا خیال رکھے :

1 قرض لینے کا معقول اور جائز سبب ہو

پہلی بات تو یہ مد نظر رہے کہ قرض لینا شریعت کی نظر میں اچھا نہیں ہے، جب تک بغیر قرض کے گزارا ہو سکتا ہو، شریعت قرض لینے کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ جب کوئی معقول اور جائز ضرورت بغیر قرض کے پوری نہ ہو رہی ہو تو پھر قرض لینے کی اجازت ہے۔ اس اصول پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں، آج ہم اچھی کوٹھی، اچھی گاڑی کے لیے، وہ بھی صرف دوسروں کو نیچا دکھانے کی خاطر، قرض لے رہے ہوتے ہیں۔ کیا یہ ایک معقول وجہ ہے قرض لینے کی؟ شادی بیاہ کے موقع پر شریعت ہمیں سادگی کی تعلیم دیتی ہے، حدیث میں اس نکاح کو سب سے زیادہ بابرکت قرار دیا گیا ہے جس میں کم سے کم خرچہ ہو۔ دوسری جانب ہم اپنی شادی بیاہ کی تقریبات کو دیکھیں۔ اکثر لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں، بھائی شادی زندگی میں ایک بار ہوتی ہے، دھوم دھام سے ہونی چاہیے اور اس دھوم دھام کے پیچھے قرض لیا جارہا ہے، سوچیں! کیا یہ معقول وجہ ہے؟ ہر گز نہیں! اللہ کے لیے

ہم اپنے اوپر رحم کریں۔ شادی میں دکھاوا کرنا حرام ہے، اس کے لیے قرض لینا کسی صورت جائز نہیں ہو سکتا۔ ہم بغیر قرض لیے سادگی کے ساتھ کی گئی شادیوں کو رواج دیں۔

2 ادائیگی کی سچی نیت

دوسری اہم تعلیم قرض لینے والے کے لیے یہ ہے کہ اس کی قرض کی واپسی کی سچی نیت بھی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیسے ہڑپ کرنے کی نیت ہو۔ حدیث میں اس شخص کے لیے بد دعا آئی ہے کہ جو لوگوں سے مال ہڑپ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہو اللہ تعالی اسے برباد کرے۔ اس اصول پر بھی ہم غور کریں، جب قرض لے رہے ہیں تو دل میں کیا نیت ہے۔ اللہ تعالی دلوں کے حال سے واقف ہے، لہذا اگر قرض لینے کی ضرورت پڑے تو دینے کی نیت بھی ہو۔

3 مستقبل میں ادائیگی کے امکانات

تیسری بات قرض لینے والے کے لیے یہ ہے کہ اس کے لیے مستقبل میں ادائیگی کے امکانات بھی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ذریعہ معاش کوئی ہے نہیں، لیکن قرض دینے والے کو جھوٹا آسرا دے دے۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں۔ قرض لینا اسی وقت درست ہو گا جب ادائیگی کا بظاہر امکان ہو، ورنہ قرض دینے والے کو صاف کہہ دے کہ یہ حالت ہے۔

4 قرض دینے کی فضیلت

ایک طرف شریعت قرض لینے والے کو محتاط کرتی ہے کہ صرف بوقت ضرورت ہی قرض کی طرف دیکھا جائے۔ دوسری جانب دین نے یہ ترغیب دی ہے کہ ضرورت کے وقت مالدار کو قرض دینے میں کنجوسی سے بھی کام نہیں لینا چاہیے۔ شریعت نے قرض دینے کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں۔ چند یہ ہیں :

1 قرض دینا آدھے صدقے کے برابر ہے۔

2 دو دفعہ قرض دینا ایسا ہے جیسے اس رقم کو صدقہ کر دیا۔

3 صدقے کا اجر 10 گنا اور قرض کا 18 گنا ہے۔

4 قرض دینے والے کو وقتِ ادائیگی تک روزانہ اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب دیا جاتا رہتا ہے۔

5 وقت آجانے کے بعد غریب کو مہلت دینے پر ہر دن دو گنا صدقہ کرنے کا اجر ملے گا۔

یہ تمام باتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ ان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینا ایک نیک عمل ہے، جس پر اللہ تعالی کی طرف سے قرض دینے والے کے لیے دنیاو آخرت کی سہولت اور صدقہ سے زیادہ اجر وثواب عطافرمانے کا وعدہ ہے۔

5 شریعت قرض ضائع کرنا نہیں چاہتی

قرض دینے کے فضائل کے ساتھ ساتھ شریعت نے قرض کی واپسی کے لیے بھی ایسی تعلیمات دی ہیں جن سے قرض کی واپسی یقینی ہو سکے۔ ایک طرف شریعت نے قرض لینے والے کو بھی ایسی ہدایات دی ہیں جن سے وہ قرض کی ادائیگی کی فکر کرے۔ یوں قرض دینے والے کا حق ضائع نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ قرض دیتے وقت ہی کچھ اقدامات کیے جاسکتے ہیں جن سے قرض دینے والے کا حق محفوظ ہو جائے۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

قرض کے معاملے کے آداب

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 282 جو کہ قرآن کریم کی طویل ترین آیت ہے، اس کا نام مفسرین نے ”آیت مداینہ“”یعنی قرض والی آیت مبارکہ“ رکھاہے، اللہ تعالی نے قرض کے آداب میں نازل فرمائی ہے، جس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں :

1 تحریری معاہدہ

ایک حکم تو اللہ تعالی کی طرف سے یہ ہے کہ جب کوئی قرض کا معاملہ ہو تو اسے لکھ لیا جائے۔ صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہ کیا جائے۔

2 ادائیگی کی تاریخ کا تعین

دوسری بات یہ کہ قرض دیتے وقت ہی قرض کی ادائیگی کی تاریخ بھی متعین کر لی جائے تا کہ قرض لینے والا بھی اس وقت تک قرض کی ادائیگی کی فکر کرے اور دینے والا بھی اس تاریخ سے پہلے مقروض کو تنگ نہ کرے۔

3 گواہ بنانا

تیسرا ادب اس آیت میں یہ سکھایا گیاہے کہ قرض پر گواہ بھی بنالیے جائیں۔ ان گواہوں کا فائدہ اس وقت ہو گا جب ان کا کسی بات میں اختلاف ہو جائے، معاملہ کورٹ میں چلا جائے۔ تو یہ گواہ حق دار کو حق دلانے میں کردار ادا کریں گے۔

قرض کی وصولی یقینی بنانے کے لیے اقدامات

ا

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسے مختلف اقدامات کیے جاسکتے ہیں جن سے قرض کی وصولی یقینی بن سکے۔ وہ اقدامات یہ ہیں :

1 ضامن لے لینا

شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے ضامن کا مطالبہ کرے۔ یہ ضامن قرض لینے والے کی ذمہ داری لے گا کہ یہ وقت پر قرض ادا کر دے گا۔ اگر یہ وقت پر قرض ادا نہ کر سکے تو قرض دینے والا ضامن سے قرض کا مطالبہ کرے گا۔ اس طرح اس کا قرض ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

2 قرض کا حوالے کر دینا .

ایک صورت قرض کو محفوظ کرنے کی یہ ہے کہ قرض کو حوالے کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہو گی کہ قرض دینے والا کہتا ہے کہ تم تو قرض کی ادائیگی میں بہت سست ہو، اگر تم کسی اور کو یہ قرض حوالے کر دو کہ میں یہ قرض تمہارے بجائے اس سے لے لوں، تم اور وہ خود حساب کر لینا۔ اس صورت میں قرض دینے والا اس تیسرے شخص سے ہی قرض وصول کرلے گا۔ اس طرح اس کا قرض محفوظ ہو جائے گا۔ اس کی ایک اور صورت جو ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب قسطوں پر خریداری کی جارہی ہوتی ہے تو عموماً کہا جاتا ہے کہ آپ مستقبل کی تاریخوں کے چیک دے دیں۔ یہ درحقیقت حوالہ ہی ہے کہ آپ کا قرض بینک ادا کر دے گا۔ آپ کا اور بینک کا حساب الگ ہے۔

3 رہن رکھ لینا

رہن رکھ لینے کی اجازت بھی سورۃ البقرہ کی ''آیت مداینہ'' میں آئی ہے کہ قرض دینے والا، رہن کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے کہ تم کوئی چیز میرے پاس رکھواؤ، جب تک کہ تم قرض ادا نہیں کر دوگے یہ چیز میرے پاس رکھی رہے گی۔ قرض کی وصولی یقینی کیسے بنائیں؟

اگر ان اقدامات کے باوجود بھی قرض کی وصولی نہیں ہوئی تو اسلامی تعلیمات سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ :

1 قرض دینے والا عدالت سے رجوع کر سکتا ہے، جس پر عدالت اس شخص کو قید میں ڈال سکتی ہے۔

2 عدالت ایسے شخص کے سفر پر پابندی لگا سکتی ہے۔

3 عدالت قرض کی ادائیگی کے لیے ایسے شخص کا مال نیلام کر سکتی ہے۔

4اس کے رہن میں رکھوایا ہوا مال فروخت کیا جاسکتا ہے۔

5اگر قرض لینے والا شخص مر جائے تو اس کی وصیت کو پورا کرنے اور میراث کی تقسیم سے پہلے، قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔

قرض کے ضائع ہونے کی صورت ادائیگی

قرض کے ضائع ہونے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ لینے والا غریب ہو گیا۔ اب کیا کرے؟ شریعت اس مرحلے پر پہنچ کر بھی قرض دینے والے کا حق ضائع نہیں ہونے دیتی، چنانچہ درج ذیل احکامات اس شخص کے لیے ہیں جس پر قرض ہوں اور وہ غریب ہو گیا ہو :

1زکوٰۃ سے قرض کی ادائیگی

سورۃ التوبہ میں زکوۃ کے مصارف دیکھیں۔ اس میں جہاں فقیر، مسکین ہے وہیں "غارم" کا لفظ بھی موجود ہے۔ جس کا مطلب ہے، مقروض۔ وہ شخص جو قرضوں کے بوجھ تلے دب گیا ہو۔ ایسے شخص کی مدد زکوٰۃ کے مال سے کی جاسکتی ہے۔

2مانگ کر قرض ادا کرے

عام حالت میں سوال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن ایسے شخص کے لیے سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایسا شخص مانگ کر قرض کی ادائیگی کا بندوبست کر سکتا ہے۔

3حکومت ادا کرے

سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو یہ بات کئی مواقع پر نظر آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیا، جو کہ ایک حاکم ہونے کی حیثیت سے تھا۔ لہذا مقروض مفلس مر گیا اور اس کا قرض ادا کرنے والا کوئی نہیں ہے تو حکومت اس کا قرض ادا کرے گی۔

4عزیز و اقارب ادا کریں

میت پر قرض ہے۔ اس کا ترکہ کم تھا۔ تو مختلف مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے عزیز و اقارب کو ترغیب فرمائی کہ اس کا قرض ادا کریں۔ کیونکہ اگر یہ قرض ادا نہیں ہو سکا تو کل قیامت کے دن نیکیوں کی صورت میں ادا کرنا پڑے گا۔ اگرچہ

یہ ترغیبی حکم ہے لیکن اپنے عزیز سے بھلائی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ اسے آخرت کے خسارے سے بچا کر دنیا میں ہی اس کا حساب برابر کر دیا جائے۔

قرض لینے والے کے لیے ہدایات

اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اول تو شریعت نے قرض لینے کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ پھر اگر قرض لے لیا ہے تو وقت مقررہ پر اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنے پر زور دیا ہے۔

قرض واپس کرنے کے فضائل

اگر کوئی ضرورت کے موقع پر قرض لے، دینے کی نیت ہو تو احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ پاک ایسے شخص کی مدد فرماتے ہیں، چنانچہ مختلف احادیث میں درج ذیل باتیں ثابت ہیں :

1 ایک حدیث میں ہے کہ اگر بندہ اللہ کے بھروسے پر قرض لے۔ دینے کی نیت ہو تو اللہ پاک اس کا قرض ادا کروا دیتے ہیں۔

2 ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کی مدد ایسے شخص کے ساتھ ہوتی ہے۔

3 اللہ پاک اس کے لیے رزق کا بندوبست فرما دیتے ہیں۔

4 ایک حدیث میں ایسے لوگوں کو بہترین لوگ فرمایا ہے جو قرض کی ادائیگی میں بہترین ہیں۔

5 وہ لوگ جو ادائیگی میں اچھے ہوں ان سے اللہ تعالی محبت فرماتے ہیں۔

کتنی بڑی بات ہے کہ صرف قرض دینے کی نیت کی ہوئی ہے، اللہ کی مدد ساتھ ہے، اللہ پاک اس کے لیے روزی کا بندوبست فرما رہے ہیں، ایسے شخص کو بہترین لوگوں میں شمار کیا جا رہا ہے۔ اللہ کی محبت اسے نصیب ہو رہی ہے۔ کتنی بڑی بات ہے۔ تو ہم قرض کی ادائیگی کی تیاری کریں۔ جب وقت آجائے تو قرض کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اس کے لیے اسباب تلاش کریں۔ ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ قرض کی ادائیگی کے لیے احادیث میں منقول خاص خاص دعاؤں کا بھی اہتمام کریں۔ یہ بھی قرض کی ادائیگی کی تیاری ہی ہے۔ اس طرح ہم وہ تمام فضائل حاصل کر سکتے ہیں جن کا ذکر گزرا۔

قرض ادا نہ کرنا، ایک بڑا جرم

☆شریعت قرض کے ادانہ کرنے کوایک بڑاجرم شمار کرتی ہے۔علماکرام فرماتے ہیں کہ قرض کی ادائیگی واجب ہے۔ استطاعت کے باوجود قرض ادانہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ایسا شخص فاسق ہے۔عدالت میں ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسا شخص ظالم ہے۔

ایک حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص لوگوں کامال ہڑپ کرنے کی نیت سے قرض لیتاہے تواللہ پاک اس کامال ہلاک فرما دیتے ہیں۔

☆آخرت میں وبال

مختلف روایات میں قرض کی ادائیگی نہ کرنے کوبڑاگناہ فرمایاہے اور اس کے لیے سخت اخروی وعیدیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

1 ایسا شخص جب آخرت میں پیش کیاجائے گاتوچور کی صورت میں اللہ کے سامنے پیشی ہوگی۔

2 ایسے شخص کی نیکیوں سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔اور نیکیاں قرض دینے والے کودے دی جائیں گی۔اس طرح وہ خوداپنی نیکیوں سے محروم ہوجائے گا۔

3 اللہ پاک شہید کے تمام گناہوں کومعاف فرمادیتے ہیں، لیکن قرض شہید کا بھی معاف نہیں ہوتا۔

4 ایسے شخص کوجنت میں داخلے سے روک دیاجائے گا۔

قرض کے لین دین سے متعلق شریعت کی تعلیمات کاخلاصہ پیش کیاگیاہے۔مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے سامنے شرعی احکامات ہوں۔ہم نہ تو قرض دینے میں کنجوسی سے کام لیں کہ ایک ضرورت مند ہے،ہمارے پاس طاقت ہے مدد کرنے کی، پھر بھی نہ کریں۔دوسری جانب اگر ہم جائز مقصد کے لیے قرض لیں تواس کی ادائیگی کی بھی بھرپور فکر کریں۔اپنے قریبی رشتے داروں، دوستوں کی ان کے قرض اتارنے میں مدد کرتے رہیں۔ان میں سے جواس دنیا سے چلے گئے،ان کے قرضے کی ادائیگی کاسامان کرتے رہیں۔یادرکھیے! یہ کائنات اللہ تعالی کا کنبہ ہے، اللہ تعالی اس شخص کو پسند فرماتے ہیں جواس کے کنبہ کے ساتھ اچھارویہ رکھتاہے۔ہم اپنی معاشرت اور معاملات کوشریعت کے مطابق بنائیں۔ان شاء اللہ! اللہ پاک ہم سے راضی ہوجائیں گے اور بس اللہ کاراضی ہوجانا بہت بڑی چیز ہے۔اللہ پاک ہم سب سے راضی ہوجائے، آمین۔

الماخوز من۔شریعه اینڈ بزنس

سبق نمبر7

بیع مضاربہ کیا ہے؟

لغت کی رو سے مضاربت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنا مال کسی کو اس شرط پر تجارت کی غرض سے دے کہ نفع میں باہمی قرارداد کے مطابق دونوں شریک ہوں گے اور نقصان مال والا (صاحب مال) برداشت کرے گا۔

لفظ ''مضاربت'' مادہ ضرب سے نکلاہے جس کے معنی ''سفر'' کے ہیں کیونکہ کاروبار تجارت میں بالعموم سفر کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

وإذا ضربتم في الارض
اور جب تم زمین پر سفر کرو۔

اس کو قراض اور مقارضہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرض سے مشتق ہے جس کے معنی جدا کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مالک اپنے مال کا ایک حصہ الگ کر دیتا ہے تا کہ نفع کے ایک حصہ کے عوض اس سے کاروبار کیا جائے۔

اصطلاحی معنیٰ: فقہاء کے نزدیک مضاربت دو فریق کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے دے گا کہ وہ نفع میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ اس مال کو تجارت (یا کاروبار) میں لگائے۔

تعریف : دو یا زائد افراد کے درمیان ایسا معاملہ جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور فریق ثانی اس سرمائے سے اس معاہدے کے تحت کاروبار کرتا ہے کہ اسے کاروبار کے منافع میں سے ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا۔

مضاربت کی مختلف صورتیں

پہلی صورت

دو افراد معاہدہ مضاربت کریں۔ ایک رب المال اور دوسرا مضارب۔

دوسری صورت

دو سے زیادہ افراد مضاربت کریں اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(الف) پہلی صورت

ایک سے زائد افراد (رب المال) سرمایہ فراہم کریں اور ایک سے زائد افراد (مضارب) اس سرمایہ پر محنت کریں۔

(ب) دوسری صورت

سرمایہ ایک فرد (رب المال) فراہم کرے اور ایک سے زائد افراد (مضارب) اس سے کاروبار کریں۔

(ج) تیسری صورت

سرمایہ چند افراد مل کر فراہم کریں اور محنت ایک فرد کرے۔

مضاربت کی مندرجہ بالا تمام صورتیں جائز ہیں۔

مضاربت کے بارے میں احادیث

1. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی وہ مثل قیدی کے ہے لہٰذا اے اللہ کے بندو! اسکے ساتھ مضاربت کرو اسے قرض دو۔ (المبسوط)

2. حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مخصوص شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ (المبسوط)

3. کلیم بن خرام رضی اللہ عنہ اپنی شرائط کیساتھ مضاربت کرتے تھے۔ (المبسوط)

4. ابو نعیم راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کو مضاربت کے طور پر حاصل کر کے شام میں تجارت کی۔ (المبسوط)

5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ مضاربت میں برکت ہے۔ (ابو دائود)

6. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مضاربت کیا کرتے تھے۔ (التبرکات فی الفقہ الاسلامی)

7. ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے پاس لوگوں کو جمع شدہ سرمایہ مضاربت کے طور پر کاروبار کیلئے دیا کرتی تھیں۔ (التبرکات فی الفقہ الاسلامی)

8. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی زید بن خلیدہ کے ساتھ مضاربت کی۔ (المبسوط)

9. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے بھی مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے رقم دی۔ (المبسوط)

10. آپ یتیموں کا مال مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دیتے تھے تاکہ اس میں اضافہ ہو۔ (المبسوط)

مضاربت کے احکام

1. مضارب کو مال حوالہ کرنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے تک اس مال کی حیثیت امانت کی ہے اور امانت کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور جب رب المال اس رقم کو واپس مانگے تو اس کی واپسی بھی مضارب کی ذمہ داری ہے۔ مال ضائع ہو جانے کی صورت میں مضارب پر جرمانہ نہیں ہو گا۔

2. کاروبار شروع ہو جانے کے بعد مضارب کی حیثیت رب المال کے وکیل (نمائندہ) کی ہو جاتی ہے۔

3. کاروبار میں منافع ہونے کی صورت میں مضارب کی حیثیت مالیاتی معاہدہ کے شریک کی ہو جاتی ہے اور ہر شریک کاروبار کو معینہ اور طے شدہ نسبت سے منافع کی تقسیم کی جائے گی۔

4. اگر کسی وجہ سے معاہدہ مضاربت منسوخ ہو جائے تو اس صورت میں یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ معاہدہ روزگار کی شکل اختیار کرے گا اور مضارب کی حیثیت ملازم کی ہو جائے گی۔ نفع یا نقصان رب المال کا ہو گا جبکہ مضارب کو اسکی اجرت ملے گی۔

5. اگر مضارب، معاہدہ مضاربت کی شرائط میں سے کسی شرط کو تسلیم نہ کرے تو اس کی حیثیت غاصب کی ہو گی اور اس پر اصل سرمایہ کی واپسی کی ذمہ داری ہو گی۔

6. اگر معاہدہ مضاربت کی ایک شرط یہ ہو کر سارا کا سارا منافع مضاربت کو ملے گا تو یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ مضارب کی حیثیت مقروض کی ہو گی اور یہ معاملہ قرض کا معاملہ ہو گا۔ نفع و نقصان کی ذمہ داری اس کی اپنی ہو گی اور سرمایہ کے ضیاع کی صورت میں سرمایہ کی رب المال کو واپسی اس کی ذمہ داری ہو گی۔

7. اگر شرط یہ ہو کہ سارا کا سارا منافع مالک کا ہو گا تو یہ معاملہ عقد البضاعۃ کا ہو گا۔ مصاربہ نہ ہو گا، مضارب ملازم ہو جائے گا۔

مضاربت کے ارکان: مضاربت کے دو ارکان ہیں۔

1. ایجاب
2. قبول

ارکان کے لئے الفاظ کی ضرورت ہے جو جانبین کے معاہدہ مضاربت پر رضامندی کو ظاہر کریں۔ مثلاً ایک فریق کہتا ہے یہ مال (سرمایہ) لو اور اس سے "مضاربت" یا "مقارضہ" یا "معاملہ" کرو۔ یا یہ مال مضاربت کے لئے لو۔ اس پر جو منافع ہو گا، وہ ہم نصف

نصف یا دو تہائی اور ایک تہائی کے حساب سے تقسیم کرلیں گے اور جواب میں مضارب کہے کہ میں نے یہ سرمایہ حاصل کیا یا ”میں اس معاہدہ پر راضی ہوں“ یا ”میں نے قبول کیا“۔

مضاربت کی شرائط

معاہدہ مضاربت کی درج ذیل شرائط ہیں۔

1. راس المال (یعنی سرمایہ) نقدی یا زر یا سونے چاندی کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ باقی مال تجارت (عروض التجارۃ) کے ساتھ مضاربت جائز نہیں ہے۔ نقدی ہونا ضروری ہے کیونکہ مال تجارت کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جس کی وجہ سے قدر سرمایہ اور منافع کی مقدار بھی تبدیل ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کپاس یا کپڑا ایک ہزار روپے کا ہے۔ یہ لو اور مضاربت کی بنا پر اس کو بیچو تو معاملہ درست نہیں ہے۔ البتہ اگر مضارب سے کہا جائے کہ یہ مال تجارت لو اور اس سے جو سرمایہ حاصل ہو۔ اسکے ساتھ مضاربت کرو تو حنفی اور حنبلی فقہ کے مطابق جائز ہے جبکہ حنبلی مکتبہ فکر کے مطابق مشینری اور اوزاروں کی صورت میں سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ شکست وریخت کے اخراجات رب المال کے ذمہ ہوں۔

2. معاہدہ مضاربت کے وقت راس المال (سرمایہ) معلوم ہونا ضروری ہے تا کہ کسی قسم کا تنازعہ پیدا نہ ہو سکے۔

3. معاہدہ مضاربت کے موقع پر رب المال کے پاس سرمایہ کی موجودگی ضروری ہے۔ مضارب پر اگر قرض ہو تو اس کی بنیاد پر معاہدہ مضاربت نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مضارب کو کسی اور شخص سے قرض وصول کرنے اور اس کے بعد کاروبار شروع کرنے کے لئے کہا جائے۔ اس صورت میں مضارب رب المال کا نمائندہ ہو گا۔

4. معاہدہ کے وقت سرمایہ مضارب کے حوالے کیا جائے تا کہ وہ اسی پر تصرف کر سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رب المال مضارب کے ساتھ کاروبار میں حصہ لے گا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا۔

5. متوقع منافع میں سے مضارب کا حصہ (شرح یا فیصد) معلوم ہونا چاہیئے۔ مثلاً نصف یا تیسرا حصہ وغیرہ۔ اگرہ یہ کہا جائے کہ اس سرمایہ سے کاروبار کرو، منافع میں سے تمہیں دو ہزار یا (کم و بیش) رقم ملے گی تو مضاربت کا معاملہ منسوخ ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ نصف اور اسکے علاوہ ایک ہزار روپے تو یہ صورت بھی درست نہیں۔

6. مضارب کا حصہ منافع میں سے طے کیا جائے گا۔ راس المال (سرمایہ) میں سے نہیں۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ نصف مال تمہارا اور منافع میں سے بھی اتنا اور اتنا حصہ یہ درست نہیں۔ اسی طرح یہ شرط بھی درست نہیں کہ مضارب کو نصف یا تیسرا حصہ

منافع کے علاوہ ماہانہ تنخواہ بھی ملے گی۔ یہ شرط باطل ہے جبکہ معاہدہ درست ہے۔ مضارب صرف منافع میں سے حصہ کا مالک ہے لیکن اگر شرط یہ ہو کہ مضارب کو رہنے کو مکان یا زراعت کے لئے زمین بھی دی جائے گی تو معاہدہ فاسد ہو گا۔

7. اگر مضارب کے پاس رب المال کا مال یا مالی ذرائع بطور رہن موجود ہوں اور رب المال نے مضارب سے قرض لے رکھا ہو تو ایسے سرمایہ پر مضارب درست نہیں ہے۔

مضارب کے حقوق و فرائض

1. مضارب کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاہدہ کی تمام شقوں اور شرائط کی پابندی کرے۔
2. مضارب کی دوسرے شخص کے ساتھ بھی مضاربت کا معاملہ کر سکتا ہے اور یہ کہ اس کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔
3. کوئی تیسرا شخص مضارب کی بلا معاوضہ مدد کر سکتا ہے تا کہ وہ کاروبار کو بہتر طور پر چلا سکے۔
4. اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ رب المال' مضارب کے ساتھ کاروبار میں عملی حصہ نہیں لے سکتا کیونکہ اس سے مضارب کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں جبکہ شافعی مکتبہ فکر کے کچھ علماء اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ رب المال' مضاربت میں عملی حصہ بھی لے سکتا ہے۔ دور جدید کے بڑے پیمانے کے کاروبار جن میں فیصلوں کا اختیار فرد واحد کی بجائے بالعموم ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کے پاس ہوتا ہے۔رب المال کا مضاربت کے کاروبار میں عملی شرکت کرنا جائز ہے۔
5. معاہدہ مضاربت میں ضارب کی طرف سے راس المال (سرمایہ) کی بحفاظت واپسی کی ضمانت دینے سے مضاربت کا معاہدہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ البتہ مضارب کی طرف سے پوری ذمہ داری سے کام کرنے کی ضمانت لی جا سکتی ہے۔
6. مضارب کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کاروباری خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ اشیاء وغیرہ کو اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ کسی فرد کے ساتھ رہن (قرض یا ادھار دیتے ہوئے ضمانت کے طور پر کوئی چیز رکھنا) کا معاملہ کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے فرد کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کر سکتا ہے۔ الا یہ کہ اس کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے۔
7. مضارب کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ رب المال کا سرمایہ کسی دوسرے شخص کو قرض دیدے یا کسی کو مفت دے۔ البتہ رب المال کی اجازت سے قرض دے سکتا ہے۔
8. مضاربت کے معاہدہ میں رب المال کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمائے کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ الا یہ کہ اس نے مضارب کو قرض لینے یا ادھار خریدنے کی اجازت دی ہو۔

9. مضارب کاروبار میں ادھار فروخت کا اختیار رکھتا ہے۔ الا یہ کہ اس کو صاحب سرمایہ روک دے۔

معاہدہ مضاربت کی مدت

1. مالک سرمایہ یا مضارب دونوں میں سے کوئی ایک فریق یا دونوں معاہدہ کو کسی وقت بھی منسوخ کر سکتے ہیں۔ اگر معاہدہ میں دو سے زائد افراد ہیں تو ان میں معاہدہ بر قرار رکھا جا سکتا ہے۔

2. مضاربت کا معاہدہ ایک خاص عرصہ وقت کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے اور لامحدود مدت کے لئے بھی۔

3. معاہدہ مضاربت کسی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے البتہ دو سے زائد افراد کی صورت میں معاہدہ کو باقی فریق جاری رکھ سکتے ہیں۔

4. معاہدہ مضاربت پہلے سے طے شدہ شرائط پر مسلسل جاری رکھا جا سکتا ہے۔ مثلا مضاربت کا معاملہ ایک معین عرصہ کے لئے کیا گیا۔ اور جو کام شروع کیا گیا وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی ختم ہو گیا اس صورت میں مضاربت سرمایہ کو بقیہ عرصہ کے لئے دوسرے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں نفع ونقصان کے حوالے سے کچھ اختلاف رائے ہے۔

نفع ونقصان کے احکام

1. شراکت کے معاملہ میں نقصان کاروبار میں لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے سرمایہ کے مالکوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے چونکہ مضاربت میں سرمایہ ایک فریق لگاتا ہے اس لئے نقصان کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے یعنی کاروبار میں جو بھی ہو گا وہ رب المال کو پورا کرنا ہو گا۔

2. نفع کی تقسیم معاہدہ مضاربت میں طے شدہ نسبتوں سے ہو گی کسی بھی فریق کے لئے کوئی متعین رقسم پیشگی طے نہیں کی جا سکتی۔

3. حنفی فقہ کے مطابق راس المال رب المال کے حوالے کرنے سے پہلے نفع کی تقسیم درست نہیں۔

4. مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ کاروبار ختم کر کے حساب صاف کر لئے جائیں۔

5. فریقین کے نفع ونقصان کی مقداروں کا تعین کاروبار ختم ہونے پر ہی کی جائے گی۔

6. کاروبار میں نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے جب اصول سرمایہ رب المال کو واپس مل جائے خواہ اپنے سرمایہ پر اس کا قبضہ عملاً ہو یا قانوناً مثلاً اگر ایک فرد کی بنک کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے تو اس معاہدے کے اختتام اور نفع کی تقسیم کے لئے یہ کافی ہو گا کہ اصول سرمایہ اس فرد کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے یہ قانونی قبضہ ہے۔

7. نفع سرمایہ میں اضافہ کا باعث ہو گا حقیقی منافع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت کا ازالہ ضروری ہے۔

8. کاروبار میں کسی قسم کے اختیارات کا حصول یا مختلف تصرفات اور معاہدات کی اجازت یا کسی قسم کی پابندیاں باہمی رضامندی سے عائد کی جاسکتی ہیں

شرکت و مضاربت کا کاروبار اور اسلامی اصول

فی زمانہ شرکت کا کاروبار ہی مقبول عام ہو رہا ہے لیکن اس کاروبار میں کن اصولوں کا پاس و لحاظ رکھنا چاہئے پیش ہے بین الاقوامی معیشت کی خصوصی تحریر

مضاربت ایک قسم کی تجارتی شرکت ہے جس میں ایک جانب سے سرمایہ اور دوسری جانب سے محنت ہو اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا نیز سرمایہ فراہم کرنے والے اور محنت کرنے والے متعدد افراد ہو سکتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال کہتے ہیں اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی لوگوں کے ہاں مضاربت جاری رہی در اصل یہ معاملہ عہد جاہلیت میں جانا پہچانا تھا۔ اس وقت قراض کے نام سے موسوم تھا۔ قریش چونکہ تجارت پیشہ تھے اور ان کا اس کے علاوہ

کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ وہ اپنا مال مضاربت پر ان لوگوں کو دے دیا کرتے تھے جو منافع میں ایک مقررہ حصہ پر تجارت کرتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو اسلام میں جاری رکھا اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اس میں۔

کوئی اختلاف نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا مال بھی قراض کی صورت میں لے کر بیرون ملک تشریف لے گئے تھے۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرید و فروخت فرمایا کرتے تھے آپ کی خرید وفروخت اکثر ہوا کرتی تھی۔ آپ بطور آجر اور بطور مستاجر رہے۔ مضاربت اور شراکت میں حصہ لیا وکیل اور توکیل کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادے عبد اللہ اور عبید اللہ ایک لشکر میں عراق کی جانب گئے۔ واپسی میں ابو موسیٰ اشعری کے پاس گئے تو انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی کے بعد کچھ مال ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ عراق جاکر اس مال سے کچھ سامان اور چیزیں خرید لینا اور اس کے بعد مدینہ جاکر فروخت کر دینا اور اصل مال امیر المومنین کے حوالہ کر دینا۔ منافع تم رکھ لینا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے سامان فروخت کرنے کے بعد منافع اپنے پاس رکھ لیا اور راس المال عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کرنا چاہا، عمر رضی اللہ عنہ کو اس تمام معاملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تمام لشکر کو تمہاری طرح مال دیا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یا امیر المومنین۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم امیر المومنین کے بیٹے تھے اس لیے تمہیں مال دیا گیا۔ آپ نے تمام مال اور اس کے منافع ادا کرنے کا حکم دیا۔ تو عبد اللہ نے تو تعمیل کی لیکن عبید اللہ نے عرض کیا امیر المومنین ایسا کرنا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اگر مال ہلاک ہو جاتا یا اس میں کوئی نقص پڑ جاتا تو ہم اس کے ضامن تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو عبد اللہ خاموش ہی رہے لیکن عبید اللہ اپنا موقف دہراتے رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ایک شریک مجلس نے کہا کہ آپ اسے مضاربت اور قراض کی صورت کیوں نہیں دے لیتے۔ تو آپ نے اس پر آمادگی ظاہر کی جس کے نتیجہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے اصل سرمایہ کے علاوہ آدھا نفع وصول کرنے کے بعد بقیہ نفع عبد اللہ وعبید اللہ کے حوالے کر دیا۔

مبادلہ کی وہ صورتیں جن میں ذخیرہ اندوزی واجارہ داری وغیرہ قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

اب ہم چند ایسی تجارتی اور لین دین کی شکلوں کو بیان کر رہے ہیں جن کو آپ ﷺ نے ممنوع قرار دیا ہے۔ کچھ لوگ شہر سے کئی میل کے فاصلہ پر تجارتی قافلہ سے ملاقات کرتے اور اس سے سستے دام مال خرید کر شہر میں مہنگے دام فروخت کرتے تھے اس کو "تلقی جلب" کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاتلقوا الرکبان لبیع۔ "خریداری کرنے کے لئے قافلوں سے

نہ ملاقات کرو۔ دوسری جگہ ہے۔غلہ لانے والے تاجروں سے نہ ملاقات کرو۔ اگر کسی نے (شہر آنے سے پہلے) ان سے مل کر غلہ خرید لیااور شہر آنے کے بعد بازار کے بھائو کا پتہ چلا تو مہنگا ہونے کی صورت میں ان کو اختیار ہے چاہے تو معاملہ باقی رکھیں اور چاہے تو فسخ کر دیں۔ (۲) کچھ لوگ گویا بازار کی سول ایجنسی لے لیتے یعنی تاجروں کے ایجنٹ (دلال) بن کر یہ طے کر لیتے کہ بازار میں باہر سے جو مال آئے گا وہ انہیں کے توسط سے فروخت ہو گا اس کو "بیع الحاضر لباد" کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایبیع حاضر لباد۔ شہر (بازار) کا آدمی دیہات (باہر) کے تاجر سے بیع کا معاملہ نہ کرے۔ دوسری جگہ ہے۔ لایبیع حاضر لباد دعوالناس یرزق اللہ بعضہم ببعض۔ شہر (بازار) کا آدمی دیہات (باہر) کے تاجر سے بیع کا معاملہ نہ کرے لوگوں کو چھوڑو۔ اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ روزی پہنچاتا ہے۔

طاوس (راوی) یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: لایکون لہ سمساراً۔ شہر کا آدمی دیہات کے تاجر کا دلال نہ بنے۔ "بیع حاضر لباد" کی تعبیر دو طرح منقول ہے۔

1 پہلی یہ کہ بازار کا آدمی باہر کے تاجر سے (بحیثیت دلال) کہے کہ تم اپنا مال آج کے بھائو نہ فروخت کرو بلکہ میرے پاس رہنے دو تاکہ میں اس کو بھائو چڑھتے پر گراں قیمت پر فروخت کروں۔

2 دوسری یہ کہ بازار کا آدمی ضرورت کے باوجود اہل شہر کے ہاتھ غلہ نہ فروخت کرے بلکہ سادہ لوح دیہاتیوں کے ہاتھ گراں قیمت فروخت کرے۔

3 کچھ لوگ تجارتی قافلوں اور غلہ کے تاجروں سے رسد کا ذخیرہ خرید لیتے اور ضرورت کے باوجود روک کر جب اور جس دام چاہتے فروخت کرتے تھے اس کو "احتکار" کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احتکر فھو خاطی۔ جس نے احتکار کیا وہ گنہگار ہے۔ دوسری روایت میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولسم ان یحتکر الطعام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ میں احتکار کرنے سے منع فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ المحتکر ملعون۔ احتکار کرنے والا ملعون ہے۔ یہ ممانعت صرف غلہ کے لئے خاص نہیں بلکہ حالات کی رعایت سے تمام ان چیزوں کو شامل ہے جن کے احتکار سے عام لوگوں کو تکلیف ہو۔

ان صورتوں میں چونکہ اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی، طلب ورسد کے قدرتی تناسب میں خلل اندازی اور ناجائز استحصال وغیرہ قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں اس بنا پر ان سے منع کیا گیا ہے۔

خرید و فروخت کی چند اور ممنوع شکلیں:

1 کچھ لوگ دودھ دینے والے جانور کے تھنوں میں کئی وقت کا دودھ روک لیتے تا کہ تھنوں میں زیادہ دودھ دیکھ کر خریدار زیادہ قیمت لگائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ نہ روکو۔ دوسری حدیث میں ہے: "جس شخص نے وہ بکری خریدی جس کے تھن میں دودھ جمع کیا گیا تھا اس کو تین دن تک معاملہ باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

2 کچھ لوگ بھیگے ہوئے غلہ کو نیچے چھپا دیتے اور خشک غلہ کو اوپر کر کے کل کو خشک کے دام میں فروخت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس تشریف لے گئے جب آپ نے ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈالا تو اس میں تری محسوس کی، غلہ والے سے پوچھا یہ تری کیسی ہے۔ اس نے جواب دیا یا رسول اللہ بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ تم نے اس بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہیں رکھا۔ یاد رکھو جس شخص نے فریب کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

اس قسم کی صورتوں میں چونکہ دھوکہ، فریب، جہالت اور مستقبل کی سودا بازی وغیرہ جیسی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس بنا پر ان سے منع کر دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں عمومی حیثیت سے دھوکہ و فریب کی تمام شکلوں سے منع فرمایا: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ چند وہ صورتیں جن میں قمار اور احتمال سود کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱) دو معاملہ کرنے والے بغیر حقیقت معلوم کئے ایک دوسرے کے جس کپڑے یا سامان کو چھو دیتے اس کی بیع ہو جاتی تھی، اس کو "ملامسہ" کہتے ہیں۔

(۲) دو معاملہ کرنے والے ایک دوسرے کی جانب جس کپڑے یا سامان کو پھینک دیتے اس کی بیع ہو جاتی تھی، اس کو منابذہ کہتے ہیں۔

(۳) خریدار یا بیچنے والے کے جس کپڑے یا سامان پر کنکری رکھ دیتا اس کی بیع ہو جاتی تھی اس کو "بیع الحصاۃ" یا "القاء الحجر" کہتے ہیں۔

(۴) درخت پر لگے ہوئے تر پھلوں کو اندازے سے ٹوٹے ہوئے خشک پھلوں کے عوض بیچا جاتا تھا اس کو "مزابنہ" کہتے ہیں۔

(۵) کھڑی کھیتی (فصل) کو اندازہ سے کٹے ہوئے غلہ کے عوض فروخت کیا جاتا تھا اس کو "محاقلہ" کہتے ہیں۔

ان صورتوں میں چونکہ قمار (جوا) اور سود کا احتمال پایا جاتا ہے، اس بناء پر ان سے منع کیا گیا یعنی پہلی تین صورتوں میں ایک فریق نفع کی خاطر غیر ضروری خطرات مول لیتا اور بقیہ دو میں ایک جنس کا اندازہ اسی جنس سے کمی بیشی کا احتمال پیدا کرتا ہے بالخصوص جبکہ ترکا اندر خشک کے ساتھ ہو اور درخت پر لگے ہوئے کا اندازہ کٹے ہوئے کے ساتھ۔ ان صورتوں کی ممانعت سے متعلق حدیثیں: چنانچہ ان صورتوں کی ممانعت کے بارے میں حدیثیں یہ ہیں۔ نہی عن الملامسۃ والمنابذۃ فی البیع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں "ملامسہ" اور منابذہ" سے منع فرمایا۔ نہی عن بیع الحصاۃ۔ رسول اللہ نے کنکری پھینکنے کی بیع سے منع فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنۃ اور محاقلہ سے منع فرمایا۔

چند وہ صورتیں جن میں ضرر، دھوکہ جہالت وغیرہ کی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(۱) باغ کے پھل اور کھیت کی فصل کو تیار ہونے اور پکنے سے پہلے بیچ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصانا پہنچانا ہے۔

نہی عن بیع النخل حتی یزہو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویامن العاہۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ پک جائے اور بالی کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائے اور آفت کا خطرہ نہ رہے۔ بیع ہونے کے بعد پھل اور فصل برباد ہونے کی صورت میں عمر بن عبد العزیز سے خریدار کو نقصان کا معاوضہ دلانا بھی ثابت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصانا پہنچانا ہے۔ نہی عن بیع النخل حتی یزہو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویامن العاہۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ پک جائے اور بالی کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائے اور آفت کا خطرہ نہ رہے۔ بیع ہونے کے بعد پھل اور فصل برباد ہونے کی صورت میں عمر بن عبد العزیز سے خریدار کو نقصان کا معاوضہ دلانا بھی ثابت ہے۔ (۲) خریدی ہوئی چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جاتا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ۔ جس شخص نے غلہ خریدا وہ اس وقت تک نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ

کرے۔قبضہ عملاً یا قانوناً دونوں میں سے کوئی کافی ہے۔(۳)(بیع کے ایک معاملہ میں دو معاملے کئے جاتے تھے۔ چنانچہ بیچنے والا کہتا تھا کہ میں نے اس چیز کو نقد دس روپیہ میں بیچا اور ادھار بیس روپیہ کے عوض فروخت کیا یا میں نے اپنا باغ ایک ہزار میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنا مکان سو روپیہ کے عوض فروخت کرو۔ آپ کا ارشاد ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی صفقۃ واحدۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ میں دو بیع سے منع فرمایا۔(۴) بیع کے درمیان ایسی شرطوں کا اضافہ کیا جاتا جن کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ مثلاً خریدار کہتا کہ میں کپڑا اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم (بیچنے والا) اس کو کٹادو یا کٹا کر سلادو۔ آپ کا ارشاد ہے۔ ولا شرطان فی بیع۔ بیع میں دو شرط حلال نہیں ہیں۔ ایک شرط کا بھی یہی حال ہے، دو کی قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے۔ ان صورتوں میں چونکہ ایک فریق کو نقصان کا اندیشہ، دھوکہ دہی، قیمت میں تفاوت اور ایسی شرطوں کا اضافہ پایا جاتا ہے جن کا معاملہ بیع سے کوئی تعلق نہیں ہے اس بناء پر ان سے منع کیا گیا۔

چند وہ صورتیں جن میں جہالت، منازعت اور ناجائز استحصال وغیرہ کی خرابیاں پائی جاتی ہیں:

(ا) ادھار کی بیع ادھار کے بدلے کی جاتی تھی یعنی ایک شخص کوئی چیز ادھار خریدتا اور مدت معینہ پر وہ قیمت نہ ادا کر سکتا تو دوبارہ اسی چیز کو ادھار خرید لیتا تھا۔ اس کو بیع الکالی بالکالی" یا بیع النسیہ بالنسیہ" کہتے ہیں۔ اس صورت میں دونوں طرف صرف باتیں ہی باتیں ہوتی تھیں، بیع و ثمن دونوں نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکالی بالکالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے بدلہ ادھار کی بیع سے منع فرمایا۔

(۲) جو چیز پاس نہ ہوتی اس کی بیع ہوتی تھی پھر وہ چیز بازار سے خرید کر خریدنے والے کے حوالہ کی جاتی تھی۔ حدیث رسول ہے: نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع مالیس عندی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ میں وہ چیز بیچوں جو میرے پاس نہ ہو۔ ابو دائود و نسائی کی روایت میں ہے۔ قال قلت یا رسول اللہ یا تینی الرجل فیرید منی البیع ولیس عندی فابتاع لہ من السوق قال لا تبع مالیس عندک۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور وہ مجھ سے بیع کرنا چاہتا ہے حالانکہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا لیکن بیع کے بعد میں اس کے لئے بازار سے خرید کر لاتا ہوں، آپ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کی بیع مت کرو۔

(۳) ایک شخص کوئی چیز خرید تا اور بیچنے والے کو کچھ رقم اس شرط پر ادا کرتا کہ اگر بیع مکمل ہو گئی تو یہ رقم قیمت میں شمار ہو گی اور اگر مکمل نہ ہوئی تو یہ رقم بیچنے والے کی ہو جائے گی۔ اس کو "بیع عربان" کہتے ہیں۔

حدیث رسول ہے: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع عربان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔ ان صورتوں میں چونکہ جہالت، منازعت اور ناجائز استحصال وغیرہ قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں اس بناء پر ان سے منع کیا گیا۔

یک جائی طور پر مذکورہ صورتوں کی ممانعت کے وجوہ:

مبادلہ کی مذکورہ شکلوں کو جن وجوہات کی بنا پر منع کیا گیا ہے یکجائی طور پر ان کی فہرست یہ ہے۔ خود غرضی، اجتماعی مفاد کی قربانی، اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، اخلاقی اصول کی پائمالی، طلب ورسد کے قدرتی تناسب میں خلل اندازی، مستقبل کی سودا بازی، جہالت، نازعت، ناجائز استحصال، احتمالِ سود، باہمی تعاون کا فقدان اور غلط تشہیر و پروپیگنڈہ۔ یہ وجوہ قدیم وجدید شکلوں میں پائے جائیں گے ان کی ممانعت ہو گی: یہ وجوہات مبادلہ کی قدیم وجدید جن شکلوں میں پائے جائیںگے اسلام میں ان کی ممانعت ہو گی اگرچہ ان میں کچھ مادی فائدہ بھی ہو۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں نفع کے بالمقابل ضرر کے بجائے لفظ "اثم" کے استعمال سے واضح ہوتا ہے۔ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہا اکبر من نفعہما۔ وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ کلام عرب میں لفظ "اثم" کا استعمال اخلاقی وروحانی مفاسد کے لئے ہوتا ہے جبکہ "ضرر" مادی و جسمانی مضرات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں لین دین کے تمام معاملات کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سبق نمبر8

زکاۃ کا معنی و مفہوم:

زکاۃ کے لغوی معنی پاکی کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں "مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار" کو زکاۃ کہتے ہیں۔ (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکوٰۃ: ا/۹۹، درالکتب العلمیہ)

زکوٰۃ کو زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مال کے ساتھ مشغول ہوتا ہے، تو اس کا دل مال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، دل کے اس میلان کی وجہ سے مال کو مال کہا جاتا ہے، اور مال کے ساتھ اس مشغولیت کی وجہ سے انسان کئی روحانی و اخلاقی بیماریوں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مثلاً: مال کی بے جا محبت، حرص اور بخل وغیرہ۔ ان گناہوں سے حفاظت اور نفس و مال کی پاکی کے لیے زکوٰۃ و صدقات کو مقرر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ سے مال میں ظاہری یا معنوی بڑھوتری اور برکت بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے بھی زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ رکھا گیا۔

زکاۃ کی فرضیت:

زکاۃ اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اس کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، جن کا انکار کرنا کفر ہے، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہو جاتا ہے، جیسے نماز کا انکار کرنے والا شخص اسلام سے نکل جاتا ہے۔ زکاۃ کی فرضیت ہجرتِ مدینہ سے پہلے ہوئی جبکہ دوسری طرف بہت سی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی؛ چنانچہ اس بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھاہے کہ نفسِ فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہو گئی تھی؛ لیکن اس کے تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔

زکاۃ کے فوائد، ثمرات وبرکات:

زکاۃ اللہ رب العزت کی جانب سے جاری کردہ وجوبی حکم ہے، جس کا پورا کرنا ہر صاحب نصاب مسلم پر ضروری ہے، اس فریضہ کے سر انجام دینے پر انعامات کا ملنا سو فیصد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے؛ کیونکہ اس فریضے کی ادائیگی تو ہم پر لازم تھی، اس کے پورا کرنے پر شاباش ملنا اور پھر اس پر بھی مستزاد، انعام کا ملنا (اور پھر انعام، دنیوی بھی اور اُخروی بھی) تو ایک زائد چیز ہے، دوسرے لفظوں میں سمجھیے کہ مسلمان ہونے کے ناطے اس حکم کا پورا کرنا ہر حال میں لازم تھا، چاہے کوئی حوصلہ افزائی کرے یا نہ کرے، کوئی انعام دے یا نہ دے؛ لیکن اس کے باوجود کوئی اس پر انعام بھی دے تو پھر کیا کہنے! اور انعام بھی ایسے کہ جن کے ہم بہر صورت محتاج ہیں، ہماری

دنیوی واُخروی بہت بڑی ضرورت ان انعامات سے وابستہ ہے، ذیل میں چند انعامات کا صرف اشارہ نقل کیا جارہا ہے، تفصیلی مباحث، دیئے گئے حوالہ جات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

1 زکاۃ کی ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مال کو بڑھاتے ہیں۔(البقرۃ:۲۶۷، صحیح البخاري، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث:۱۴۱۰)

2 زکاۃ کی وجہ سے اجر وثواب سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔(البقرۃ:۱۶۱، تفسیر البیضاوی:البقرۃ:۲۶۱)

3 زکاۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، ہمیشہ باقی رہے گا۔(الفاطر:۲۹،۳۰)

4 اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے افراد (زکاۃ ادا کرنے والوں) کا مقدر بن جاتی ہے۔(الأعراف:۱۵۶)

5 کامیاب ہونے والوں کی جو صفات قرآنِ پاک میں گنوائی گئیں ہیں، ان میں ایک صفت زکوۃ کی ادائیگی بھی ہے۔(المؤمنین:۴)

6 زکاۃ ادا کرنا ایمان کی دلیل اور علامت ہے۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، رقم الحدیث:۲۸۰)

7 قبر میں زکاۃ (اپنے ادا کرنے والے کو)عذاب سے بچاتی ہے۔(المصنف لابن أبي شیبۃ،کتاب الجنائز، رقم الحدیث:۱۲۱۸۸،۷/ ۴۷۳، دار قرطبۃ، بیرو)

8 ایک حدیث شریف میں جنت کے داخلے کے پانچ اعمال گنوائے گئے ہیں، جن میں سے ایک زکاۃ کی ادائیگی بھی ہے۔(سنن أبي داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوٰت، رقم الحدیث ۴۲۹،۱/ ۲۱۴، دار ابن حزم)

9 انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ زکاۃ ہے۔(مسند أحمد: مسند أنس بن مالک، رقم الحدیث:۱۲۳۹۴)

10 انسان کے گناہوں کی معافی کا بھی ذریعہ ہے۔(مجمع الزوائد، کتاب الزکاۃ، باب فرض الزکاہ:۳/ ۶۳)

11 زکاۃ سے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔(شعب الإیمان للبیہقي، کتاب الزکاۃ، فصل في من أتاہ اللہ مالا من غیر مسألۃ، رقم الحدیث:۳۵۵۷،۳/ ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ)

۱۲ زکاۃ سے مال کا شر ختم ہو جاتا ہے۔(السنن الکبریٰ للبیہقي، کتاب الزکاۃ، باب الدلیل علی أن من أدی فرض اللہ فی الزکاۃ، رقم الحدیث:۷۳۷۹)

اوپر جتنے فضائل ذکر کیے گئے ہیں وہ ہر قسم کی زکاۃ سے متعلق ہیں، چاہے وہ "زکاۃ" سونے چاندی کی ہو، یا تجارتی سامان کی، عشر ہو یا جانوروں کی زکاۃ۔

زکاۃ ادا نہ کرنے کے نقصانات اور وعیدیں:

فریضہ زکاۃ کی ادائیگی پر جہاں من جانب اللہ انعامات و فوائد ہیں، وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے والے کے لیے قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ میں وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، اور دنیا و آخرت میں ایسے شخص کے اوپر آنے والے وبال کا ذکر بکثرت کیا گیا ہے، ذیل میں ان میں سے کچھ ذکر کیے جاتے ہیں:

1 جو لوگ زکاۃ ادا نہیں کرتے اُن کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کرکے اِس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(سورۃ توبہ:۳۵،۳۴)

2 ایسے شخص کے مال کو طوق بنا کے اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔(سورۃ آل عمران:۱۸۰)

3 ایسا مال آخرت میں اُس کے کسی کام نہ آسکے گا۔(سورۃ البقرۃ:۲۵۴)

4 زکاۃ کا ادا نہ کرنا جہنم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔(سورۃ اللیل:۵ تا ۱۱)

5 ایسے شخص کا مال قیامت کے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا، جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہوں گے، اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا(اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔(صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، رقم الحديث:۱۴۰۳،۲/ ۱۱۰، دار طوق النجاۃ)

6 مرتے وقت ایسا شخص زکاۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا؛ لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہو گا۔(سورۃ المنافقون:۱۰، صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح، رقم الحدیث:۱۴۱۹، ۲/ ۱۱۰، دار طوق النجاۃ)

7 ایسے شخص کے لیے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، اور اُن سے ایسے شخص کے پہلو، پیشانی اور سینہ کو داغا جائے گا۔(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ)

8 ایسے افراد کو جہنم میں ضریع، زقوم، گرم پتھر، اور کانٹے دار و بدبودار درخت کھانے پڑیں گے۔(دلائل النبوۃ للبيهقي، باب الإسراء، رقم الحديث:٦٧٩)

9 ایسے افراد سے قیامت کے دن حساب کتاب لینے میں بہت زیادہ سختی کی جائے گی۔ (مجمع الزوائد، کتاب الزکاۃ، باب فرض الزکاۃ:۳/۶۲)

10 جب لوگ زکاۃ روک لیتے ہیں تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان سے بارشیں روک لیتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

11 جب کوئی قوم زکاۃ روک لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (المعجم الأوسط للطبراني، تحت من اسمہ عبدان، رقم الحدیث:۴۵۷۷)

زکاۃ ادا کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ میں تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں اور تمہیں ایک اہم بات بتاتا ہوں، تم اسے یاد رکھنا۔ ارشاد فرمایا: کہ کسی بندے کا مال زکاۃ (وصدقہ) سے کم نہیں ہوتا، جس بندے پر بھی ظلم کیا جاتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اللہ تعالی اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ اور جو بندہ بھی سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالی اس پر فقر اور تنگ دستی کا دروازہ کھول دیتے ہیں"، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا۔ اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ایک اور خاص بات بتاتا ہوں، سو تم اسے یاد رکھنا، ارشاد فرمایا: "دنیا تو چار قسم کے افراد کے لیے ہے:

ایک اس بندے کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور دین کا علم، دونوں نعمتیں عطا فرمائیں، تو وہ اس معاملہ میں اپنے رب سے ڈرتا ہے (اس طرح کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا اور علمِ دین سے فائدہ اٹھاتا ہے) اور اس علمِ دین اور مال کی روشنی میں رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس (مال) میں اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتا ہے۔ (مثلاً: مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتا ہے، اور دینی علم سے دوسروں کو تبلیغ، تدریس اور افتاء وغیرہ کے ذریعے سے فائدہ پہنچاتا ہے) تو یہ شخص درجات کے اعتبار سے چاروں سے افضل ہے۔

دوسرے اس بندے کے لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت تو عطا فرمائی لیکن مال عطا نہیں فرمایا، لیکن وہ نیت کا سچا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں آدمی کی طرح عمل کرتا (جو کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھ کر عمل کرتا ہے) تو یہ شخص اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے اور اس شخص کا اور اس سے پہلے شخص کا ثواب برابر ہے۔

تیسرے اس بندے کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت عطا فرمائی، لیکن علم کی نعمت عطا نہیں فرمائی، تو وہ علم کے بغیر اپنے مال کو خرچ کرنے میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا، اور نہ ہی اس مال سے صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی اس مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے، تو درجات میں یہ سب سے بدتر بندہ ہے۔

چوتھے اس بندے کے لیے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ تو مال کی نعمت عطا فرمائی اور نہ علم کی، تو وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی اس مال کے سلسلے میں فلاں بندے کی طرح عمل کرتا (جو اپنے مال کے خرچ کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ ہی مال میں اللہ تعالیٰ کے حق کو سمجھتا ہے) سو یہ بندہ اپنی نیت کے مطابق صلہ پاتا ہے؛ پس اس کا گناہ اور وبال اس پہلے شخص کے گناہ اور وبال کے مطابق ہی ہوتا ہے"۔(ترمذی شریف کتاب الزہد رقم الحدیث:۲۳۲۵، ۴/ ۵۶۲)

زکاۃ کن افراد پر اور کن افراد کے لیے ہے؟

دنیا میں بسنے والے افراد کا جائزہ لیا جائے تو ان تمام افراد کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1 مال دار افراد، جن پر مخصوص شرائط کے بعد زکاۃ فرض ہوتی ہے۔

2 دوسرے غریب افراد، جن پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی اور ان کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے۔

3 تیسرے وہ متوسط درجے کے افراد، جن پر زکاۃ تو فرض نہیں ہوتی؛ لیکن ان کے لیے زکاۃ لینا بھی جائز نہیں۔

اب ان تینوں قسم کے افراد کو پہچاننے کے لیے کیا معیار اور کسوٹی ہے کہ اس کے مطابق ہر طبقے والا اپنی حالت اور کیفیت کو پہچان کر اس کے مطابق اپنے اوپر عائد احکاماتِ الٰہیہ کو پہچان کر پورا کرسکے، اس کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے: ایک تو وہ کون سی اشیاء یا اموال ہیں جن کے ہوتے ہوئے زکاۃ فرض ہوتی ہے؟ اور دوسرا وہ اشیاء یا اموال کتنی مقدار میں ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص زکاۃ دینے والا یا زکاۃ لینے والا ٹھہرتا ہے؟ ان میں سے پہلی چیز کو "اموالِ زکاۃ" اور دوسری چیز کو "نصابِ زکاۃ" سے پہچانا جاتا ہے۔ ذیل میں اموالِ زکاۃ اور نصابِ زکاۃ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

اموالِ زکاۃ:

اموالِ زکاۃ سے مراد وہ اشیاء یا اموال ہیں، جن کا (مخصوص مقدار میں) مالک ہونے پر (جس کو نصاب سے پہچانا جاتا ہے اور اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) زکاۃ فرض ہوتی ہے۔ وہ کل چار قسم (کی اشیاء یا اموال) ہیں:

1 سونا، عام ہے کہ وہ زیور کی شکل میں ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (سونا) مالِ زکاۃ ہے۔

2 چاندی، عام ہے کہ وہ زیور کی شکل میں ہو، اینٹ ہو یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو، چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو، خالص ہو یا اس میں کوئی کھوٹ یا ملاوٹ وغیرہ ہو، بہر صورت یہ (چاندی) مالِ زکاۃ ہے۔

3 نقدی، اپنے ملک کی ہو یا کسی اور ملک کی، اپنے پاس ہو یا بینک میں، چیک ہو یا ڈرافٹ، نوٹ ہو یا سکّے، کسی کو قرض دی ہوئی ہو (بشرطیکہ ملنے کی امید ہو) یا اس کی سرمایہ کاری کر رکھی ہو، ان تمام صورتوں میں یہ (نقدی) مالِ زکاۃ ہے۔

4 مالِ تجارت، یعنی تاجر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تا حال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو، تو یہ (مالِ تجارت) مالِ زکاۃ ہے۔ (اور اگر مذکورہ مال (مالِ تجارت) کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، یا اس کے بارے میں بیٹے یا دوست وغیرہ کو ہدیہ میں دینا طے کر لیا، یا پھر ویسے ہی اس مال کے بارے میں بیچنے کی نیت نہ رہی تو یہ مال، مالِ زکاۃ نہ رہا)۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ: ۲/ ۱۰۰، دار إحیاء التراث العربي)

یہ کل چار قسم کے اموال ہیں جن پر (مخصوص مقدار تک پہنچنے پر) زکاۃ فرض ہوتی ہے، البتہ اگر کوئی مقروض ہو تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد بچنے والے اموال کی زکاۃ دی جائے گی۔

نصابِ زکاۃ:

سطورِ بالا میں معاشرے کے تین طبقات کو بیان کیا گیا تھا، جن کی تمیز "نصاب" کے مالک ہونے پر موقوف ہے، اس تمیز کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نصاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک نصاب کا تعلق "زکاۃ دینے والے" سے ہے اور دوسرے نصاب کا تعلق "زکاۃ لینے والے" سے ہے، دونوں قسم کے نصابوں میں کچھ فرق ہے، جو ذیل میں لکھا جا رہا ہے:

پہلی قسم کا نصاب (زکاۃ دینے والے کے لیے)

اللہ رب العزت نے اپنے غریب بندوں کے لیے امراء پر ان کے اموال کی ایک مخصوص مقدار پر زکاۃ فرض کی ہے، جس کو نصاب کہا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس نصاب کا مالک ہو تو اس پر زکاۃ فرض ہے اور اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کم ہو تو اس شخص پر زکاۃ فرض نہیں ہے۔

ا

1 اگر کسی کے پاس صرف "سونا" ہو اور کوئی مال (مثلاً: چاندی، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو جب تک سونا ساڑھے سات تولے (87ء479 گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر سونا اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفۃ الزکاۃ: ۲/ ۱۰۵، دار إحیاء التراث العربي)

2 اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو جب تک چاندی ساڑھے باون تولے (35ء612 گرام) نہ ہو جائے اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی، اور اگر چاندی اس مذکورہ وزن تک پہنچ جائے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ: ۲/ ۱۰۰، دار إحیاء التراث العربي)

3 اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب تک نقدی اتنی نہ ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35ء612 گرام) چاندی خریدی جاسکے، اس وقت تک زکاۃ فرض نہیں ہوتی اور اگر نقدی اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35ء612 گرام) چاندی خریدی جا سکے تو زکاۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، أموال الزکاۃ: ۲/ ۱۰۳، دار إحیاء التراث العربي)

4 اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی ہو (چاہے جتنی بھی ہو) یا سونا اور نقدی ہو یا سونا اور مالِ تجارت ہو یا چاندی اور نقدی ہو یا چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (تینوں مال) سونا، چاندی اور نقدی ہو یا سونا، چاندی اور مالِ تجارت ہو یا (چاروں مال) سونا، چاندی، نقدی اور مالِ تجارت ہو تو ان تمام صورتوں میں ان اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولے (35ء612 گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکاۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، صفۃ الزکاۃ: ۲/ ۱۰۶، ۱۰۵، دار إحیاء التراث العربي)

دوسری قسم کا نصاب (زکاۃ لینے والے کے لیے)

اس نصاب میں مذکورہ نصاب (یعنی پہلی قسم کے نصاب کی تمام صورتوں) کے ساتھ ضرورت سے زائد سامان کو بھی شامل کیا جائے گا، اور یہاں بھی وہ تمام صورتیں بنیں گی جو پہلی قسم کے نصاب میں بنتی تھیں، مثلاً:

1 اگر کسی کے پاس صرف "سونا" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (35ء612 گرام) چاندی خریدی جا سکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔

2 اگر کسی کے پاس صرف "چاندی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (سونا، نقدی یا مال تجارت) نہ ہو تو ان دونوں قسم کے اموال کی قیمت لگائی جائے گی اگر ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (612ء35 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔

3 اگر کسی کے پاس صرف "نقدی" اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو اور کوئی مال (مثلاً: سونا، چاندی، یا مالِ تجارت) نہ ہو تو جب ان کی قیمت اتنی ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولے (612ء35 گرام) چاندی خریدی جاسکے، تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔ اور اگر ان دونوں کی قیمت اتنی نہ ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولے (612ء35 گرام) چاندی خریدی جاسکے تو ایسے شخص کا زکاۃ لینا جائز ہے۔

4 اگر کسی کے پاس سونا، چاندی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو (چاہے جتنا بھی ہو)۔

5 اگر کسی کے پاس سونا، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

6 اگر کسی کے پاس سونا، مالِ تجارت اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

7 اگر کسی کے پاس چاندی، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

8 اگر کسی کے پاس چاندی، مالِ تجارت اور ضرورت سے زائد سامان ہو۔

9 اگر کسی کے پاس (چاروں مال) سونا، چاندی، نقدی اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

10 اگر کسی کے پاس سونا، چاندی، مالِ تجارت ہو اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو۔

11 اگر کسی کے پاس (پانچوں مال) سونا، چاندی، نقدی، مالِ تجارت اور "ضرورت سے زائد سامان" ہو تو ان تمام صورتوں میں ان تمام اموال کی قیمت لگائی جائے گی، اگر انکی قیمت ساڑھے باون تولے (612ء35 گرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس مقدار کی مالیت کے مالک کا زکاۃ لینا جائز نہیں ہے اور ایسے شخص پر صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے۔ اور اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں صاحب نصاب نہیں کہلاتا، یعنی اس شخص کا زکاۃ اور ہر قسم کے صدقاتِ واجبہ لینا جائز ہو گا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکاۃ: ۲/ ۱۵۸، دار إحیاء التراث العربي)

ضرورت سے زائد سامان:

وہ تمام چیزیں جو گھروں میں رکھی رہتی ہیں، جن کی سالہا سال ضرورت نہیں پڑتی، کبھی کبھار ہی استعمال میں آتی ہیں، مثلاً: بڑی بڑی دیگیں، بڑی بڑی دریاں، شامیانے یا برتن وغیرہ۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیہ)

الف: وی سی آر۔ ڈش، ناجائز مضامین کی آڈیو ویڈیو کیسٹیں جیسی چیزیں ضروریات میں داخل نہیں؛ بلکہ لغویات ہیں۔ مذکورہ قسم کا سامان ضرورت سے زائد کہلاتا ہے، اس لیے ان سب کی قیمت حساب میں لگائی جائے گی۔

ب: رہائشی مکان، پہننے، اوڑھنے کے کپڑے، ضرورت کی سواری اور گھریلو ضرورت کا سامان جو عام طور پر استعمال میں رہتا ہے، یہ سب ضرورت کے سامان میں داخل ہیں، اس کی وجہ سے انسان شرعاً مال دار نہیں ہوتا، یعنی ان کی قیمت نصاب میں شامل نہیں کی جاتی۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیہ)

ج: صنعتی آلات، مشینیں اور دوسرے وسائل رزق (جن سے انسان اپنی روزی کماتا ہے) بھی ضرورت میں داخل ہیں ان کی قیمت بھی نصاب میں شامل نہیں کی جاتی، مثلاً: درزی کی سلائی مشین، لوہار اور کاشت کار وغیرہ کے اوزار، سبزی یا پھل بیچنے والی کی ریڑھی یا سائیکل وغیرہ۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۴، رشیدیہ)

د: اگر کسی کے پاس ضرورت پوری کرنے کا سامان ہے؛ لیکن اس نے کچھ سامان اپنی ضرورت سے زائد بھی اپنے پاس رکھا ہوا ہے، مثلاً: کسی کی ضرورت ایک گاڑی سے پوری ہو جاتی ہے لیکن اس کے پاس دو گاڑیاں ہیں، تو اس زائد گاڑی کی قیمت کو نصاب میں داخل کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، مصارف الزکاۃ: ۲/ ۱۵۸، دار إحیاء التراث العربي)

زکاۃ واجب ہونے کے لیے تاریخ:

زندگی میں سب سے پہلی بار جب کسی کی ملکیت میں پہلی قسم کے نصاب کے مطابق مال آجائے، تو وہ دیکھے کہ اس دن قمری سال (چاند) کی کون سی تاریخ ہے؟ اس تاریخ کو نوٹ کرلے، یہ تاریخ اس شخص کے لیے زکاۃ کے حساب کی تاریخ کے طور پر متعین ہو گئی ہے۔ واضح رہے کہ زکاۃ کے وجوب اور ادائیگی کے لیے قمری سال ہونا ضروری ہے، اگر کسی کو قمری تاریخ یاد نہ ہو تو خوب غور و فکر کر کے کوئی قمری تاریخ متعین کرلینا چاہیے، آئندہ اسی کے مطابق حساب کیا جائے گا۔

زکاۃ کا حساب کرنے کا طریقہ:

جس چاند کی تاریخ کو کسی کے پاس بہ قدر نصاب مال آیا، اس سے اگلے سال ٹھیک اسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کیا جائے اگر بہ قدر (پہلی قسم کے)نصاب کے مال ہے تو اس کل مال کا اڑھائی فیصد (2.5٪) زکاۃ دینا ہو گی۔(العالمگیریہ، کتاب الزکاۃ:۱/ ۱۷۵، رشیدیہ)

سامان کی قیمت لگانے کا طریقہ:

"پہلی قسم کا نصاب "اور "دوسری قسم کا نصاب " پہچاننے کے طریقے میں جو یہ ذکر کیا گیا کہ "دوسری قسم کے نصاب میں ضرورت سے زائد سامان کی قیمت لگائی جائے "تو اس قیمت سے مراد اس سامان کی قیمت فروخت ہے نہ کہ قیمتِ خرید۔یعنی حساب کرنے کی تاریخ میں اس سامان کی قیمت لگوائی جائے جو عام بازار میں اس کی قیمت کے برابر ہو اور عموماً اس قیمت پر وہ بک بھی جاتی ہو، اس کو نصاب میں شمار کیا جائے گا۔اسی طرح سونا، چاندی کی بھی قیمت فروخت کا اعتبار ہو گا۔مثلاً: کراچی میں کسی شخص نے یہ چیز دس ہزار میں خریدی، پھر فروخت کرنے کے وقت اس کی قیمت پندرہ ہزار یا کم ہو کے سات ہزار ہو گئی تو فروخت والی قیمت کو زکاۃ کے لیے شمار کیا جائے گا۔(ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم:۲/ ۲۸۶، سعید)

مال پر سال گذرنے کا مطلب:

جس تاریخ میں زکاۃ واجب ہوئی تھی، اس کے ایک سال بعد زکاۃ دی جائے گی، اس ایک سال کے گذرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پہلی تاریخ اور ایک سال کے بعد والی تاریخ میں مال نصاب کے بہ قدر اس شخص کی ملکیت میں رہے، ان دونوں تاریخوں کے درمیان میں مال میں جتنی بھی کمی بیشی ہوتی رہے، اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا، بس شرط یہ ہے کہ مال نصاب سے کم نہ ہو گیا ہو، یعنی مال کے ہر ہر جز پر سال کا گذرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ واجب ہونے کے بعد اگلے سال اسی تاریخ تک نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر نصاب باقی ہوا تو ادائیگی لازم ہو گی ورنہ نہیں۔(بدائع الصنائع، کتاب الزکاۃ، اموال الزکاۃ:۲/ ۹۶، دار إحیاء التراث العربي)

مالِ تجارت کی زکاۃ کے احکام:

" مالِ تجارت سے مراد "پیچھے واضح کی جاچکی ہے کہ تاجِر کی دکان کا ہر وہ سامان جو بیچنے کی نیت سے خریدا گیا ہو اور تاحال اس کے بیچنے کی نیت باقی ہو، تو یہ (مالِ تجارت)مالِ زکاۃ ہے۔(اور اگر مذکورہ مال (مالِ تجارت) کو گھر کے استعمال کے لیے رکھ لیا، یا اس کے بارے میں کسی کو ہدیہ میں دینا طے کر لیا، یا پھر ویسے ہی اس مال کے بارے میں بیچنے کی نیت نہ رہی تو یہ مال، مالِ زکاۃ نہ رہا)۔بعض افراد اس غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ تجارت کا مال صرف وہ ہے جس کی انسان باقاعدہ تجارت کرتا ہو، اور نفع کمانے کی نیت

سے خرید و فروخت کرتا ہو؛ حالانکہ شرعاً کسی چیز کے مالِ تجارت بننے کے لیے اس میں مذکورہ قید ضروری نہیں؛ بلکہ جو چیز بھی انسان فروخت کرنے کی نیت سے خریدے وہ تجارت کے مال میں شمار ہوتی ہے، البتہ خریدتے وقت فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو بعد میں فروخت کر لینے کی نیت سے وہ چیز مالِ تجارت نہیں بنے گی۔ دوسری طرف وہ چیز جسے تجارت کی نیت سے خریدا تھا اگر بعد میں تجارت کی نیت بدل لی تو وہ چیز مالِ تجارت سے نکل جائے گی۔ سونا، چاندی اور نقد رقم اس تعریف سے خارج ہے، یعنی ان کے لیے کسی خاص نیت وغیرہ کی ضرورت نہیں، یہ ہر حال میں مالِ زکاۃ ہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۷، سعید)

تجارتی اموال سے متعلق چند مسائل:

1 جن اشیاء کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو؛ بلکہ ان کی ذات کو باقی رکھتے ہوئے ان سے کرایہ وغیرہ حاصل کرنا یا کسی اور شکل میں نفع کمانا مقصود ہو، تو وہ چیزیں مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں۔ مثلاً: کارخانوں کا منجمد اثاثہ، پرنٹنگ پریس، مشینری، پلانٹ، دوکان کا سامان، استعمال کی گاڑی، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کرائے پر چلانے کی نیت سے خریدی گئی گاڑی، رکشہ وغیرہ، کرائے پر دینے کی نیت سے بنایا گیا مکان یا دوکان وغیرہ، گھر کے استعمال کے برتن، کرائے پر دینے کے لیے رکھے ہوئے برتن، کراکری کا سامان، فریج، فرنیچر، سلائی یا دھلائی کی مشین، ڈرائی کلینرز کے پلانٹ وغیرہ۔ اس قسم کی چیزیں چونکہ فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدی گئیں؛ بلکہ ان کو باقی رکھ کر ان سے نفع اٹھانا مقصود ہے؛ اس لیے یہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہوں گی اور ان پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر ان کو خریدا ہی فروخت کرنے کے لیے ہو تو یہ مالِ تجارت ہوں گی۔ اسی طرح موجودہ دور میں بعض مکینک حضرات اپنے کام کاج کے اوزاروں کے ساتھ بعض اوزاروں کو اس لیے خریدتے ہیں کہ بہ وقتِ ضرورت گاہکوں کی مشینری وغیرہ میں فٹ کر دیں گے، اور اس کی قیمت گاہکوں سے وصول کر لیں گے، تو یہ مال بھی مالِ تجارت میں داخل ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۷، سعید)

2 اگر کوئی جانور بیچنے کے لیے خریدے تو وہ بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں، ان کی زکاۃ بھی واجب ہو گی (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۸۶)

قصاب جو جانور ذبح کر کے گوشت بیچتے ہیں تو یہ جانور بھی مالِ تجارت میں داخل ہیں۔ جو جانور دودھ حاصل کرنے کے لیے خریدے تو وہ مالِ تجارت میں داخل نہیں ہیں؛ البتہ ان کے دودھ سے حاصل ہونے والی کمائی نقد رقم میں داخل ہو کر نصاب کا حصہ بنے گی۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۲۸۷)

3 اگر کسی کا پولٹری فارم یا مچھلی فارم ہو، تو ان کی زکاۃ میں یہ تفصیل ہے کہ ان کی زمین، مکان اور ان سے متعلقہ سامان پر تو زکاۃ فرض نہیں ہوتی، البتہ مرغیاں یا مچھلیاں اگر فروخت کرنے کے لیے رکھی ہیں تو یہ مالِ تجارت ہیں اور اگر فروخت کرنے کے لیے نہیں، بلکہ مرغیوں کے انڈے حاصل کرنے کے لیے وہ مرغیاں رکھی ہیں تو ان انڈوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکاۃ ہو گی۔(احسن الفتاویٰ:۴/ ۳۱۰)جو شخص انڈے فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے تو وہ انڈے مالِ تجارت ہیں، اور اگر ان انڈوں سے چوزوں کا حصول مقصود ہے تو ان بچوں کی قیمت پر زکاۃ لازم ہو گی۔

سامانِ تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ:

" پہلی قسم کا نصاب "اور" دوسری قسم کا نصاب " پہچاننے کے طریقے میں جو یہ ذکر کیا گیا کہ " دوسری قسم کے نصاب میں ضرورت سے زائد سامان کی قیمت لگائی جائے " تو اس قیمت سے مراد اس سامان کی قیمت فروخت ہے نہ کہ قیمتِ خرید۔یعنی حساب کرنے کی تاریخ میں اس سامان کی قیمت لگوائی جائے جو عام بازار میں اس کی قیمت کے برابر ہو اور عموماً اس قیمت پر وہ بک بھی جاتی ہو، اس کو نصاب میں شمار کیا جائے گا۔(رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم:۲/ ۲۸۶، سعی)

قرض پر زکاۃ کا حکم:

جو رقم کسی کو بطور قرض دی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ قرض ہے، جس کے (کبھی نہ کبھی) واپس ملنے کی امید ہو۔ دوسرا وہ قرض ہے، جس کے واپس ملنے کی (کبھی بھی) امید نہ ہو۔

تو پہلی قسم والے قرض کی زکاۃ دی جائے گی اور دوسری قسم کے قرض کی زکاۃ نہیں دی جائے گی؛ البتہ اگر کبھی یہ قرض بھی وصول ہو گیا تو اس کی بھی زکاۃ ادا کی جائے گی۔(ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول:۱/ ۱۷۴،۱۷۵، رشیدیہ)

قرض کی تین قسمیں:

پہلی قسم والے قرض کی تین قسمیں ہیں:(۱) دَین قوی (۲) دَین متوسط (۳) دَین ضعیف۔ ان تینوں قسم کے دُیون (قرضوں) کے وصول ہونے پر زکاۃ کی ادائیگی کا طریقہ اور حکم قدرے مختلف ہے، ذیل میں اجمالاً دَین کی تینوں قسموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

دَین قوی کا حکم:

اگر کسی شخص کو نقد روپیہ یا سونا یا چاندی بہ طورِ قرض دی، یا کسی شخص کے ہاتھ تجارت کا مال بیچا اور اس کی قیمت ابھی وصول نہیں ہوئی، پھر یہ مال ایک سال یا دو، تین سال کے بعد وصول ہوا تو ایسے قرض کو " دَینِ قوی " کہتے ہیں۔

ایسا قرض اگر چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہے تو وصول ہونے پر سابقہ تمام سالوں کی زکاۃ حساب کر کے دینا فرض ہے، لیکن اگر قرض یک مُشت وصول نہ ہو، بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہو، تو جب چاندی کے نصاب کا بیس فی صد (یعنی: ساڑھے دس تولے) وصول ہو جائے، تو صرف اس بیس فی صد کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہو گا، پھر جب مزید بیس فی صد وصول ہو جائے گا تو اس کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہو گی، اسی طرح ہر بیس فی صد وصول ہونے پر زکاۃ فرض ہوتی رہے گی اور زکاۃ سابقہ تمام سالوں کی نکالی جائے گی۔

اور اگر قرض کی رقم چاندی کے نصاب کے برابر نہیں؛ بلکہ اس سے کم ہے تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہو گی؛ البتہ اگر اس آدمی کی ملکیت میں کچھ اور مال یا رقم ہے اور دونوں کو ملانے سے چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو جاتے ہیں تو زکاۃ فرض ہو گی۔(رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال:۲/ ۳۰۷،۳۰۶،۳۰۵،سعید)

دَین متوسط کا حکم:

اگر کسی کو قرض نقد روپے اور سونا چاندی کی صورت میں نہیں دیا اور تجارت کا مال بھی فروخت نہیں کیا، بلکہ کوئی چیز فروخت کی جو تجارت کی نہیں تھی، مثلاً: پہننے کے کپڑے یا گھر کا کوئی سامان یا کوئی زمین فروخت کی تھی، اس کی قیمت باقی ہے، تو ایسے قرض کو "دَینِ متوسط" کہتے ہیں۔

تو اگر یہ قیمت چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہے اور چند سالوں کے بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر سابقہ تمام سالوں کی زکاۃ اس پر فرض ہو گی اور اگر یک مُشت وصول نہ ہو تو جب تک یہ قرض چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زائد وصول نہ ہو جائے، تب تک زکاۃ ادا کرنا فرض نہ ہو گا، البتہ وصول ہونے کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔

اگر مذکورہ شخص صاحبِ نصاب ہو تو "دَین متوسط" سے جو بھی تھوڑی تھوڑی رقم ملتی رہے، اس کو اپنے پاس موجود نصاب میں ملاتا رہے اور زکاۃ دے۔(العالمگیریہ، کتاب الزکاہ، باب اقسام الدیون:۱/ ۱۷۵، رشیدیہ)

دَینِ ضعیف کا حکم:

کسی شخص کو نہ نقد روپیہ قرض دیا، نہ سونا چاندی فروخت کی اور نہ ہی کوئی اور چیز فروخت کی، بلکہ کسی اور سبب سے یہ قرض دوسرے کے ذمے ہو گیا، مثلاً: شوہر کے ذمے اپنی بیوی کا حق مہر ادا کرنا باقی ہو، یا بیوی کے ذمے شوہر کا بدلِ خلع ادا کرنا باقی ہو، یا کسی کے ذمے دیت ادا کرنا باقی ہو یا کسی مالک کے ذمے اپنے ملازم کی تنخواہ دینا باقی ہو، تو ایسے قرضوں کو "دَینِ ضعیف" کہتے ہیں۔

ایسے قرضوں پر زکاۃ کی ادائیگی کا حکم یہ ہے کہ ان اموال کی زکاۃ کا حساب وصول ہونے کے دن سے ہو گا، اس شخص پر سابقہ سالوں کی زکاۃ فرض نہیں ہو گی۔ وصول ہونے کے بعد اگر یہ پہلے سے صاحبِ نصاب ہو تو اس نصاب کے ساتھ اس مال کو ملا کے زکاۃ ادا کرے گا، ورنہ وصول ہو جانے کے بعد اس مال پر سال گذر جانے کے بعد زکاۃ ادا کرے گا۔ (فتح القدیر، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۱۲۳، رشیدیہ)

اور جو ادھار خود لیا ہوا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ فوراً سارے کا سارا ادا کرنا لازم ہے، تو اس کو نصاب سے منہا کیا جائے گا، دوسری قسم یہ کہ یک مشت اس کل رقم کی ادائیگی لازم نہیں بلکہ قسطوں میں ادا کرنا ہے تو صرف اس مہینے کی قسط نصاب سے منہا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ قرض اگر تجارت کے لیے لیا ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کسی عمارت، بلڈنگ یا مشینری وغیرہ کے لیے لیا ہے تو اسے نصاب سے منہا نہیں کیا جائے گا اور اگر محض تجارت کے لیے لیا ہے تو اسے نصاب سے منہا کیا جائے گا۔ (رد المحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/ ۲۶۳، سعید)

بینکوں سے زکاۃ کاٹنے کا حکم:

حکومت کے آرڈیننس کے تحت حکومت بینکوں سے لوگوں کی رقمیں زکاۃ کی مد میں کاٹتی ہے۔ شرعاً اس طریقے سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی، حکومتِ وقت کے اس طرح زکاۃ کاٹنے میں شرعاً دس خرابیاں ہیں، جنہیں فتاویٰ بینات جلد دوم، ص: ۶۳۵-۶۴۰ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، بہ وقتِ ضرورت وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (فتاویٰ بینات، کتاب الزکاۃ، حکومت کا مسلمانوں سے زکاۃ وصول کرنا: ۶۴۰-۶۳۵، مکتبہ بینات)

کمیٹی کی رقم پر زکاۃ کا حکم:

کچھ افراد مل کے کمیٹی ڈالتے ہیں، کچھ ممبروں کی کمیٹی پہلے نکل آتی ہے، مثلاً: بیس افراد نے مل کر ایک ایک ہزار روپے جمع کر کے کمیٹی ڈالی، ان میں سے ایک کی کمیٹی پہلے نکل آئی، اب اس شخص کے پاس انیس ہزار روپے دوسروں کے ہیں اور ایک ہزار اپنا، تو یہ شخص اگر صاحب نصاب ہے تو یہ اپنے ایک ہزار روپے کو اس نصاب میں داخل کرے گا، انیس ہزار کو نہیں، اسی طرح ہر ممبر صرف اتنی رقم نصابِ زکاۃ میں جمع کرے گا، جتنی اس نے ابھی تک جمع کروائی تھی، البتہ آخری شخص پورے بیس ہزار کو اپنے نصاب

میں شامل کرے گا، اور اگر یہ مذکورہ افراد صاحبِ نصاب نہ ہوں تو اس نکلنے والی کمیٹی کی رقم پر زکاۃ واجب نہیں ہو گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیر الزکاۃ: ۱/ ۱۷۳، رشیدیہ)

خلاصہ کلام:

آخر میں بطورِ خلاصہ ان تمام اثاثوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے اور جن پر واجب نہیں ہوتی:

وہ اثاثے جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے:

(۱) سونے کی مارکیٹ ویلیو (خواہ سونا زیور کی صورت میں ہو، یا کسی بھی شکل میں ہو)۔ (۲) چاندی کی مارکیٹ ویلیو (خواہ چاندی زیور کی صورت میں ہو یا کسی بھی شکل میں ہو)۔ (۳) نقد رقم۔ (۴) کسی کے پاس رکھی گئی امانت (خواہ رقم ہو یا سونا، چاندی)۔ (۵) بینک بیلنس۔ (۶) غیر ملکی کرنسی کی مارکیٹ ویلیو۔ (۷) کسی بھی مقصد (مثلاً: حج، بچوں کی شادی یا مکان وغیرہ کی خریدنے) کے لیے رکھی ہوئی رقم۔ (۸) حج کے لیے جمع کروائی ہوئی وہ رقم، جو معلم کی فیس اور کرایہ جات وغیرہ کاٹ کر واپس کر دی جاتی ہے۔ (۹) بچت سرٹیفکیٹ مثلاً: NIT، NDFC، FEBC، کی اصل رقم (اگرچہ ان کا خریدنا ناجائز ہے)۔ (۱۰) پرائز بانڈز کی اصل قیمت (اگرچہ ان کی خرید و فروخت اور ان پر ملنے والا انعام جائز نہیں ہے)۔ (۱۱) انشورنس پالیسی میں جمع کردہ اصل رقم (اگرچہ مروجہ انشورنس کی تمام صورتیں ناجائز ہیں)۔ (۱۲) قرض دی ہوئی رقم (بشرطیکہ واپس ملنے کی امید ہو)۔ (۱۳) کسی بھی مقصد کے لیے دی ہوئی ایڈوانس رقم، جس کا اصل یا بدل اسے واپس ملے گا۔ (۱۴) سیکورٹی ڈیپازٹ کے طور پر جمع کردہ رقم۔ (۱۵) بی سی (کمیٹی) میں جمع کروائی ہوئی رقم (بشرطیکہ ابھی تک کمیٹی نکلی نہ ہو)۔ (۱۶) تجارتی یا تجارت کی نیت سے خریدے گئے حصص۔ (۱۷) شرکت والے معاملے میں اپنے حصے کے قابلِ زکاۃ اثاثوں کی رقم مع نفع۔ (۱۸) بیچنے کے لیے خریدا ہوا سامان، جائیداد، حصص اور خام مال۔ (۱۹) تجارت کے لیے خریدی ہوئی پراپرٹی۔ (۲۰) ہر قسم کے تجارتی مال کی مارکیٹ ویلیو (یعنی: قیمتِ فروخت)۔ (۲۱) فروخت شدہ چیزوں کی قابلِ وصول رقم۔ (۲۲) تیار مال کا اسٹاک۔ (۲۳) خام مال۔

جو رقم مالِ زکاۃ سے منہا کی جائے گی:

(۱) ادھار لی ہوئی رقم۔ (۲) خریدی ہوئی چیز کی واجب الاداء قیمت۔ (۳) کمیٹی حاصل کرنے کے بعد بقیہ اقساط کی رقم۔ (۴) ملازمین کی تنخواہ، جس کی ادائیگی اس تاریخ تک لازم ہو چکی ہے۔ (۵) یوٹیلیٹی بلز، کرایہ وغیرہ جن کی ادائیگی اس تاریخ تک لازم ہو چکی ہو۔ (۶) گزشتہ سالوں کی زکاۃ اگر ابھی تک ادا نہ کی گئی ہو۔ (۷) قسطوں پر خریدی ہوئی چیز کی واجب الاداء قسطیں۔

اب ما قبل میں ذکر کیے گئے ”وہ اثاثے جن پر زکاۃ واجب ہوتی ہے“ کی تمام صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کل قیمت جمع کر لیں، پھر ”جو رقم مالِ زکاۃ سے منہا کی جائے گی“ میں ذکر کی گئی صورتوں کے ہونے کی صورت میں تمام چیزوں کی قیمت جمع کر کے پہلی رقم میں سے گھٹالیں، اب جو رقم باقی بچے، اس کا چالیسواں حصہ (یعنی: ڈھائی فی صد) بطورِ زکاۃ نکال کر مستحقین تک پہنچائیں۔

ناقابلِ زکاۃ اثاثے:

(۱) رہائشی مکان، ایک ہو یا زیادہ۔ (۲) دوکان؛ البتہ دوکان کا مال مالِ زکاۃ ہوتا ہے۔ (۳) فیکٹری کی زمین، بشرطیکہ فروخت کی نیت سے نہ لی گئی ہو۔ (۴) دوکان، گھر، فیکٹری کا فرنیچر۔ (۵) زرعی زمین، بشرطیکہ فروخت کی نیت نہ ہو۔ (۶) کرایہ پر دیا ہوا مکان، دوکان یا فلیٹ۔ (۷) مکان، دوکان، اسکول یا فیکٹری بنانے کے لیے خریدا ہوا پلاٹ۔ (۸) کرایہ پر چلانے کے لیے ٹرانسپورٹ گاڑی، مثلاً: ٹیکسی، رکشہ یا بس وغیرہ۔

سبق نمبر9

سود (ربا) کی تعریف

رِبا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی زیادتی، بڑھوتری اور اضافہ کے ہیں۔ اُردو زبان میں اس کے لئے سود کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اسی سے ہی سود وزیاں (نفع ونقصان) کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں Interest اور Usury ربوا کے ہم معنی ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں سود کی تعریف / مراد "وہ مشروط اضافہ ہے جو معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی حق کے حاصل کیا جاتا ہے"

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قالوا إنما البيع مثل الربوا وأحل الله البيع وحرم الربوا...۲۷۵﴾...سورۃ البقرۃ

"سود خوروں نے کہا کہ سود اور تجارت ایک ہی چیز ہیں جبکہ اللہ نے بیع (کے اضافے) کو تو حلال کیا ہے اور سود کے اضافہ کو حرام کیا ہے"

تجارت اور سود میں فرق

اس آیتِ کریمہ کے منشاو مراد تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ بیع اور سود کے اضافہ میں فرق کا جائزہ لیا جائے کہ آخر کس بنیاد پر بیع کا منافع تو جائز ہے اور سود کا اضافہ جائز نہیں۔ یہ فرق درج ذیل ہیں:

1 تجارت میں نفع کا حصول یقینی نہیں ہوتا بلکہ نفع کے ساتھ نقصان کا بھی امکان ہوتا ہے جبکہ سود کی صورت میں یہ نفع / اضافہ لازمی ہوتا ہے اور سود دینے والے کو اس اضافے کے حصول میں کسی رِسک (خطرے) سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔

2 تجارت کی صورت میں کسی جنس کو نقدی کے بدلے خریدا یا فروخت کیا جاتا ہے اور اس جنس کی تیاری میں انسانی قوتیں صرف ہو کر اس کو قابل فروخت بناتی ہیں اور حاصل ہونے والا نفع دراصل اِن انسانی کاوشوں کا ثمرہ ہوتا ہے۔ جبکہ سود کی صورت میں رقم (Money) کا رقم سے سودا ہوتا ہے اور حاصل ہونے والا فائدہ صرف رقم کو مخصوص مہلت کے عوض دینے پر حاصل کیا جاتا ہے۔

3 تجارت میں یہ معاہدۂ لین دین عموماً مختصر مدت کے بعد ختم ہو جاتا ہے جبکہ سود کی صورت میں طویل عرصے بلکہ لامحدود مدت کے لئے جاری رہتا ہے۔(مزید تفصیل کے لئے صفحہ ۲۰۱)

مشروط اِضافہ

شریعت کی نظر میں صرف اسی اضافے کو سود کہا جائے گا جس کے حصول کا قرض دینے والے کو پہلے یقین ہو جائے۔ اور اگر کسی اضافے کی شرط نہیں کی گئی اور مقروض ادائیگی کے وقت مرضی سے کوئی اضافی مال یا تحفہ دے دیتا ہے تو وہ سود میں شمار نہیں ہو گا۔ اصل قرض سے زیادہ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ سود کا شبہ پڑنے یا رواج پا جانے کا خطرہ نہ ہو اور اس کو حسن قضاء الدین کہا جاتا ہے جس کی نبی اکرم ﷺ نے تعریف کی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ

"نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا۔ جب وہ شخص اپنا اونٹ واپس لینے آیا تو آپ نے صحابہؓ کو وہ اونٹ دینے کو کہا۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ اس کے دیئے اونٹ کی عمر کا اونٹ تو موجود نہیں، اس سے بڑی عمر کا (بہتر) اونٹ موجود ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی دے دو، کیونکہ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔" (صحیح بخاری: باب حسن القضاء)

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جابر بن عبد اللہؓ سے ان کا ایک اونٹ ادھار پر خریدا اور ادائیگی کے وقت مقررہ قیمت سے کچھ زیادہ ادا کیا۔(صحیح بخاری: ایضاً)

بعض لوگوں نے قرض کی ترغیب دینے کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے کہ حکومتی اور عوامی سطح پر قرض کی ادائیگی کے وقت تحفہ دینے کو رواج دیا جائے۔ لیکن شریعت کی رو سے اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ یہ سود کو جائز کرنے کا حیلہ ہے۔ کیونکہ شرعی قاعدہ ہے کہ المعروف کالمشروط "وہ شے جس کا رواج بن جائے وہ بھی شرط کے حکم میں ہی ہوتی ہے" چنانچہ قرض دینے والے کے ذہن میں اگر کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل کرنے کا کوئی امکان ہو چاہے قرض دار کی عادت کے طور پر یا رواج کے طور پر تو یہ قرض پر اضافہ کے ضمن میں ہی آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مقروض سے تحفہ وصول کرنے سے منع کرتے ہوئے اسے رِبا قرار دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

«اِذا اقرض الرجل الرجل فلا یاخذ ھدیۃ» (بخاری فی تاریخہ)

"جب کوئی شخص دوسرے شخص کو قرض دے تو اُس سے تحفہ قبول نہ کرے"

ایک اور حدیث میں کسی شخص کی دوسرے سے نیکی (مثلاً سفارش) کرنے پر اسے تحفہ دینے کو آپ نے سود کا عظیم دروازہ کھولنے کے مترادف قرار دیا(صحیح سنن أبو داود: باب في الهدية لقضاء الحاجة)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر کو اونٹ کی ادائیگی میں جو مال زیادہ دیا تھا، اس کا نہ اعلان ہوا تھا اور نہ حضرت جابرؓ کے علم میں یہ تھا کہ مجھے مقررہ قیمت سے زیادہ بطورِ احسان ملے گا۔

بعض لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اضافہ اگر بہت زیادہ ہو تو حرام ہے لیکن اگر مناسب یا کم ہو تو جائز ہے۔ جبکہ شریعت میں قرض پر اضافے کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ اُصول ہے: ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام "جس کا زیادہ حرام ہو، اس کا قلیل بھی حرام ہے"(جامع ترمذی) شراب کا ایک گھونٹ بھی ویسے ہی حرام ہے جیسا چھلکتا ہوا جام۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

" سود کا ایک درہم جو آدمی کھاتا ہے اور وہ اس کے سودی ہونے کا جانتا ہے، گناہ میں زنا سے ۳۶ گنا زیادہ سنگین ہے"(مسند احمد، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع)(۲)

ایک اور حدیث میں نبی اکرم کا یہ فرمان بھی آیا ہے:

"سود کے اگر سو حصے بھی کئے جائیں تو اس کا کمترین حصہ بھی (گناہ میں) اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے"(ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع)

معروف فقیہ ابن عبد البر مالکی(م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا اپنے نبی کے کہنے پر اس امر پر اجماع ہو چکا ہیکہ اُدھار پر اضافے کی شرط لگانا سود ہے اگرچہ وہ اضافہ ایک مٹھی گھاس ہو یا ایک دانہ۔"(التمہید: ج ۴، ص ۶۸)

اِس بحث کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اہل مغرب نے اپنے ہاں مناسب شرح سود کو تو جائز قرار دیا ہوا ہے جسے وہ Interest کا نام دیتے ہیں جبکہ زیادہ/ ظالمانہ شرح سود کو وہ معاشرتی جرم سمجھتے ہیں اور اس کے اِنسداد کے لئے باقاعدہ قوانین موجود ہیں، اس کا نام انہوں نے Usury رکھا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اہل مغرب کا یہ صرف ایک لفظی دھوکہ ہے ورنہ انٹرسٹ اور یوژری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مناسب شرح سود کا آج تک تعین نہیں کیا جاسکا۔ جس جگہ وہ سود کو جائز قرار دینا چاہیں تو اسے انٹرسٹ کہہ لیتے ہیں اور جہاں سود سے ان کے زور آور طبقات کے مفادات پر زد پڑتی ہو وہاں اسے یوژری کا نام دے دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ شرح سود ۲ فیصد بھی ظالمانہ ہوتی ہے اور بعض اوقات ۲۹ فیصد بھی مناسب، اسی طرح ایک ہی وقت میں

ایک ہی شہر میں مختلف مقاصد کیلئے حاصل کئے جانے والے قرضوں پر سود کی شرح میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔(دیکھئے ص ۱۷۹)اسلامی شریعت کی رو سے شرح سود میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں۔

بعض لوگ قرآنِ کریم کی آیت ﴿یأیہا الذین ءامنوا لا یاکلوا الربوا أضعفا مضعفة...۱۳۰﴾... سورۃ آل عمران" سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں سود مرکب کو حرام کیا گیا ہے یعنی سود در سود کو جبکہ سود مفرد حرام نہیں ہے... یہ استدلال درست نہیں ہے۔ قرض پر سود کی مختلف شکلیں ہیں:

1 پہلی شکل یہ ہے کہ مقروض ایک سال کے بعد قرض ادا کر دے تو کوئی اضافہ دینا ضروری نہیں ہو گا لیکن اگر اس مخصوص مدت کے بعد ادائیگی نہ کی جا سکی تو تب اس پر اضافہ دینا لازمی ہو گا۔

2 سود مفرد: یعنی مال کو اس شرط پر قرض دیا جائے کہ ادائیگی کے وقت اس میں اضافہ کرنا ہو گا۔

3 سود مرکب: اگر طے شدہ مدت پر ادائیگی ہو گئی تو اس میں مخصوص اضافہ دینا ہو گا۔ اور اگر طے شدہ مدت پر ادائیگی نہ کی جا سکی تو اس رقم میں سود شامل کر کے سرمایہ پر مزید ہر سال یا مخصوص مدت گزرنے پر مخصوص اضافہ مسلسل ہوتا رہے گا۔ یہ سود در سود یا سود مرکب کہلاتا ہے۔

4 ایک شخص نے دوسرے سے ایک شے ۱۰۰ روپے میں خریدی اور ۳ ماہ بعد قیمت کی ادائیگی کا وعدہ کر کے اس کو تحریر وصولی (پوسٹ ڈیٹ چیک یا ہنڈی وغیرہ) لکھ دی۔ اگر بیچنے والا طے شدہ مدت سے پہلے اپنی رقم وصول کرنا چاہے تو بنک (یا متعلقہ ذمہ دار) اس کو ۹۰ روپے یا کچھ کٹوتی کر کے ادا کر دے۔ اس کو 'ڈسکاؤنٹ' کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں معاملہ بر عکس ہوتا ہے۔

شریعت کی رو سے یہ سب صورتیں اور اس کے علاوہ ہر مشروط اضافہ سود کے ضمن میں آتا ہے، اور سب ہی حرام ہیں، قرآنِ کریم میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وإن تبتم فلكم رءوس أمولكم...۲۷۹﴾... سورۃ البقرۃ "اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے صرف تمہارے اپنے مال حلال ہیں"

امام بغویؒ اور قاضی ابن العربیؒ فرماتے ہیں:

"ربا عربوں میں ایک معروف چیز تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ وقت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا، مدت پوری ہونے پر مقروض مزید مہلت طلب کرتا تو اس کے عوض قرض کی مالیت میں اضافے کا وعدہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سود کو حرام کر دیا" (معالم التنزیل: ج۱، ص ۳۱۴/ احکام القرآن: ج۱، ص ۳۲۱،۳۲۰)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرض دینے یا مال پر ہونے والا ہر ایک اضافہ حرام ہے چاہے وہ سود مفرد کی شکل میں ہو یا مرکب کی صورت۔ جہاں تک قرآن کریم کی آیت ﴿أضعفا مضعفة﴾ سے استدلال کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں قرض دینے والوں کی عام عادت کا ذکر کیا جارہا ہے کہ عموماً قرض دینے والے سود در سود کی طرز پر قرض دیتے ہیں نہ کہ اس کو بطورِ شرط بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر یہی اسلوبِ بیان موجود ہے جیسا کہ سورۂ نور:۳۳ میں ﴿ولا تکرهوا فتیتكم على البغاء إن أردن تحصنا﴾ "اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں" میں 'اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں' کا جملہ بطورِ شرط کے نہیں کیونکہ زنا زبردستی سے کروایا جائے یا مرضی سے، ہر دو کے قبیح جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ولا تقربوا الزنی إنه كان فحشة وساء سبيلا ۳۲﴾... سورۃ الاسراء "زنا تو کھلی بے حیائی ہے، اس کے قریب بھی مت جائو، یہ برائی کا راستہ ہے"

ربا کی تعریف میں بعض نکات کی طرف اشارہ

"معاہدۂ لین دین میں بغیر کسی حق کے حاصل کئے جانے والے مشروط اضافے" کو ربا کہا جاتا ہے

معاہدۂ لین دین کے ذریعے صرفی قرض کے سود کے ساتھ تجارت کے سود کو بھی شامل کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی رو سے تجارتی سود بھی حرام ہے (دیکھیں ص ۵۵)

بغیر کسی حق سے مراد یہ ہے کہ مال میں اضافہ صرف کسی حق کی بنیاد پر لینا درست ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں "بغیر عوض" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے لیکن درحقیقت حق کا لفظ، عوض سے زیادہ جامع ہے کیونکہ کچھ لوگ مال میں اس اضافے کو وقت کا عوض قرار دیتے ہیں کہ "میں فلاں شخص کو اتنے وقت کے عوض مال دینے کی بنا پر مال میں اس قدر اضافہ کا تقاضا کرتا ہوں"۔ وقت کو عوض قرار دینے کا حیلہ درست نہیں کیونکہ معاوضہ صرف اسی شے کا درست ہے جس کا انسان مالک ہو اور وقت انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسلام کی نظر میں روشنی، ہوا، اور پانی کی طرح وقت بھی اللہ کی ایک عمومی نعمت ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا:

«لا تسبوا الدهر فإن الله هو الدهر» (صحیح مسلم: باب النهي عن سب الدهر)

"زمانے (وقت) کو گالی نہ دو، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ ہیں"

چنانچہ زر یا کسی بھی جنس کو صرف کچھ وقت کے عوض دینے پر اس میں اضافہ حاصل کرنا حرام ہے۔ کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز قابل استعمال ہو۔ اگر کوئی شے قابل استعمال نہیں تو اس کو صرف کچھ عرصہ دوسرے کے پاس رکھنے کے عوض فائدہ حاصل کرنا شریعت کی نگاہ میں حرام ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑا باریک نکتہ ہے لیکن یہ سود کی حرمت کا اور اسلام کے اقتصادی نظام کا اہم ترین نکتہ ہے۔ اسی نکتہ کو سمجھ لینے سے سود اور کرائے میں جوہری فرق بھی واضح ہو جائے گا۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جس طرح مختلف اشیاء کا کرایہ لینا اسلام میں جائز ہے، اس طرح سود بھی تو نقدی کا کرایہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اسلام اشیاء / اجناس کے کرائے کو تو جائز قرار دیتا ہے اور نقدی کے کرائے کو حرام۔ ذیل میں اسی سوال کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

سود اور کرائے میں فرق

کرایہ وقت گزرنے کا نہیں بلکہ کسی شے سے استفادے کا ہوتا ہے: ہر شخص وہی سامان، جنس یا انسان کی مزدوری کرائے / اجرت پر لیتا ہے جس سے اسے کچھ فائدہ اٹھانے کا امکان ہو۔ مثال کے طور پر بے کار گاڑی، بنجر زمین، نا قابل رہائش مکان کو کوئی شخص کرایہ پر نہیں لے گا نہ ہی بے ہنر اور نکمّے آدمی کو اُجرت پر حاصل کرے گا۔ در حقیقت ہر شخص کرایہ شدہ یا اُجرت شدہ چیز کو کسی مفاد یا استعمال کے لئے حاصل کرتا ہے اور وقت کے ذریعے اس استفادے کی پیمائش کرتا ہے۔ چنانچہ آجر اپنے فائدہ / استعمال کے عوض کرایہ / اجرت ادا کرتا ہے نہ کہ وقت کے عوض۔ وقت صرف پیمائش کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارا دن کام کے بجائے فارغ بیٹھ رہنے والے آدمی کو دیہاڑی کی اُجرت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی اوزار یا آلہ کرائے پر حاصل کیا جائے اور وہ کسی خرابی کی بنا پر کام نہ کرے تو اگلے دن اَوزار کے مالک کو یہ کہا جاتا ہے (جس کا مشاہدہ ہمیں آئے روز ہوتا رہتا ہے) کہ "اس آلہ نے کام نہیں کیا" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کے کرائے کا پابند نہیں اور ہمیں علم ہے کہ اس امر کی جانچ پڑتال کے بعد اگر واقعتاً وہ آلہ کام کے قابل نہ ہو تو اس کا مالک کرایہ وصول نہیں کرتا۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کرایہ / اُجرت وقت کے عوض نہیں بلکہ فائدہ کے عوض ہوتی ہے۔ اور جو شے بے فائدہ ہو اس کا کرایہ نہیں ہوتا جبکہ سود کی صورت میں قرض دینے والا اپنے زَر کو کچھ عرصہ دینے کے عوض فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے سود اور کرائے میں فرق نکات وار درج کئے جاتے ہیں:

روپیہ بذاتِ خود قابل استعمال شے نہیں جبکہ باقی اَجناس قابل استعمال ہوتی ہیں۔ روپیہ اپنی اصل حیثیت میں رہتے ہوئے کوئی فائدہ دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا، نہ اسے کھایا جاسکتا ہے، نہ پہنا جاسکتا ہے اور نہ اس میں رہائش رکھی جاسکتی ہے۔ کرنسی کا تو ایک ہی مصرف ہے کہ اس سے کچھ خریدا جائے اور اس خریدی ہوئی چیز سے استفادہ کیا جائے۔ غرضکہ کرنسی کا بنیادی وظیفہ قابل فائدہ ہونا نہیں بلکہ مفید شے کو خریدنے کی صلاحیت رکھنا ہے۔

چنانچہ بالفرض اگر سونا چاندی کی صورت میں کرنسی زیور کی شکل میں آجائے تو زیور سے چونکہ (زیب وزینت کا) فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے زیور کا کرایہ درست ہوگا۔ مزید وضاحت کے لئے ہمیں کرنسی /مال کے بنیادی وظائف کو سامنے رکھنا ہوگا۔ بنیادی طور پر کرنسی تین مقاصد کے لئے رواج پایا اور ارتقائی شکل اختیارات کرتے کرتے موجودہ کرنسی کی شکل کو پہنچا۔ کرنسی کا تمام ارتقاء بھی انہی تین نکات کے گرد گھومتا ہے:

(i) کسی شے کی حقیقی قدر کے تعین کے لئے

(ii) درمیانی واسطہ کے طور پر: مختلف اجناس میں تبادلہ ہر وقت ممکن نہیں ہوتا، ہر ہر شخص کو اپنی مطلوبہ جنس وقت پر بآسانی میسر نہیں آتی، ایک درمیانی ذریعہ / واسطہ ضروری تھا کہ اس کی مدد لیکر اپنی چیز کو فروخت کرکے معاشرہ کی ضروریات کے مجموعی حجم میں شامل کیا جائے اور اس کی قیمت وصول کرلی جائے اور اس قیمت کے ذریعے اپنی مطلوبہ جنس سے ضرورت پوری کرلی جائے۔

(iii) کرنسی کے لئے محفوظ ہونے اور آسان نقل وحمل کی صلاحیت رکھنا بھی ضروری تھا کیونکہ انسانوں کی ضروریات ایک مخصوص علاقہ میں پوری نہیں ہوتیں، بعض علاقے اگر اچھی فصلیں پیدا کرتے ہیں تو دوسرے مقامات پر بہتر ہنرمند / کاریگر دستیاب ہیں۔ چنانچہ اجناس کو محفوظ صورت میں منتقل کرنے اور آزادانہ نقل وحمل میں آسانی کیلئے کرنسی کا نظام وجود میں آیا۔ (پال اے سیموئل سن)

ان تین مقاصد کے علاوہ کرنسی کا کوئی چوتھا مقصد ابھی تک انسانی شعور نے قبول نہیں کیا۔ گو کہ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے چار بنیادی ذرائع پیداوار میں مال / کرنسی کو شامل کرکے اس کو ذریعہ پیداوار بنایا اور اس کا حاصل سود (۴) کو قرار دیا ہے لیکن یہی سرمایہ دارانہ نظام میں مالیاتی طبقاتی تقسیم کی بنیاد ہے اور آج تک سلیم الذہن انسان اس کو قبول نہیں کرسکے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا رقم ر کرنسی بذاتِ خود عامل پیداوار ہے یا نہیں؟علم معاشیات کی رو سے بھی زر کے بنیادی وظائف میں یہ بات شامل نہیں جیسا کہ معروف ماہر معاشیات پال اے سیموئل سن نے کرنسی کا ذریعہ پیداوار ہونا تسلیم نہیں کیا۔اوراسلام کی نظر میں بھی کسی جنس ر قابل استعمال شے کاتو کرایہ لیاجاسکتاہے جبکہ اشیاء کے حصول کے ایک وسیلہ (زَر) کاکرایہ لینادرست نہیں۔کیونکہ کرایہ استفادے کالیاجائے نہ کہ صرف وقت گزرنے کا!... معروف فلسفی ارسطواپنی کتاب السیاسۃ میں لکھتا ہے:

"پیسہ فطری طورپر بنجر ہے۔اورپیسے کاپیسے کو جنم دیناایک بالکل غیر فطری عمل ہے۔لہٰذاپیسے پر سود وصول کرنا قابل تحقیر ہے...پیسے کابنیادی مقصد تبادلہ اشیاء ہے نہ کہ سود کے ذریعے بڑھنا۔سود میں نقد کو استعمال کی شے بنایاجاتاہے جو اس کی طبیعت کے خلاف ہے، نقداس لئے وجود میں لایا گیاہے کہ وہ مبادلے کاذریعہ بنے۔"(بحوث فی الربا از ابوزہرہ مصری)

بعض علماء نے اس لیے سود اور کرائے میں یہ فرق کیاہے کہ سود کی صورت میں کرایہ شدہ زر کی ماہیت میں تبدیلی لانا ضروری ہے جس کے بغیر زَر سے فائدہ ہی نہیں اٹھایاجاسکتا۔جبکہ کرایہ کی دوسری صورتوں میں اس کرایہ شدہ جنس میں تبدیلی لانا ضروری نہیں ہوتا۔

قابل استفادہ چیز کے بارے میں یہ بھی اصول ہے کہ وہ استعمال سے کم ہوتی ہے۔چنانچہ قابل کاشت زمین، سواریاں ،رہائش، مشینری میں استعمال کے بعد نقص واقع ہوتا، جن کی تکمیل ان کامالک حاصل شدہ فائدے سے کرتاہے۔اس طرح جاندار سے کام کروانے کی صورت میں بھی اس کو اپناخونِ جگر جلاناپڑتاہے اوراپنی ضائع شدہ توانائی کی خوراک اور جسمانی آرام کے ذریعے تلافی کرناپڑتی ہے۔چنانچہ حدیثِ نبویؐ میں ہے: «في كل ذات كبد رطبة أجر «

"ہر ترجگر والے کی محنت کااَجر (بدلہ) ہے"(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۴۶۶)

بعض لوگ قابل کاشت زمین کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں کیا کمی واقع ہوتی ہے۔ تحقیق کی رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ فصل کے ساتھ زمین کی پیداواری صلاحیت میں بھی کمی ہوتی رہتی ہے (۵) جبکہ کرنسی چونکہ خود قابل استعمال شے نہیں،اس لیے اسے اپنی مکمل صورت میں ہی قرض دینے والا واپس حاصل کرلیتاہے۔جس کااسے کوئی عوض بھی نہیں دیناپڑتا۔

کرایہ کی صورت میں کرایہ دار مالکانہ حقوق نہیں بلکہ استفادے کے حقوق رکھتا ہے۔ اور ملکیت اصل مالک سے منسلک رکھتی ہے۔ جبکہ مال کو کرائے پر دینے کی صورت میں ملکیت میں تبدیلی ہونالازمی اَمر ہے۔ کیونکہ سود کی صورت میں قرضدار کرنسی میں کلی تصرف کا اختیار رکھتا ہے اور ایک مخصوص عرصے کے بعد ہی وہ کرنسی کی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ کرایہ کی دوسری صورتوں میں کرایہ شدہ شے کی ملکیت اصل مالک سے منسلک رہتی ہے۔ اور کرایہ دار اس شے میں کلی تصرف یا ہر قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہوتا... اس اعتبار سے درج ذیل نکات اس بحث سے نکلتے ہیں:

(1) اسلام کی رو سے سرمایہ ذریعہ پیداوار نہیں۔

(2) وقت کی اُجرت لینا حرام ہے کیونکہ اللہ کی دوسری نعمتوں روشنی اور ہوا کی طرح یہ بھی ایک عمومی نعمت ہے جس میں سب بغیر کسی معاوضے کے شریک ہیں۔

(3) کرایہ / اجرت کسی قابل فائدہ شے کا ہوتا ہے، چاہے وہ بے جان چیز سے فائدہ ہو یا جاندار سے!

(4) فائدہ اٹھانے کے عوض شے میں کمی واقع ہوتی ہے جس کے تلافی کے لیے کرایہ، اجرت حاصل کی جاتی ہے۔ (کرائے اور اجرت میں تلافی کے علاوہ نفع کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے)

(5) سرمائے سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی ماہیت بدلنا ضروری ہے۔

(6) کرایہ میں مالکانہ حقوق مالک کے پاس رہتے ہیں جبکہ سود میں قرضدار مال میں آزادانہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔

(7) علم معاشیات کی رو سے بھی کرنسی کے وظائف / مقاصد میں ذریعہ پیداوار ہونا شامل نہیں۔

اس بحث سے اس سوال کا جواب باسانی مل سکتا ہے کہ اسلام نے کرایہ کو کیوں جائز قرار دیا ہے اور سود کو کیوں حرام۔ اور ہر دو میں کون سے وہ بنیادی فرق ہیں جن کا شریعت نے لحاظ رکھا ہے...

ربا الفضل:

قرض پر سود (ربا النسیئۃ) تو ربا کی وہ معروف صورت ہے جس میں قرض پر کوئی مشروط اضافہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہی وہ صورت ہے جو اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب، معاشروں اور دانشوروں کے ہاں زمانہ قدیم سے حرام سمجھی جاتی رہی ہے۔ یہ ربا کی واضح

ترین صورت ہے جبکہ شریعتِ محمدیؐ نے ربا کی ایک اور صورت بھی متعارف کرائی ہے جسے ربا الفضل کہا جاتا ہے۔ ربا الفضل کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: (بروایتِ حضرت ابو سعید خدریؓ) (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۱۵۸۴)

"سونا سونا کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے (ان کا سودا) برابر برابر اور نقد و نقد کرنا جائز ہے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سودی معاملہ کیا۔ لینے اور دینے والا اس میں برابر ہیں"

ذخیرۂ احادیث میں ربا کی پہلی صورت یعنی ربا النسیئہ کے حوالے سے تقریباً ڈیڑھ سو احادیث ملتی ہیں جبکہ ربا الفضل کے بارے میں آنے والی احادیث کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، جس میں اس کی مختلف صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ احادیث متواتر کا درجہ رکھتی ہیں، یاد رہے کہ متواتر حدیث کسی شرعی حکم کو ثابت کرنے میں علماء کے متفقہ موقف کے مطابق قرآن کی طرح ہی قطعی ہوتی ہے۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا مخصوص اَجناس کا اسی جنس سے سودا کیا جائے تو دو شرطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

سودا نقد و نقد ہو۔ یعنی ادھار کی صورت میں نہیں بلکہ ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

دونوں اَجناس کے وزن میں بھی برابری ضروری ہے۔

☆ اگر ان اجناس میں ایک جنس کا غیر جنس سے سودا ہو تو تب وزن میں کمی و بیشی تو ہو سکتی ہے لیکن نقد ہونا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

» فإذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئيم إذا كان يدا بيد «

"پھر اگر جنس مختلف ہو جائے تو جیسے چاہو لین دین کر لو، بشرطیکہ یہ تبادلہ دست بدست یعنی نقد و نقد ہو" (صحیح مسلم: حدیث ۱۹۷۰)

اگر دونوں میں سے ایک شرط بھی ساقط ہو جائے تو یہ سود کا معاملہ ہو گا اور سود کی مذمت میں وارد جملہ مناہی کی زد اس پر پڑے گی۔ بعض احادیث میں چاندی کی جگہ ورق (چاندی کا سکہ) اور بعض احادیث میں منقیٰ (ساتویں جنس) کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں طَعَام کا لفظ بھی آیا ہے۔

کیا ربا الفضل صرف چھ اَجناس میں حرام ہے؟: اس بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۸٦) اگر بنظر عمیق ان اَجناس کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں دو جنسیں (سونا چاندی) تو وہ ہیں جو عموماً ثمن کی بنیاد ہوتی ہیں اور

باقی تین اَجناس (گندم، کھجور، جو اور بعض احادیث کے مطابق منقیٰ) وہ ہیں جو قُوت یعنی مختلف معاشروں میں خوراک کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ جبکہ چھٹی جنس (نمک) وہ ہے جو خوراک کو جزوِبدن بناتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان اَجناس میں ثمن اور قوت ہونے کا عنصر حاوی ہے۔ خوراک ہونے کے غالب عنصر ہونے کو ہی بعض احادیث میں طعام کے مطلق لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیع میں نقد و نقد اور برابر برابر ہونے کی شرط لگا کر دراصل شریعت ان بنیادی ضرورت کی اَجناس کی دستیابی کو آسان تر کرنا چاہتی ہے۔ یعنی ان کو حاصل کرنے میں نوعِ انسانی کو زیادہ مشکلات اور خرید و فروخت کی پیچیدگیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ان کے سودے کی حدود پہلے ہی معین کر دی جائیں۔ شریعت کی یہی حکمت اس حدیث سے بھی واضح ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

»المسلمون شركاء في ثلاث : الماء والنار والكلإ«(أبو داود: باب في منع الماء)

"مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، آگ اور گھاس"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی بہت سے بنیادی ضرورت کی چیزوں میں اگر کسی کے پاس فالتو شے ہو تو اسے تجارت کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ بنیادی ضرورت کی حد تک اسے دوسرے کا حق سمجھے۔

ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمتیں:

(1) الغرض ربا الفضل صرف مخصوص اشیاء میں ہی حرام ہے اور وہ مخصوص اشیاء (جن کی شریعت نے حد بندی کر دی ہے) وہ ہیں جو غالباً ثمن یا قوت کی بنیاد ہوتی ہیں۔ اور شریعت اس پابندی کے ذریعے ایسی اشیاء کی خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ربا الفضل فی نفسہٖ بھی حرام ہے۔ جیسا کہ نبی کریم نے اس کو عین سود سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھئے گذشتہ صفحے پر حدیثِ مسلم اور اگلے صفحہ پر حدیثِ ابی سعید میں خط کشیدہ الفاظ)

(2) حضرت عمر فاروقؓ ان چھ اَجناس میں دو شرطوں کے ضروری ہونے کی یہ حکمت بھی قرار دیتے ہیں کہ "تم اس کے ذریعے اصل سود میں مبتلا نہ ہو جائو" چنانچہ شاہ ولی اللہؒ، حافظ ابن قیمؒ اور امام شاطبیؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ "ربا الفضل کے حرام ہونے کی حکمت، دراصل حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے"

(3) عقلی طور پر یہ بات بڑی عجیب سی لگتی ہے کہ اعلیٰ قسم کی گندم کو کمتر درجہ کی گندم کے ساتھ برابر وزن میں ہی بیچا جائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے بھی صحابہ نے یہ سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کا حل یہ ہے کہ ان کو پہلے درہم دینار کے عوض بیچ لیا جائے اور اس درہم و دینار کے عوض مطلوبہ گندم کی زیادہ یا کم مقدار حاصل کرلی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے: (صحیح بخاری، کتاب البیوع)

"حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس برنی کھجور (اعلیٰ قسم) لائے۔ آپؐ نے پوچھا: کہاں سے لائے؟ کہا: ہمارے پاس ناکارہ کھجوریں تھیں، تو میں نے ایک صاع کے بدلے دو صاع کے حساب سے بیچ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو خالص سود ہے، یہ تو خالص سود ہے۔ ایسا مت کرو، ہاں جب ایسا ارادہ ہو تو اپنی کھجور الگ بیچو اور اس رقم سے دوسری کھجور خرید لو"

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت ان بنیادی ضرورت کی اشیاء میں بالکل کھرے اور واضح لین دین کو رواج دینا چاہتی ہے یعنی اگر کسی جنس کو مال سے بیچ کر دوسری جنس کو خریدا جائے گا تو اس سے ہر دو کی حقیقی قدر کا تعین ہو جائے گا اور کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ کیونکہ کرنسی کا بنیادی وظیفہ یہ بھی ہے کہ وہ مال کی حقیقی قدر کا تعین کر دیتی ہے اور ایک جنس کے سودے میں اس کی قدر کا واضح تعین اور شک و شبہ کا کلی اِنسداد دَراصل اس جنس کی خرید و فروخت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ خرید و فروخت میں آسانی کا لازمی نتیجہ ان اَجناس کی آزادانہ اور وسیع تر خرید و فروخت میں نکلے گا۔

کیا ربا صرف اُدھار میں ہی ہوتا ہے؟ اوپر بیان کردہ بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ربا الفضل بھی سود کے زمرے میں شامل ہے۔ احادیثِ نبویہ میں واضح الفاظ میں اس کو ربا شمار کیا گیا ہے (دیکھیں مذکورہ بالا حدیث میں خط کشیدہ الفاظ)۔ آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے کہ ربا الفضل کی زد میں کون کون سے سودی لین دین آتے ہیں... عام طور پر جن دلائل کے ذریعے ربا کو صرف ادھار کے سود تک محدود کیا جاتا ہے، ذیل میں ان کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

(1) عام طور پر ربا کی تعریف «كلّ قرض جرّ منفعة فهو ربا» (ہر ایسا قرض جو نفع کو لائے) کے الفاظ سے کی جاتی ہے اور انہیں حدیثِ نبوی باور کرایا جاتا ہے جبکہ اس کی سند میں سوار بن مصعب نامی راوی ضعیف ہے۔ اس حدیث کی دیگر شواہد روایات بھی موجود ہیں جن کا جائزہ لینے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ نہیں بلکہ محمد بن سیرینؒ تابعی کا قول ہے یعنی

حدیثِ مقطوع۔ اسی طرح بعض صحابہ مثلاً فضالہ بن عبیدہ سے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ مروی ہیں۔ چنانچہ اس کو زیادہ سے زیادہ صحابی کا قول کہا جاسکتا ہے۔

یہ تو اس حدیث کے فرمان نبوی ہونے کی حقیقت ہے جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے تو یہ ربا کی مکمل تعریف نہیں بلکہ ربا کے ایک حصے صرفی قرض کے سود تک محدود ہے۔

(2) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول «لَا رِبَا اِلاَّ فِی النَّسِیئَۃِ» (بخاری: ج۱ ص۱۳۸) سے بھی یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ آپؓ صرف بصورتِ ادھار سود کے قائل تھے۔ جبکہ عربی زبان میں ایسا اسلوبِ بیان معنی میں قوت پیدا کرنے کے لئے اور بیان کردہ امر کو اہمیت دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ﴾ محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ آپ کی بہت صفات ہیں لیکن آپ کی صفتِ رسالت کا تسلیم کرنا ہی ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب بھی یہ ہے کہ عموماً ادھار کی بنا پر لین دین میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ بعض روایات کی رو سے حضرت ابن عباس پہلے صرف ادھار سود کے قائل تھے پھر انہوں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے مذکورہ بالا حدیث سننے پر ربا الفضل کی حرمت بھی تسلیم کرلی اور اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا۔ (معجم کبریٰ طبرانی: ج۱ ص۲۸،۲۷/ اضواء البیان: ج۱، ص۲۹۵ تا ۳۰۹)

إن الفاظ کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا اور لا ربا إلا في النسیئۃ والی حدیثِ موقوف پر بنیادی اعتراض یہی وارد ہوتا ہے کہ ان دونوں میں ربا کی صرف ایک قسم یعنی ربا النسیئہ یا صرفی قرض پر سود کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اگر ان کو ربا کی تعریف تسلیم کرلیا جائے تو ربا الفضل ان کے دائرے میں شامل نہیں ہوتا (نہ ہی تجارتی سود اس کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ قَرض کا لفظ صرف ذاتی مقاصد کے لئے حاصل کئے جانے والے اُدھار کے لئے مخصوص ہے)۔ جب کہ نبی اکرم کے فرمان کے بموجب ربا الفضل بھی ربا میں شامل ہے... واضح رہے کہ علماءِ امت میں ان چھ اَجناس میں دو شرطوں کو ملحوظ رکھے بغیر لین دین کو ربا الفضل سمجھتے ہوئے حرام ہونے پر اتفاق رہا ہے۔

ہمیں ربا الفضل کو ربا کی تعریف اور مباحث میں شامل کرنے پر اس لئے اصرار ہے کہ اس کے بغیر ربا کا دائرہ بہت محدود ہوجاتا ہے جبکہ شریعت میں اس کا دائرہ کار وسیع اور اس کی ممنوعیت کی حکمتیں بہت زیادہ ہیں۔ جس میں ایک طرف ضرورت کی بنیادی اشیاء کی آسان اور سادہ بیع کی ترویج شامل ہے تو دوسری طرف ثمن یعنی کرنسی کے لین دین بھی اس میں شامل ہیں۔ ربا الفضل

کو شامل کرنے سے تجارتی سود لازماً ممنوعہ سود میں شامل ہو جاتا ہے کہ ربا الفضل کا تعلق ہی بیوع یعنی کاروبار سے ہے۔ وہ لوگ جو ربا الفضل سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، دراصل وہ اس طرح تجارتی سود کو سند جواز بخشنے کی سعیٔ نامشکور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ربا النسیئۃ (ادھار کا سود) تو ربا القرآن ہے۔ جبکہ ربا الفضل، ربا الحدیث ہے کیونکہ قرآن کریم میں صرف ادھار پر سود کی حرمت موجود ہے اور ربا الفضل کی ممانعت صرف حدیث میں آئی ہے۔

یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہر دو کی بنیادیں موجود ہیں، اسی طرح ربا النسیئۃ جس کو یہ لوگ ربا القرآن کہتے ہیں، کے بارے میں ڈیڑھ سو احادیث ملتی ہیں۔ قرآن کریم تو ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیتا ہے جس میں صرفی (ذاتی ضرورت کے لئے) سود کے ساتھ ساتھ تجارتی سود بھی شامل ہے (دیکھئے ص ۵۵)۔ اسی طرح ربا الفضل میں بھی پہلی شرط یعنی نقد و نقد ہونے کی شرط ربا النسیئۃ کی قبیل سے ہے اور برابر وزن ہونے کی شرط ربا الفضل کی بنیاد پر۔ شریعت قرآن اور حدیث ہر دو میں پھیلی ہوئی ہے اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل و توضیح کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے دعوے صرف من مانی تاویلوں کی گنجائش نکالنے اور سود کے چور دروازے تلاش کرنے کے مترادف ہیں۔ علماء قرآن اور حدیث دونوں کو شرعی حکم کے ثابت کرنے میں برابر کا درجہ دیتے ہیں کیونکہ دونوں ہی شریعت اور وحی الٰہی ہیں۔ بالخصوص اس وقت جبکہ کوئی حدیثِ نبوی متواتر کے درجے کو پہنچ جائے تو وہ شرعی حکم کے ثبوت میں قرآن کا سا درجہ رکھتی ہے اور قطعی الثبوت ہوتی ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

تجارتی سود (کمرشل انٹرسٹ)

بعض دین بیزار لوگ جب شریعت میں سود کی اس قدر شدید حرمت اور مذمت پاتے ہیں تو عموماً درج ذیل اعتراضات کے ذریعے سود کے بارے میں شبہات پیدا کرتے ہیں:

1 اسلام نے زیادہ شرح سود کو حرام کیا ہے جس میں قرض لینے والے پر ظلم ہوتا ہے، جبکہ مناسب شرح سود (Interest) کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ شبہ تو وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جن کے ذہن پر مغرب کی اندھی تقلید کا بھوت سوار ہے۔ چونکہ وہ سود کے بارے میں اہل مغرب کا طرزِ عمل یہی دیکھتے ہیں، اس لئے اسلام سے بھی اس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اسلام میں زیادہ اور کم شرح سود کے حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اس شبہ کی وضاحت تفصیل سے پیچھے گزر چکی ہے (دیکھیں ص ۴۴)

2 بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں تجارتی سود کاوجود نہ تھا، صرف ذاتی حاجات کے لئے قرضے لئے جاتے تھے، اس لئے شریعت میں بھی انہیں ہی حرام کیا گیاہے اسی طرح موجودہ بنکنگ کا نظام وغیرہ بھی جدید دور کی پیداوار ہے، اسلام میں بنکوں سے لئے جانے والے قرضوں کی حرمت کا کیسے ذکر ہو سکتا ہے؟

3 قرآن کریم میں صرف ذاتی حاجات کیلئے حاصل کئے جانیوالے قرضے پر سود کی حرمت موجود ہے

اُصولی طور پر یہ اعتراضات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سب میں قدرِ مشترک یہی ہے کہ کسی بہانے سے سود کی بعض صورتوں کو حلال کرلیاجائے اور اپنے ضمیر کے علاوہ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی دھوکہ دے کر سودی لین دین کو رواج دے دیاجائے۔

(1) کیا قرآنِ کریم میں تجارتی سود کا تذکرہ موجود نہیں؟

قرآن کریم میں سورۂ بقرہ (جہاں تفصیل سے سود کے بارے میں آیات موجود ہیں) میں صدقات کی آیات کے فوراً بعد سود کی حرمت اور مذمت والی آیات لائی گئی ہیں جس سے پتہ چلتاہے کہ قرآن کریم صدقات کے بعد سود کی حرمت ذکر کرکے قرض لینے والے کی ضرورت کو صدقات سے پورا کرنے کی ترغیب دے رہاہے۔ شبہ یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ سود کے بالمقابل صدقات کی ترویج کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہی سود حرام ہے جو ذاتی حاجات کے لئے لیا جائے کیونکہ صدقات فقراء کیذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہی دیئے جاتے ہیں۔

یہ اِستدلال درست نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ایک طرف ﴿يَمحَقُ اللَّهُ الرِّبواوَيُربِى الصَّدَقـٰتِ﴾ (اللہ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرورش کرتاہے) میں سود کے خاتمہ کے لئے صرفی قرضوں کا حل صدقات تجویز کیا گیاہے تو دوسری طرف ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ البَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبوا﴾ (اللہ نے تجارت کو حلال کیااور سود کو حرام) کے ذریعے ربا کو تجارتی معاہدوں کے بالمقابل بھی پیش کیا گیا ہے

یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں آیاتِ سود سے پہلے اگر صدقات کی ترغیب موجود ہے تو آیاتِ سود کے فوراً بعد تجارتی قرضوں کے تفصیلی اَحکام پر مبنی ایک پورار کوع بھی موجود ہے۔ جو ﴿يـٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا إِذا تَدايَنتُم بِدَينٍ﴾ (اے مسلمانو! جب تم تجارتی قرضے دینے لگو تو اسے لکھ لیا کرو) سے شروع ہو کر ان آیات پر ختم ہو تا ہے کہ ﴿وَإِن تُبدوا ما فى أَنفُسِكُم أَو تُخفوهُ يُحاسِبكُم بِهِ اللَّهُ﴾ "جو تم اپنے اندر چھپاتے ہو یا اسے ظاہر کرتے ہو، اللہ سب کا خوب حساب لینے والا ہے"

اس آخری آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ سود خوروں کو یہ تنبیہ فرمارہے ہیں کہ "سود خوری کے لئے حیلے، بہانے تلاش نہ کرو، تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ اللہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے وہ روزِ قیامت ظاہری طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ دلوں کے بھید اور پوشیدہ اغراض کا بھی خوب حساب لے گا۔ اس لئے خلوصِ دل کے ساتھ سود سے اجتناب کرو"

چنانچہ آیاتِ سود کے متصل رکوع میں تجارت کے اَحکام موجود ہیں۔ اس کے لئے یہ نکات پیشِ نظر رہنا چاہئیں:

قرض اور دَین کا لفظ عموماً مترادف سمجھا جاتا ہے جبکہ عربی زبان میں ان دونوں میں فرق ہے۔ قرض اس اُدھار پر بولا جاتا ہے جو ذاتی / صرفی مقاصد کے لئے لیا جائے۔ جبکہ دَین کا لفظ ذاتی اور تجارتی ہر دو قسم کے قرضوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے قرض اور دین میں عام وخاص کی نسبت ہے۔ قرض خاص ہے اور دین عام (مترادفات القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی، ص۱۲۸)

1 دَین کا درست ترجمہ ذمہ داری یا انگریزی میں) Liability ادائیگی کی ذمہ داری) ہوگا جس میں کاروباری قرضے بھی شامل ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ ﴿اِذاتَدایَنتُم بِدَینٍ اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمًّی...۲۸۲﴾... سورۃ البقرۃ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "یہ آیت خصوصی طور پر بیع سَلَمکے بارے میں اتری ہے (طبری: ج۳، ص۱۱٦)

2 قرآنِ کریم اللہ جل شانہ کا کلام ہے اور اس میں ایک ایک لفظ بڑی معنویت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے قرآنِ کریم کے اندازِ بیان، محاورہ اور الفاظ کے باریک تر انتخاب سے بھی استدلال کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں قرض کی بجائے دین کا لفظ استعمال کرنا بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اس رکوع کو صرفی قرضوں تک محدود کرنا قطعاً غیر درست ہے۔ بلکہ اس میں تجارتی و صرفی ہر دو قسم کے قرضوں کا بیان اور اَحکام موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس کو بیع سَلَم کے بارے میں مخصوص کیا ہے اور ہمیں علم ہے کہ عربی زبان میں.بیعتجارتی لین دین کو ہی کہا جاتا ہے۔

(iii)سورۂ بقرہ کی اسی آیت ۱۸۲ میں اَمانت کے اَحکام کا تذکرہ بھی موجود ہے اور کچھ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اَمانت سے تجارت کرنے کا ثبوت صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے ملتا ہے، اِس سے بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کے احکامِ تجارت کو بھی شامل ہیں۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کا طرزِ عمل اس حدیث میں موجود ہے:

"حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے لئے رکھا کرتے تھے۔ مگر وہ کہتے کہ میں اَمانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں جس سے میں تجارت کروں گا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب ان کے بیٹے نے حساب کیا تو یہ تجارتی قرضے (اَمانتیں) ۲۲لاکھ درہم تھے جو ان کی جائیداد سے ادا کئے گئے۔" (بخاري: کتاب الجهاد، باب برکة الغازي في ماله)

قرآن کریم میں تجارتی سود کی حرمت کے مزید دلائل یہ ہیں:

(1) سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۹ میں اللہ تعالیٰ سود خوروں سے اعلانِ جنگ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وإن تبتم فلكم رءوس أمولكم﴾

"اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے رأس المال (سرمایہ/اصل مال) حلال ہیں"

جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ قرآنِ کریم میں الفاظ کا انتخاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں اصل مال کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ حقیقی یا ذاتی مال کے بجائے رأس المال (Capital Investment) کا لفظ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ رأس المال تجارت کی اصطلاح ہے۔ تجارت میں شامل کئے جانے والے اصل مال کو جس کے ذریعے مزید منافع کمانا مقصود ہوتا ہے، رأس المال کہا جاتا ہے۔

(2) سورئہ روم کی آیت نمبر ۳۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وما ءاتيتم من ربًا ليربوا في أمول الناس فلا يربوا عند الله...۳۹﴾ ...سورۃ الروم

"اور جو سودی قرض تم اس لئے دیتے ہو کہ دوسرے کے مال میں پروان چڑھے تو وہ اللہ کے ہاں پروان نہیں چڑھتا"

اس آیت کے الفاظ پر ذرا غور کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ تجارتی قرضوں کو بھی شامل ہے کیونکہ ذاتی مقاصد کے لئے حاصل کئے جانے والے قرض کا مقصد حاجت پوری کرنا ہوتا ہے، مال میں اضافہ کرنا نہیں۔ اگر سود صرف صرفی قرضے تک محدود ہوتا تو اس طرح کے الفاظ ہونے چاہئے تھے کہ "جو قرض تم لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لئے دیتے ہو یا جو قرض اس لئے دیتے ہو تاکہ تمہارے مال میں اضافہ ہو" جبکہ یہاں یہ الفاظ ہیں کہ اس ادھار سے دوسرے (منفعت بخش کاروبار کریں اور) اپنے مالوں میں اضافہ کریں... اللہ تعالیٰ تجارتی مقاصد کے لئے دیئے جانے والے قرضوں کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں مال میں اس طرح اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ اضافہ حاصل کرنا حرام ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ سود مال میں اضافہ نہیں کرتا جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

(3) ﴿يأيہا الذين ءامنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا...۲۷۸﴾...سورۃ البقرۃ
"اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جائو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو"

مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تجارتی سود کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر طبری: ج۳، ص۱۰۷) مزید تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

تجارتی سود شامل ہونے کے دیگر دلائل

1 ربا کی تعریف علمائے امت کے ہاں الزیادۃ في الدین سے کی جاتی ہے نہ کہ الزیادۃ في القرض سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دَین (یعنی صرفی و تجارتی قرضے ہر دو) میں مشروط اضافے کو رِبا کہا جاتا ہے۔

2 ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ البَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبوا﴾ اور ﴿وَذَروا ما بَقِىَ مِنَ الرِّبوا﴾ وغیرہ کے قرآنی الفاظ میں ربا کے لفظ پر اَل موجود ہے۔ اور عربی قواعد کی رو سے یہ اَل استغراق کا ہے جو تمام اقسام کو اپنے تحت شامل کرنے کا معنی دیتا ہے۔
یعنی الربوا عام ہے اور اصولِ فقہ میں عَام اسے کہا جاتا ہے جو "ان تمام افراد و اقسام پر صادق آئے جو اس کے مفہوم میں شامل ہو سکتے ہوں"... عَام کو پہچاننے کے صیغوں میں اَل استغراقی بھی داخل ہے۔ (اصولِ سرخسی: ج۱، ص۱۵۱)
غرض عربی قواعد کی رو سے الربوا کا لفظ ہر قسم کے سود کو شامل ہے چاہے وہ تجارتی ہو یا صرفی، مرکب ہو یا مفرد۔
ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں تجارت

علماء نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے عہدِ نبوی میں تجارت کے وجود پر تفصیلات جمع کی ہیں۔ ذیل میں ان کے چیدہ چیدہ نکات درج کئے جاتے ہیں:

جزیرۂ عرب کرۂ ارضی کے مختلف آباد علاقوں کے وسط میں واقع ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب یعنی ہندوستان اور اس کے ارد گرد کے ممالک کی مصر، سوڈان، الجزائر، تیونس (براعظم افریقہ) اور بلادِ شام سے تجارت جزیرۂ عرب کے راستے ہی ہوتی تھی۔ اسی طرح شمال سے جنوب یعنی یمن، جنوبی افریقہ کی عراق، ایران اور بلادِ یورپ سے تجارت بھی جزیرۂ عرب کے واسطے سے ہوتی۔ عرب کی سر زمین پہاڑوں، نا قابل کاشت میدانی علاقوں اور بے آب و گیاہ صحرائوں پر مشتمل ہے اور زراعت کو عرب میں معزز پیشہ بھی خیال نہیں کیا جاتا لہٰذا اہل عرب کی گزر بسر ان تجارتی قافلوں میں اپنا قابل فروخت سامان شامل کر کے ہوتی تھی۔ یا قافلوں کو لوٹ مار کر اپنا دانہ پانی پورا کیا جاتا۔ بعض لوگ انہی قافلوں کو بحفاظت گزارنے کے عوض ٹیکس بھی وصول کرتے۔ گویا جزیرۂ

عرب مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں بین الاقوامی منڈی بنا ہوا تھا جس میں شہر مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ قرآن کریم کی سورۂ قریش میں انہی تجارتی قافلوں کا ذکر موجود ہے:

﴿لِإِيلَٰفِ قُرَيْشٍ ١ إِۦلَٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ٢ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ٣ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ٤﴾... سورة قريش "اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو، مانوس رکھنا سردی اور گرمی کے سفر میں، انہیں چاہئے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں جو بھوک میں ان کے کھانے کا بندوبست کرتا اور انہیں خوف سے امن میں رکھتا ہے۔"

☆ یاد رہنا چاہئے کہ جنگِ بدر کا پیش خیمہ بھی ابوسفیان کی سرکردگی میں آنے والا قافلہ ہی بنا تھا جس میں سامان سے لدے ہوئے دو ہزار اونٹ شامل تھے۔

ابوسفیان تجارتی قافلے کے سربراہ کے طور پر ہی شام گیا تھا جب اُس سے ہرقلؔ نے سوال و جواب کئے

کئی مؤرخین نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درآمد و برآمد کی تجارت ۵۰ لاکھ دینار یعنی ۴ر اَرب روپے سالانہ تک پہنچتی تھی۔

انہی تجارتی قافلوں سے سامان کی خریداری کے لئے قریش میں چار بڑے میلے بھی مشہور ہیں جن میں عکاظ کے میلے کی مناسبت سے بعض واقعات احادیث میں موجود ہیں۔

احادیث میں تجارت کی بیسیوں ایسی اقسام کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں تجارتی کاروبار نہایت عروج پر تھا۔

صحابہ کرامؓ میں متعدد لکھ پتی تاجر بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کے اپنے تجارتی سامان کو اللہ کی راہ میں دینے کے واقعات مشہور ہیں۔

ان حالات میں یہ فرض کر لینا کہ عہدِ نبوی میں تجارت نہایت پر خطر تھی لہٰذا برائے نام رہ گئی، ایک بے معنی مفروضہ ہے جس کی مخالفت تاریخ سے بھی ہوتی ہے اور قرآن سے بھی۔ ہم انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون "Banks" کے اس اقتباس پر اپنی بات ختم کرتے ہیں جس کو مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب سُود میں درج کیا ہے:

"جزیرۃ العرب کے آس پاس ملکوں (عراق، مصر، شام، یونان اور روم) میں تجارتی، صنعتی اور ریاستی اَغراض کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا اور دیا جاتا تھا۔ ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات تھے تو یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ عرب تجارتی سود سے باخبر ہی نہیں تھے؟"

صحابہ کرامؓ میں تجارتی قرضے... اَحادیث کی روشنی میں

1 حضرت عمرؓ کے بیٹے عبد اللہؓ اور عبید اللہؓ ایک لشکر میں شام ہو کر عراق گئے۔ واپسی پر بصرہ کے امیر ابو موسیٰ اشعریؓ سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ "میرے پاس بیت المال کا کچھ حصہ ہے جسے میں امیر المؤمنین کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم وہ مال مجھ سے قرض لے کر عراق سے اس کا سامان خرید لو اور مدینہ پہنچ کر منافع پر بیچ دینا، اور اصل رقم امیر المومنین کو ادا کر کے منافع خود رکھ لو" حضرت عمرؓ کے بیٹوں نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (موطأ امام مالک، باب ماجاء فی القراض)

2 ہندؓ بنت عتبہ نے حضرت عمرؓ سے بیت المال سے ۴ ہزار درہم کا قرض (تجارت کے لئے) مانگا جو انہوں نے دے دیا۔ ہندؓ بنت عتبہ کو کاروبار میں خسارہ ہو گیا لیکن انہوں نے بیت المال کو پورا قرضہ ادا کر دیا۔ (تاریخ طبری: ۵/۲۹)

3 حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس لوگ بڑی بڑی رقمیں امانت کے لئے رکھا کرتے تھے۔ مگر وہ کہتے کہ میں اَمانت نہیں بلکہ قرض لیتا ہوں۔ جس سے میں تجارت کروں گا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب ان کے بیٹے نے حساب کیا تو یہ تجارتی قرضے (اَمانتیں) ۲۲ لاکھ درہم تھے جو ان کی جائیداد سے ادا کئے گئے۔ (بخاری: کتاب الجهاد، باب بركة الغازي في ماله)

حرمتِ سود سے قبل سودی تجارتی قرضے

1 حضرت ابن جریر آیت ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا﴾ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دورِ جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا۔ جب اسلام آیا اور سود حرام ہوا تو بنو مغیرہ کے ذمے بنو عمرو کا بہت سا مال واجب الادا تھا۔ جس کو بنو مغیرہ نے سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر بنو عمرو نے عتاب بن اُسیدؓ (امیر مکہ) کے پاس اپنا دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عتابؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اس سود کے بارے میں پوچھا تو اللہ نے یہ آیت اتار دی۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو" رسولِ اکرم ﷺ نے یہ آیت لکھ کر عتابؓ (امیر مکہ) کو بھجوائی اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ اگر بنو عمرو سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوں تو ان کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو" (تفسیر ابن جریر طبری: ج ۳، ص ۱۰۷)

ابن جریر نے عکرمہؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ

"بنو عمرو کے جو اَفراد بنو مغیرہ کو قرض دیا اور لیا کرتے تھے، ان میں [تین بھائی] مسعود ثقفی عبد یالیل، حبیب [بن عمرو بن عمیر] اور ربیعہ وغیرہ شامل ہیں" (ابن جریر طبری: ج ۳، ص ۱۰۷)

ان حضرات کا طائف کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا اور یہ محتاج اور بھوکے ننگے نہیں بلکہ مالدار لوگ تھے۔ واضح سی بات ہے کہ ان کے یہ قرضے ذاتی اغراض واِحتیاج کی تکمیل کے لئے نہیں، تجارتی مقاصد کے لئے تھے۔ چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں ابن جریر فرماتے ہیں: «كان ربا يتبايعون به في الجاهلية» "یہ وہ سود تھا جو جاہلیت میں لوگ تجارتی مقصد کے لئے لیتے تھے"

2 صاحبِ تفسیر خازن مذکورہ بالا آیت (سورۃ البقرہ ۲:۲۸۷) کے تحت تجارتی سود کے بعض مزید واقعات درج کرتے ہیں:

"حضرت عباسؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید زمانہ جاہلیت میں باہمی شراکت سے سودی کاروبار کیا کرتے تھے۔ وہ طائف کے قبیلہ بنو عمیر کو کاروباری مقاصد کے لئے سود دیتے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر انہوں نے اپنا کافی زیادہ سود (جو بنو عمیر کے ذمے تھا) چھوڑ دیا۔ یہ وہی سود تھا جس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ان الفاظ سے کیا:

"جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے ہیں اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان یعنی عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں" (مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ)

سورۃ البقرہ کی یہ آیت ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا﴾ نبی اکرم ﷺ کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئی۔ اسی لحاظ سے حجۃ الوداع اور اس آیت کا زمانہ نزول قریب قریب ہے۔

کاروباری سود کا یہی واقعہ ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں سدیؒ کے حوالے سے یوں روایت کرتے ہیں:

"حضرت عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کا ایک شخص (حضرت خالدؓ بن ولید بن مغیرہ) آپس میں کاروباری شریک تھے۔ انہوں نے بنو عمرو (طائف) کو تجارتی قرضے دیئے۔ جب اسلام کا دور آیا تو ان کا بہت سا مال سود میں واجب الادا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وذروا ما بقي من الربوا﴾ (تفسیر ابن جریر: ج ۳، ص ۱۰۷)

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ دیگر بیسیوں ایسے شواہد موجود ہیں جو یہ مفروضہ بالکل غلط ثابت کر دیتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں تجارتی قرضوں کا کوئی تصور نہ تھا اور صرف ذاتی (صرفی) مقاصد کے لئے (مہاجنی) قرضے لئے جاتے تھے۔ اس زمانہ کی تجارت اور ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضوں وغیرہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مولانا مودودیؒ کی کتاب سود (ص ۲۰۰ تا ۲۱۵، مطبوعہ ۱۹۹۷ء) اور مولانا عبد الرحمن کیلانی کی تصنیف: تجارت کے اَحکام و مسائل، باب ۵: سود)

سود کے جواز کے لئے مختلف بہانے

سود کو جائز قرار دینے کے لئے مختلف بہانے یوں تراشے جاتے ہیں:

(1) باہمی رضامندی سے سود لینا جائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ﴿يـٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا لا تَأكُلوا أَموٰلَكُم بَينَكُم بِالبـٰطِلِ إِلّا أَن تَكونَ تِجـٰرَةً عَن تَراضٍ مِنكُم...﴾ ۲۹ ... سورۃ النساء "اے ایمانَ والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے"

(2) سود کے حرام ہونے کی علت ظلم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: ﴿وَإِن تُبتُم فَلَكُم رُءوسُ أَموٰلِكُم لا تَظلِمونَ وَلا تُظلَمونَ ۲۷۹﴾... سورۃ البقرۃ "اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے اصل مال لینا حلال ہیں، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے"... چنانچہ اگر سود میں ظلم کا عنصر نہ پایا جائے تو سود حلال ہونا چاہئے۔

(3) جس سود میں ظلم کا عنصر نہ ہو اور وہ باہمی رضامندی سے ہو، اس کے ساتھ منفعت بخش مقاصد (مثلاً تجارت) کے لئے ہو تو اس سود کو تو بالاولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ کیونکہ تجارت کا مقصد بھی منافع حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور اسلام میں اس کی تعریف کی گئی اور خوب ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ذاتی مقصد کے لئے حاصل کردہ قرض پر سود تو حرام ہے لیکن تجارتی مقصد کے لئے سود کی حرمت سمجھ سے بالاتر ہے۔

ان اعتراضات کے شافی جوابات کے لئے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ تفصیل سے ہر ہر نکتہ کو عقل و نقل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جائے اور غلط استدلال کی قلعی کھولی جائے۔ لیکن چونکہ ان موضوعات پر مستقل مباحث الگ سے موجود ہیں جن میں سے بعض محدث کے حالیہ شمارے میں بھی شامل ہیں لہٰذا حسبِ ضرورت ان کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ بالاختصار ان کا جائزہ لینے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم بعض عنوانات کے تحت ان کی وضاحت پیش کرتے ہیں:

(2) کیا باہمی رضامندی سے سود لینا جائز ہے؟

(1) اس بحث میں پڑنے سے پہلے ہم اس استدلال کا جائزہ لیتے ہیں جو قرآنِ کی آیت سے لیا گیا ہے:

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو" (النساء:۲۹)

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر سود باہمی رضامندی سے ہو تو اس وقت سود لینا جائز ہے۔ کیونکہ اس آیت میں باطل طریقوں میں باہمی رضامندی کے الفاظ سے حلال طریقوں کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے۔

(i) اس آیت کے الفاظ پر ہی معمولی غور کرنے سے اس استدلال کا بوداپن معلوم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں سود کے اَحکام کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ تجارت اور معاہدے کی شرائط ذکر ہو رہی ہیں اور وہ یہ کہ تجارتی معاملہ میں باہمی رضامندی شرط ہے ﴿إلا أن تكون تجرة عن تراض منكم﴾ مگر یہ کہ وہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ ہم پیچھے یہ بحث کر آئے ہیں کہ تجارت اور سود دونوں میں واضح طور پر فرق ہے اور ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے" دونوں میں عمل کے لحاظ سے اگر اتنے واضح فرق نہیں تو نتائج کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے (دیکھئے ص) یہی وجہ ہے کہ شریعت میں سود کی شدید ترین مذمت آئی ہے تو تجارت کی واضح ترغیبات موجود ہیں۔ اس لئے ﴿إلا أن تكون تجرة﴾ کے الفاظ کو نظر انداز کرنا نری من مانی اور قرآن کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے مترادف ہے۔

(ii) قرآن وحدیث سے مسائل اَخذ کرنے کا مسلمہ اُصول یہ ہے کہ ایک موضوع پر میسر آنے والے تمام اَحکام کو یکجا کرکے ان سے مشترکہ اَحکام نکالے جائیں۔ کسی مقام پر موجود کسی ایک لفظ کو سیاق وسباق سے جدا کرکے اپنے مطلب میں استعمال کرلینا اِلحاد وزندقہ کا طور طریقہ تو ہو سکتا ہے، اسلام کا نہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیث میں جو متعدد بار سود کی واضح ترین حرمت اور مذمت آئی ہے حتیٰ کہ قرآن میں اسے اللہ سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے تو باہمی رضامندی سے سود کو حلال کرنے والوں کی نگاہوں سے یہ آیات اور احادیث کیوں اوجھل ہیں۔ جو انہیں اس آیت کی اِتباع کا اس قدر شوق چرایا ہے۔ یہ تو صریحاً اس آیت کے مصداق ہے:

﴿أفتؤمنون ببعض الكتب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منكم إلا خزي في الحيوة الدنيا ويوم القيمة يردون إلى أشد العذاب وما الله بغفل عما تعملون ٨٥﴾... سورة البقرة "کیا تم شریعت کا کچھ حصہ لے لیتے ہو اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہو، ایسا کرنے والوں کی اس کے سوا کیا جزا ہے کہ دنیا میں انہیں رسوائی ہو اور آخرت میں برے عذاب کے سپرد کیا جائے۔ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے قطعاً غافل نہیں"

(2) شریعت کا مطلب ہی "بنائی ہوئی چیز" کے ہیں۔ یعنی یہ زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ / راستہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے اپنی مخلوق کے لئے جس طرزِ حیات کو ان کی زندگی بہتر گزارنے کے لئے مناسب اور موزوں سمجھا ہے، وہ اس نے ہم پر نازل کی اور ہم مسلمان (فرمانبردار) ہونے کے ناطے اس کو قبول کر چکے ہیں اور اب اس طریقے کے پابند ہیں۔ اللہ کا عظیم

احسان ہے کہ اس نے فلاح کے راستے کا تعین انسانوں پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کا تعین اپنی حکمتِ بالغہ سے خود فرما دیا۔ اس طریقے میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ ہم خود ہیں، نہ ہی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذاتِ بابرکات تھی۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ولو تقول علينا بعض الاقاويل [44] لاخذنا منه باليمين [45] ثم لقطعنا منه الوتين [46] فما منكم من أحد عنه حجزين [47]﴾... سورة الحاقة

"اے نبی! اگر آپ بھی کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر ہم سے منسوب کریں گے تو ہم آپ کو اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑ لیں گے اور آپ کی شہ رگ کاٹ ڈالیں گے، اور تم میں سے کوئی ہمیں اس (سزا دینے) سے روک نہیں سکتا"

نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا فریضہ صرف تبلیغ ورسالت ہے خواہ وہ وحی جلی کی صورت میں ہو یا خفی (حدیث وسنت) کی صورت میں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ "محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تو صرف پہنچانے والے ہیں" چنانچہ اگر نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذات پر شارِع کا لفظ کبھی بولا جاتا ہے تو وہ مجازی معنی میں ہے، حقیقی میں نہیں کہ آپ شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک امر کو اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کے بعد مسلمان باہمی رضامندی سے حلال کر سکتے ہیں۔ بعض ایسے مسلمان جو سود کی اَندھی وکالت کرتے ہوئے باہمی رضامندی سے سود کھانے کے جواز کا فتویٰ دینا چاہتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیال ہے باہمی رضامندی سے زنا کے بھی حلال ہو جانے کے بارے میں یا شراب اور قتل کے جائز ہونے کے بارے میں؟... کیا کوئی مسلمان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ اسلام کے اَحکام اس گنجائش کے متحمل ہیں۔ اس لئے ذرا کھلی آنکھوں کے ساتھ بصیرت سے اپنے دعویٰ کی زد میں آنے والے دیگر اَحکام کو بھی ایک نظر دیکھ لینا ضروری ہے۔

(3) مندرجہ بالا دلائل تو لفظی اور شرعی نوعیت کے تھے۔ لیکن ذرا واقعاتی طور پر اس کا جائزہ لیں کہ آیا کوئی شخص خوشدلی سے سود دینے پر راضی ہو سکتا ہے۔ زیادہ گہرے غور وفکر کی ضرورت نہیں، اگر ایک شخص کو ایک لاکھ روپے قرض درکار ہے اور اس کو سود بلکہ کم شرح سود کے ساتھ ساتھ دوسری جگہ سے بغیر کسی شرط کے بلا سود بھی ایک لاکھ مل سکتے ہوں تو کون ایسا شخص ہے جو بغیر کسی وجہ کے سود ادا کرنا پسند کرے۔

یہ تو یوں ہی ایک فریب اور ڈھکوسلا ہے کہ قرضدار اپنی رضامندی سے سود ادا کرتے ہیں۔ اگر انہیں بلا سود قرض دستیاب ہو سکے تو وہ کبھی سود پر قرض حاصل نہ کریں۔ یہ تو ان کی مجبوری کو رضامندی سے تعبیر کرنے کا محض ایک فریب ہے۔ اسلام ہی وہ خدمتِ انسانی کا جذبہ، باہمی ایثار ومحبت اور خلوص کے وہ جذبات پیدا کرتا ہے جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان

بھائی کی ضرورت نہ صرف قرض بلکہ قرضِ حسنہ (جس میں ادائیگی کی مدت کا بھی تعین نہ ہو) کی صورت میں پوری کرتا ہے کیونکہ مسلمان کا تصورِ فلاح اپنے رب کی اطاعت اور حصولِ درجات سے جڑا ہوتا ہے اور وہ اُخروی مقاصد کے تحت ایسا کرتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے صفحہ ۲۲۰)

بہت کم صورتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ سودی معاہدہ فریقین کی رضامندی سے ہو لیکن ایسا اکثر اس سے بڑے شر کے حصول کے لئے اور ہوس پرستانہ مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ جس طرح بنکوں میں بچتیں جمع کرانے والے لالچ اور ہوسِ زر میں سودی اکائونٹ کھول لیتے ہیں اور بنک اس لئے سود ادا کرنے پر راضی ہو جاتا ہے کہ وہ اس رقم سے اس سے زیادہ شرحِ سود وصول کرے گا۔ بالفرض اگر رضامندی سے سودی معاہدہ ہو بھی جائے تو اس سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ سود کی حرمت کی بنیاد شریعت کے اَحکام ہیں نہ کہ باہمی رضامندی جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے

(3) کیا سود کی حرمت کی علت 'ظلم' ہے؟

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يأيها الذين ءامنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا إن كنتم مؤمنين ٢٧٨ فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله وإن تبتم فلكم رءوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون ٢٧٩﴾... سورة البقرة

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اگر واقعی تم مؤمن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر سود سے توبہ کر لو تو تم اپنے اصل سرمایہ کے حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"

اِن آیات میں سود کی حرمت اور مذمت کرتے ہوئے، سود چھوڑنے کا طریقہ بیان کیا گیا اور آخر میں نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے، کے الفاظ سے سود کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ بعض حضرات یہ بات کہتے ہیں کہ سود کی حرمت کی بنیادی وجہ ظلم کا ہونا ہے۔ چونکہ قرض لینے والا محتاج اور فقیر ہوتا ہے اور اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے قرض کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا قرض دینے والا اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس پر ظلم کرتا ہے۔ سود در سود (سود مرکب) کی شکل میں یہ ظلم شدید تر ہوتا جاتا ہے۔ بالفرض اگر کسی صورت میں قرض لینے پر ظلم کا اِرتکاب نہ ہوتا ہو اور سود سے منفعت بخش کاروبار کرنا چاہے تو سود لینا جائز ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے فیصلہ مقدمہ سود کے پیرا ۴۲۱ میں سود کی حرمت کی علت ظلم کو قرار دیا ہے۔

والدِ گرامی حافظ عبد الرحمن مدنی نے اپنے عدالتی بیان میں اس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے۔ یہ عدالتی بیان محدث میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ جس کے صفحات ۷۸ تا ۸۱ خصوصیت سے قابل توجہ ہیں۔

علت اور حکمت اُصولِ فقہ کی اصطلاح میں دو مختلف چیزیں ہیں۔ علت تو اس بنیاد کو کہا جاتا ہے جس پر کوئی شرعی حکم موقوف ہوتا ہے۔ اگر وہ علت باقی نہ رہے تو وہ شرعی حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ جبکہ حکمت سے مراد وہ مصلحت ہے جس کو شارع اس حکم کی تشریع کے ذریعے پورا کرنا چاہتا ہے، یہ مصلحتیں متعدد بھی ہو سکتی ہیں۔ یاد رہے کہ شرعی حکم کسی حکمت کے وجود یا عدمِ وجود پر موقوف نہیں ہوتا۔ بسا اوقات کسی حکمت کے ساقط ہونے پر شریعت بعض دیگر ذرائع سے اس مقصد ر حکمت کو حاصل کر لیتی ہے لہٰذا اس حکمت کے ختم ہونے پر شرعی حکم کو ساقط نہیں کیا جا سکتا... واضح رہے کہ علت کی تلاش ایک مشکل اور پیچیدہ اَمر ہے کہ شارع نے کسی شرعی حکم کو کیوں لاگو کیا ہے۔ علت کے لئے متعدد شرطیں بھی ضروری ہیں جو اُصولِ فقہ کی کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظلم سود کی حرمت کی حکمت ہے یا علت؟ سود کے مفاسد کا بنظر غائر جائزہ لیں تو ظلم کو اس کی علت قرار دینا درست نظر نہیں آتا۔ ہماری رائے میں ظلم کا وجود سود کی حرمت کی ایک اہم حکمت ہے، کیونکہ سود کی حرمت صرف اس کی بنا پر نہیں ہے۔ بعض ایسی صورتیں بھی ہو سکتی ہیں جہاں بظاہر ظلم نہ ہو رہا ہو لیکن سود حرام ہو۔

(4) منفعت بخش مقاصد کے لئے سود کی حرمت؟

یہ گذشتہ اعتراض کا ہی ایجابی پہلو ہے... جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ سود کی حرمت صرف ظلم کے وجود پر ہی موقوف نہیں، علماء نے سود کے بے شمار مفاسد گنوائے ہیں۔ بعض اس کو تکنیکی وجوہ کی بنا پر حرام سمجھتے ہیں اور بعض علماء اس کے اَخلاقی اور معاشرتی مفاسد کو اس کی حرمت کی وجہ بتاتے ہیں۔ مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ لکھتے ہیں: (تجارت اور لین دین کے احکام: ص۷۸)

"سود اسلامی تعلیمات کا نقیض اور اس سے براہِ راست متصادم ہے۔ اس کا حملہ بالخصوص اسلام کے معاشرتی اور معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں ایک دوسرے کا بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ آپس میں مروّت، ہمدردی، ایک دوسرے پر رحم اور ایثار کا سبق سکھلاتا ہے۔ اللہ نے مسلمانوں پر آپس کے بھائی چارے کو اپنا خاص اِحسان قرار دیا (آل عمران: ۱۰۳) اور یہی چیز رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی بھر کی تربیت کا ماحاصل تھا جبکہ سود انسان میں ان سے بالکل متضاد صفات یعنی بخل، حرص، لالچ، مفاد پرستی اور شقاوتِ قلبی پیدا کرتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی عین ضد ہے... اسلام کے معاشی نظام کا ماحاصل یہ ہے کہ دولت گردش میں

رہے اور اس گردش کا بہائو امیر سے غریب کی طرف ہو، اسلام نے نظامِ زکوۃ وصدقات کو اس لئے فرض کیا ہے، قانونِ میراث اور حقوقِ باہمی اسی کی تائید کرتے ہیں جبکہ سودی معاشرہ میں دولت کا بہائو ہمیشہ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی سود اسلام کے معاشی نظام کی عین ضد ہے"

ان سب باتوں سے اتفاق کے ساتھ ساتھ ہم ان پر یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ دراصل سود منفعت بخش ہوتا ہی نہیں۔ کیونکہ اوّل تو سود کے ذریعے تخلیق مال (تخلیق منافع) ہوتا ہی نہیں بلکہ یہ صرف ناروا تقسیم مال (اغتصابِ مال) کا ایک ہتھکنڈا ہے ۔سود میں 'انسانی محنت 'کا وہ بنیادی عنصر ہی موجود نہیں جس سے منافع تخلیق ہوتا ہے۔ یہ صرف نقد کے ذریعے دوسرے کی کمائی کو غصب کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

دوسرے، سود میں اگر ذاتی سطح پر ظلم، اَذیت اور ضرر موجود نہ بھی ہو تو قومی معاشرتی سطح پر سود کے ذریعے آخر کار ان کا وجود ضرور پایا جاتا ہے۔ معاشرتی سطح پر اذیت اور ظلم انفرادی اور شخصی اذیت سے کہیں زیادہ تباہ کن اور دور رَس ہوتا ہے ۔ہمارے معاشرے میں بھی رونما ہونے والی قومی اور معاشرتی مشکلات کے پیچھے سود کا ظالمانہ عنصر ضرور کار فرما ہے۔ چونکہ سود ہر حال میں مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، اس لیے شرحِ سود سے زیادہ نفع کمانے کے لیے مقروض کو ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ کاروبار میں ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ اور ناجائز و حرام ذرائع استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ نفع کو شرحِ سود سے بلند تر رکھنے کے لیے کارکنوں کی اُجرت کم سے کم تر رکھ کر اور وقت سے زیادہ کام لیکر ان کا استحصال کیا جاتا ہے، اور ان تمام ناروا ہتھکنڈوں سے ناجائز منافع کما کر قرض دینے والے کو صرف اس لیے ادا کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے سود پر پیسے دیئے تھے۔ جب کہ اس اضافے کی تحصیل میں اس نے نہ کوئی محنت صرف کی، نہ کسی قسم کے رِسک سے دوچار ہوا اور نہ کاروباری مشکلات اور تقاضوں میں اس نے کوئی حصہ ڈالا۔ صرف اپنے پیسے کی بنیاد پر مال میں اضافہ وصول کرنا اس کا استحقاق ٹھہرا۔ دوسری طرف مظلوم یا خون پسینے کی محنت سے معمولی اُجرت حاصل کرنے والا طبقہ جب اس طرح اپنی محنت کا حقیقی معاوضہ وصول نہیں کر پاتا، اور اپنی محنت کے بل بوتے پر دوسرے کو عیش و عشرت کرتا اور گلچھرے اڑاتا دیکھتا ہے تو مایوسی، بیچارگی اور افسردگی کا شکار ہو کر ناروا طریقوں سے اور اپنے زورِ بازو سے اپنا حصہ خود وصول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب مزدوروں کا حق غصب ہوتا ہے تو ردّ عمل کے طور پر وہ معاشرہ کی ہر چیز اور فرد سے بددل ہو کر انتقام کی ٹھان لیتے ہیں۔ ان رویوں اور قانون شکنیوں کا معاشرہ پر جو اثر

پڑتا ہے اس کی تصویر آج ہم کھلی آنکھوں اپنے معاشرے میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ اختصار کی غرض سے اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے (تفصیل کیلئے ص ۲۰۷) اس کے بعد کیا یہ دعویٰ کرنا درست دکھائی دیتا ہے کہ منفعت بخش مقاصد کے لیے سود جائز ہونا چاہیے۔

سود کو اللہ نے حرام کیا ہے اور اس کی شدید ترین مذمت کرتے ہوئے اس کو اپنے سے جنگ کے مترادف قرار دیا، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ سود شر محض ہے۔ سود کی بنا پر ہونے والے کسی معاہدے یا معاملے میں خیر کا وجود محال ہے، اگر سود میں ایسی کوئی گنجائش ہوتی تو اس کی وضاحت شریعتِ مطہرہ میں ضرور کر دی جاتی۔ قرآنِ کریم اور فرامین نبویہ ؐ میں نہ صرف سود کو مطلقاً حرام کیا گیا بلکہ اس پر گواہی دینے والے اور اس کو لکھنے والے سب کو گناہ میں برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے۔ شریعت میں ہر قسم کا سود حرام ہے چاہے وہ صرفی ہو یا تجارتی، نیک مقاصد کیلیے یا ناروا مقاصد کے لیے۔ سود ہر لحاظ سے حرام ہے اور اسلام کا بنیادی تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر طرح کے سود سے کلی نفرت اور مکمل اجتناب کیا جائے اور سود کو ختم کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے۔

اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

یوں تو مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لئے اس سوال کی زیادہ اہمیت نہیں رہ جاتی بلکہ مسلمان کا تو کام یہ ہے کہ اگر اسے کسی شے کے بارے میں شرعی حکم کا یقینی دلائل سے علم ہو جائے تو دل و جان سے اس کو قبول کرے کہ یہی تقاضائے مسلمانی ہے۔ اس کے باوجود بعض ضعیف ُالاعتقاد مسلمانوں کی تشفی کے لئے علماء اور ماہرین معیشت نے ان متعدد وجوہات کو درج کیا ہے جو اسلام کے اس حکم کی تائید کرتی ہیں۔ حسن اتفاق کہئے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ تمام الہامی مذاہب، فلاسفہ اور دانشوروں کے ہاں سود قدیم سے حرام چلا آرہا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی سود نہ صرف مذہبی بلکہ معاشرتی بنیادوں پر حرام تھا جسے وہ Usury کا نام دیتے۔ Usury کی مذمت میں اس قدر زیادہ لٹریچر پھیل چکا ہے اور اس لفظ کے تاریخی استعمال نے اس شدت سے سامعین کے ذہنوں کو جکڑ رکھا ہے کہ وہ Usury کی تائید میں کوئی اچھا کلمہ سننے کو تیار نہیں۔ چنانچہ من چاہے مقاصد کے حصول کے لئے اہل یورپ کے بااثر طبقہ نے سود کو رواج دینا چاہا تو اس کے لئے انہیں Usury کے بجائے Interest کا لفظ تخلیق کرنا پڑا۔ اور اب تک Interest ایسے معصوم لفظ کے لبادے میں Usury کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ حقیقت اور امر واقعہ آج بھی وہی ہے کہ ہر دو میں کوئی خطِ امتیاز اور حدِ فاصل سرے سے ہی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک لفظی کھیل ہے جو Usury کے نفرت آمیز پس منظر سے چھٹکارا حاصل کرنے کو شروع ہوا۔ (تفصیل کے لئے ص: ۱۸۰)

یوں تو معاشیات میرا موضوع نہیں ہے اور فنی طور پر میں اس کی بیشتر اصطلاحات سے ناواقف ہوں لیکن ایک عام سی سمجھ بوجھ رکھنے والے فرد ہونے کے ناطے اور اس موضوع پر مطالعہ کے بعد درج ذیل نتائج کو پہنچا ہوں:

1 سود صرف مال کی ظالمانہ تقسیم کرتا ہے، مال میں واقعاتی اضافہ نہیں کرتا: اسلام نے سود کے بالمقابل تجارت کو قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تجارت میں فی الواقع مال میں نشوونما ہوتی ہے۔ جبکہ سود صرف مال کی ناروا تقسیم کا کھیل ہے۔ جس میں متعدد محتاج ہاتھوں سے پیسہ آہستہ آہستہ چند مقتدر ہاتھوں کی طرف جمع ہوتا رہتا ہے۔ سود کے اس چکر میں بعض نچلے طبقوں کی رقم آہستہ آہستہ طبقہ امرا کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ سود میں صرف زَر کو ذریعہ پیداوار تسلیم کرکے کچھ مال سے مزید مال جمع کرنے (نہ کہ پیدا کرنے) کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ مال دار کو چونکہ اپنے اصل مال میں کمی کا کوئی امکان نہیں بلکہ اضافے کا یقین ہوتا ہے لہٰذا آہستہ آہستہ وہ اس مال سے مزید مالدار ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ سود کی صورت میں پیسہ، پیسے کو کھینچتا ہے۔

اس صورت میں معاشرے سے متوسط طبقہ آہستہ آہستہ ختم ہو کر صرف دو طبقات باقی رہ جاتے ہیں، ایک تو بے شمار وسائل و ذرائع رکھنے والے امراء کا طبقہ اور دوسرا انتہائی ناکس، مجبور اور مظلوم طبقہ۔ ٹھیک یہی تصویر سرمایہ دارانہ نظام پیدا کرتا ہے کیونکہ اس میں مال کو ذریعہ پیداوار تسلیم کیا گیا ہے اور اس کا حاصل سود قرار دیا گیا ہے۔ سود کی ترویج میں طبقاتی نظام پیدا ہونا ایک لازمی تقاضا ہے۔ دولت کا صرف چند ہاتھوں میں جمع ہونے کا یہ مفروضہ حقیقت کا روپ یوں دھارتا ہے کہ قرض دینے والوں کا تو سود کی صورت میں مال میں اضافہ یقینی ہے اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ سود کے ذریعے مال میں اضافہ نشوونما کے ذریعے نہیں بلکہ ناروا تقسیم کے ذریعے ہوتا ہے۔ لازمی سی بات ہے کہ نسبتاً کم تر وسائل رکھنے والے افراد کے مال ہی سود کی صورت میں بڑے مالداروں کی طرف جمع ہوتے جائیں گے۔ اس سرکل کو جس طرح بھی بیان کر لیا جائے، نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

اس کے بدلے میں سود معاشرے کے نچلے طبقوں میں مایوسی، چڑچڑاپن، ناداری اور محتاجی کو رواج دیتا ہے جس کے نتیجے میں پسا ہوا طبقہ اپنی محنت سے نہیں بلکہ غیر قانونی ہتھکنڈوں سے مال و دولت کے حصول کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً چور بازاری، ڈاکہ اور لوٹ مار کے واقعات عام ہو جاتے ہیں۔ ذرا تفصیل میں جائیں تو اس کے مفاسد مزید کھلتے ہیں۔ اگر کوئی سرمایہ دار تجارتی قرضہ حاصل کرتا ہے تو اسے یقینی طور پر سود کی ادائیگی کے لئے مصارف پر کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے وہ ملازمین کی تنخواہوں میں کمی، اِستعداد سے زیادہ کام اور اپنی مصنوعات کا حق سے زیادہ منافع وصول کرتا ہے۔ نتیجتاً استحصال، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن تنخواہوں میں کمی، استعداد سے زیادہ کام، ذخیرہ اندوزی اور دھوکہ دہی سے قیمتوں میں گرانی کا

سارا اثر صارف پر پڑتا ہے۔ نتیجتاً سود کا تمام بوجھ آخر کار ایک طبقہ پر آن پڑتا ہے اور دوسرا طبقہ مال دار سے مال دار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ معاشرے میں متوسط طبقہ ختم ہو کر صرف دو طبقے باقی رہ جاتے ہیں۔

مصر کے نامور عالم، معروف دانشور اور شیخ الازہر شیخ محمد عبدہؒ فرماتے ہیں:

"جب نقد بجائے خود ذریعہ پیداوار بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دولت ان لوگوں کے پاس جمع ہو جائے گی، جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ نقد سے نقد کمایا جائے" (تفسیر المنار: ج۳، ص۱۰۹)

2 تجارت سے مال میں نشوونما ہوتی ہے: سود کی صورت میں صرف مال، مال سے ٹکرا کر مزید مال اکٹھا کرنے کا وسیلہ بنتا ہے ۔یہی بات صدیوں پہلے ارسطو نے بھی کہی تھی:

"سود ایسا طریقہ کسب ہے جس میں نقد سے نقد کمایا جاتا ہے... دولت حاصل کرنے کے طریقوں میں یہ سب سے بدترین ہے۔" (بحوث فی الربا از مصری فقیہ ابو زہرہ م ۱۹۷۴)

دولت کمانے کے اس طریقے میں انسان کی کاوِش کو تو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا جبکہ مال ہر طرح محفوظ ہوتا ہے۔ جبکہ کائنات میں ہر شے انسان کے دم بدم سے قائم اور اس کے لئے ہی تیار کی گئی ہے۔ انسان کی محنت وصلاحیت ہی وہ حقیقی جوہر ہے جو زمین سے لہلہاتے کھیت اور فصلیں، درختوں سے خوبصورت فرنیچر، مٹی سے بلند و بالا عمارتیں اور مادے سے اپنے کام کی بے شمار چیزیں بناتا ہے۔ اگر ان میں سے انسان کی ہنر مندی اور محنت ومشقت کو نکال دیا جائے تو کوئی شے بھی وہ صورت اختیار نہ کر سکے جو آج ہمیں ہر دم نظر آتی ہے۔

تجارت کی صورت میں دراصل انسان کی محنت کو ہی تحفظ میسر آتا ہے۔ اسلام نے مضاربت کی صورت میں نقصان ہونے پر ایک طرف محنت کرنے والے کی محنت کے ضیاع کو قبول کیا ہے اور دوسری طرف سرمایہ والے پر سرمائے کا تمام نقصان برداشت کرنا لازمی ٹھہرایا ہے۔ اس لئے وہی نظام حقیقی معنوں میں انسان کی مشکلات کا مداوا کر سکتا ہے جو انسان کی جہد وکاوش کا پوری طرح محافظ ہو۔

سود کی صورت میں دونوں طرف مال کا عنصر ہوتا ہے، تیسرا عنصر کوئی نہیں جس سے مال میں نشوونما نہیں ہو سکتی، ہاں ظالمانہ طور پر مزید مال کا حصول ضرور ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ جبکہ تجارت میں تیسرا اہم ترین عنصر انسانی محنت کا ہے جس سے مال میں حقیقی نشوونما ہوتی ہے اور قومی معیشت ترقی کرتی ہے۔ انسان کی محنت کا صحیح بدلہ میسر آنے پر معاشرے میں محنت کو فروغ ملتا اور

ا

ہنر مندی و لیاقت کی قدر دانی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی اصولِ تجارت یعنی مضاربت ومشارکت وغیرہ میں کوئی شخص ضرورت پڑنے پر اپنا سرمایہ فوراً علیحدہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کا نقصان وابستہ ہونے کی بنا پر اسے کاروبار کے حالات ملحوظِ خاطر رکھنا پڑتے ہیں۔ جبکہ سود خور کو صرف اپنے پیسے سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ عین ایسے وقت اپنے پیسے کا تقاضا کر بیٹھتا ہے جب کاروبار کے لئے اس کے بغیر جاری رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ سود خور کا مفاد تو محفوظ ہوتا ہے اور وہ اسے ہر صورت مل کر رہتا ہے۔ بلکہ ایسے حالات میں پیسے کا تقاضا اس کے سودی کاروبار کو (سود در سود یا دوبارہ سودی معاہدے کی شکل میں) مزید ترویج دینے کا باعث بنتا ہے۔ اس سے مطلب پرستی اور سنگدلی کے جذبات معاشرے میں فروغ پاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی حرمت نہ صرف اقتصادی اور تکنیکی بنیادوں پر قائم ہے بلکہ اخلاقی اور معاشرتی وجوہات کی بنا پر بھی سود حرام ہے کیونکہ سود کی ترویج کی صورت میں معاشرہ میں انتشار، ظلم، بخل، مطلب پرستی، اسرف ،مایوسی اور لوٹ مار پروان چڑھتے ہیں۔

(ii) اگر تجارت سود سے زیادہ نفع بخش نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنکوں سے سود پر تجارتی قرضے لینے والے کیونکر یہ قرضے حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ سرمائے سے انسانی محنت کو شامل کر کے اس قدر زیادہ منافع کمانے میں کامیاب ہو جائیں گے جس سے وہ بنک کا سود بھی ادا کر لیں گے اور خود بھی خوشحال اور مالدار بن سکیں گے۔

3 سود ایک مخصوص شرح تک نفع بخش ہو سکتا ہے، اس کے بعد تجارت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں یہ بات عملی تجربے کے بعد پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ چونکہ سود مال میں نشوونما نہیں کرتا بلکہ ایک طرف تو معاشرتی ناہمواری پیدا کرتا ہے ۔ دوسری طرف ایک مخصوص سطح تک پہنچنے کے بعد سودی کاروبار میں مزید اضافے اور ترقی کے امکانات نہیں رہتے۔ وہ ممالک جن کی معیشت ترقی پذیر ہے، وہاں سود سے فائدہ اٹھانے کے مواقع موجود ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں سود کا مستقبل روشن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ نصف دہائی میں ایک طرف یورپ کے بے شمار بڑے بنک دیوالیہ ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں تو دوسری طرف کافی بنک دوسرے بنکوں سے اِدغام کرنے پر مجبور ہیں۔ حتیٰ کہ بعض بنک بڑی علامتی شرح سود کے ذریعے اپنا کاروبار جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس کے بجائے وہاں بھی تجارتی بنیادوں پر سرمایہ کاری کا رجحان فروغ پا رہا ہے کیونکہ اس میں انہیں زیادہ شرح منافع میسر آتی ہیں۔ (تفصیل کے لئے صفحہ ۱۸۸)

4 سود میں پیسے کو بند اور جمع کرنے کا رجحان ہے: جبکہ گردشِ دولت سے ہی معیشت میں ترقی ہوتی ہے۔ معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کہ گردشِ دولت معیشت میں خوشحالی لاتی ہے۔ دولت جتنے زیادہ ہاتھوں سے ہو کر گزرے گی، اتنے زیادہ طبقات اس پر اپنی محنت صرف کر کے اس سے اپنا حصہ وصول کریں گے۔ معاشیات میں یہی بات ایک اور انداز سے یوں بھی کہی جاتی ہے کہ ایک شخص کا خرچ دوسرے کی آمدنی ہوتا ہے۔ ایک شخص جتنی زیادہ اشیاء خریدتا ہے، اتنے زیادہ لوگ اس سے مختلف سودوں کی وجہ سے آمدنی حاصل کریں گے۔ ہم بھی اپنے روزمرہ تجربے کی بنا پر خوب سمجھتے ہیں کہ ایک سامان جتنے زیادہ واسطوں سے ہم تک پہنچے گا، اس قدر زیادہ مہنگا ہو گا، یعنی اس قدر زیادہ لوگ اس میں اپنا حصہ وصول کریں گے۔ ان سب مثالوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گردشِ دولت کا دائرہ جتنا وسیع ہو گا، اتنے ہی لوگ اس سے اپنا کام و دہن کا سامان کر سکیں گے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہوں گے۔ تجارت انہی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ جبکہ سود میں ذخیرہ اندوزی اور جمع کرنے کا رجحان غالب ہے۔ کیونکہ سود پر پیسہ دینے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقم اس کے پاس موجود ہو تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ قرض دے کر سود جمع کر سکے۔ اگر وہ تجارت میں رقم لگائے گا تو اس کو نقصان کا خطرہ رہے گا۔ جبکہ یہی نقصان کا خطرے اسے سود سے زیادہ اضافے کا حقدار بناتا ہے۔ لیکن سود خوری ایک مزاج تشکیل دیتی ہے اور وہ ہے بغیر کسی محنت و کاوش کے مال جمع کرنے کی ہوس۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اپنا مال گنتے رہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۱ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۲﴾... سورة الھمزة

"ہر چغلی خور اور غیبت کرنیوالے پر افسوس ہے جو مال جمع کرتا رہتا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے"

سودی لین دین کا ایک بنیادی عنصر بچت ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں حیات بخش خون کہلاتی ہے سود کی جو صورتیں ہمارے معاشرے میں مروّج ہیں، ان میں لوگ اپنی بچتیں بنکوں میں جمع کروا دیتے ہیں۔ اس طرح بھی صنعت کاری و تجارت کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے... کاروباری معیشت کی بنیاد ایسے اُصول پر ہے جہاں ایک کی ضرورت دوسرے کے لئے رسد کی فراہمی کا ذریعہ اور ایک کی آمدنی دوسرے کا خرچ ہے۔ اگر یہ دائرہ کار درست گردش کرتا ہے تو معیشت کی ترقی اور فروغ یقینی ہے لیکن اگر گردشِ سرمایہ محدود ہو اور طلب ورسد میں رکاوٹ حائل ہو تو بے روزگاری، مہنگائی، قرض وغیرہ کو رواج ملتا ہے۔

بنک انٹرسٹ کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سودی قرض لینے کا اہل وہی شخص ہے جو اس کے مقابل کوئی اور اسی قیمت کا اثاثہ رہن رکھوا سکے لہٰذا قرضے کی گردش امراء تک محدود رہتی ہے جبکہ علم معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کہ گردشِ دولت کی رفتار جتنی تیز اور جتنے وسیع دائرہ کار ہو گی، معاشرہ کی معیشت بھی اسی رفتار سے ترقی کرے گی۔

مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ مرحوم (راقم کے نانا مرحوم) نے اپنی کتاب میں بڑی خوبصورتی سے اسلام میں گردشِ دولت کے فلسفے کو واضح کیا ہے جس میں سے ایک نکتہ کی وضاحت بڑی مفید ہوگی۔ آپ کہتے ہیں کہ ۱۰۰۰ روپے اگر کسی امیر شخص کے پاس ہوں تو دوسرے مال کی موجودگی میں اس کے خرچ کی نوبت دیر سے آئے گی اور وہ کچھ عرصہ محفوظ پڑا رہے گا۔ جبکہ یہ ۱۰۰۰ روپے اگر کسی غریب شخص کے پاس ہوں تو وہ ایک دو روز میں اس کو خرچ کرنے (گردش میں لانے) پر مجبور ہو گا۔ اسی طرح اسلام زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے امراء کو اپنا مال فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کے احکام اور ترغیبات دے کر گردشِ دولت کی رفتار کو تیز تر کر دیتا ہے۔

5 سود افراطِ زر پیدا کرتا ہے: سودی نظام کا ایک نتیجہ بے روزگاری کی صورت نکلتا ہے۔ ملک میں جتنی بھی صنعت کاری کی جائے گی یا تجارتی معاملات میں جو روپیہ استعمال ہو گا، صنعت کار یا تاجر اس پر بنکوں کو سود ادا کرنے کا پابند ہو گا۔ صنعت کار یا تاجر سود کی اس رقم کو اپنی جیب سے نہیں دیتا بلکہ اس سود کو بھی اپنی Product کی قیمت میں شامل کر دیتا ہے لہٰذا اس اضافی رقم کے باعث قیمتِ خرید میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا اثر براہِ راست صارف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سود کی شرح کے تناسب سے ہی قیمتِ خرید میں اضافہ ہو گا اور گرانیٔ اشیاء کا تناسب بھی معاشی مشکلات کا باعث بنے گا۔ جس تناسب سے اشیاء کی قیمتِ خرید میں اضافہ ہو گا، اسی تناسب سے صارفین کی تعداد میں کمی واقع ہو گی جس کے باعث طلب و رسد میں کمی واقع ہو گی جس کے نتیجے میں صنعت و تجارت نقصان کا سامنا کرنے کے بعد بند ہو جائے گی اور اس کا منفی اثر ملکی معیشت پر پڑے گا۔

افراطِ زر جو اس وقت ہماری ملکی معیشت کا سنگین ترین مسئلہ ہے، کا تعلق سود سے بھی ہے۔ حکومتیں عوام سے رقم حاصل کرنے کے لئے بنکوں میں زیادہ شرح سود پر قرض جمع کرانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ جبکہ ملکی معیشت میں مندی کے باعث تجارت کر کے بھی اس قدر اضافہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ بنک اس شرح سود کی ادائیگی میں اپنا خسارہ پورا کرنے کے لئے سٹیٹ بنک سے تقاضا کرتے ہیں۔ بنکوں کے خسارے سے سٹیٹ بنک اور حکومت متاثر ہوتی ہے، چنانچہ اس خسارے کو کرنسی کی قیمت گرا کر، دوسرے لفظوں میں زیادہ نوٹ چھاپ کر حکومت پورا کر لیتی ہے۔

معاشی ماہرین یہ بات بخوبی سمجھتے ہیں کہ زیادہ شرح سود، ایک ناکام معیشت کی علامت ہوا کرتی ہے۔ وہ حکومتیں جو مالی مشکلات کا شکار ہوں، عوام کو بنکوں کے ذریعے زیادہ شرح سود کا لالچ دے کر فوری طور پر تو سٹیٹ بنک کے دائرہ اختیار میں کافی رقم

جمع کر لیتی ہیں لیکن یہ صورتحال در اصل ناکام معیشت کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔ عین یہی صورتحال ان دنوں وطن عزیز میں بھی حکومت نے آمدن جمع کرنے کے لئے اپنا رکھی ہے۔

یورپی ممالک میں یہی وجہ ہے کہ کچھ برسوں سے بہت کم شرح سود متعارف کرائی جارہی ہے۔ ہمارے ہاں اگر یہ شرحِ سود ۱۵ فی صد کے لگ بھگ ہے تو جاپان اور یورپ میں بعض بنک ایک فیصد شرح سود پر بھی قرضے دے رہے ہیں۔ اور وہ اس سے بھی زیادہ کم کرنا چاہتے ہیں۔ جدید دنیا آج معیشت کی کامیابی کے لئے شرح سود کو ختم کرنے یا بالکل کم کرنے کے درپے ہے، اور تجربات کے بعد اسے کامیاب معیشت کی ضمانت قرار دے رہے ہیں اور ہم اسلام کے نام لیوا، اللہ کے واضح احکامات اور سود کے مفاسد خوب جاننے کے باوجود سود میں گھٹنے گھٹنے دھنسے ہوئے ہیں، ہمارے لئے یہ مقامِ فکر ہے.

نوٹ

(1) ربا کی مختلف تعریفات میں امام سرخسیؒ کی تعریف "هو الفضل الخالي عن العوض المشروط بإذا دخل في البيع" سب سے جامع ہے لیکن دورِ حاضر میں اٹھائے جانے والے بعض شبہات کی وجہ سے اس میں معمولی سی وضاحت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تعریف میں عوض کی بجائے 'بغیر کسی حق' کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ (دیکھئے صفحہ ۸۳، ۴۶)

(2) حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: اسے احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے کہ اور سند کے راوی صحیح حدیث کے رواۃ کی شرط پر پورے اترتے ہیں (مجمع الزوائد: ج ۴، ص ۱۱۷) علامہ ابن جوزیؒ نے راوی حسین بن محمد کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حسین بن محمد بخاری و مسلم دونوں کے نزدیک قابل استدلال ہے (القول المسدد)

(3) جب میں نے ابتدا میں اس دعویٰ پر غور کیا تو ذہن نے فوری طور پر اسے قبول نہ کیا کیونکہ یہ کہنا بڑی عجیب سی بات ہے کہ کرنسی بے فائدہ چیز ہے۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ بیسیوں خواہشات کی تکمیل صرف نقدی کی ہی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن جب اس نکتہ پر غور کرتا گیا تو بات کھلتی گئی۔ آپ بھی اس مثال سے اس کو سمجھ سکتے ہیں: فرض کریں کہ ایک شخص کسی ویرانے یا جزیرے میں اکیلا جا پہنچتا ہے اور اسے چند دن وہاں گزارنے ضروری ہیں۔ اس شخص کے پاس سوئے اتفاق سے کوئی جنس تو موجود نہیں لیکن ایک لاکھ ڈالر موجود ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک لاکھ ڈالر اس کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ کیا وہ انہیں کھا سکتا ہے یا ان میں حفاظت / پناہ لے سکتا ہے یا ان کی کشتی / سواری بنا کر اس جگہ سے جلد چھٹکارا پا سکتا ہے۔ اس امر پر غور کریں تو یہ بات کھل جائے گی۔ دراصل کرنسی کو ہمارے موجودہ معاشرتی سسٹم نے ایک اہمیت / افادیت دے رکھی ہے اور اشیاء کے حصول کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ کرنسی اپنی

ذات کے اعتبار سے قابل فائدہ نہیں اور یہی ہمارا موقف ہے۔ جو شے اپنی بنیاد کے اعتبار سے قابل فائدہ نہ ہو، اس سے کرایہ کا فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ ضروری ہے کہ کسی قابل فائدہ جنس میں تبدیل کرکے اس سے کرایہ کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ اِس طرح اس کرنسی کا اس قدر ہی کرایہ لیا جاسکے گا جس قدر کرنسی سے متبدل جنس کی حیثیت ہے۔ کیونکہ زرفی ذاتہ کچھ نہیں، اسکا اعتبار اپنی قوتِ تبدیل کی بناپر ہے

(4) سرمایہ دارنہ نظام میں ذرائع پیداوار چار ہیں: زمین، محنت، سرمایہ اور انتظام جس کے حاصل بالترتیب کرایہ، اُجرت سود اور منافع ہیں۔ اس نظام میں روپے کو ذریعہ پیداوار تسلیم کرکے سود کو اس کا حاصل قرار دیا گیا ہے۔

)۵ (جدید زرعی تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ کسی زمین میں مسلسل ایک ہی فصل کی پیداواراس میں مخصوص نمکیات کی قلت پیدا کر دیتی ہے چنانچہ اس کی تلافی کے لئے ماہرین زراعت وہاں ایسی فصلوں کو تجویز کرتے ہیں جن کے ذریعے کم ہونے والے نمکیات کو دوبارہ پیدا کیا جاتا ہے۔ انہی مقاصد کے لئے کھادوں اور زرعی دوائیوں کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں بھی استعمال سے کمی واقع ہوتی ہے، لیکن اس کمی کے تناسب میں فرق ضرور ممکن ہے۔

حرام امور جن سے بچنا ضروری ہے

خرید و فروخت کے وقت دکان دار کا مال کے عیب کو چھپانا

اللہ کے رسول ﷺ کا کھانے (غالباً گندم) کے ایک ڈھیر پر سے گزر ہوا' آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا تو آپ ﷺ 'کو اندر سے وہ گیلا محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(مِا ھٰذا یِا صِاحِبِ الطعِامِ؟)) قِاِل : اِصابِتِہ السِماء یِارِسِولِ اللہِ' قِاِل : ((افلا جِعِلتِہ فوِق الطِعِامِ کِی یِراہِ النِاسِ؟ مِنِ غشِ فلیِس مِیِ) (12)

"اے کھانے کے مالک! یہ کیا ہے؟" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کو بارش پہنچی تھی (اس لیے یہ اندر سے گیلا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تونے اسے کھانے کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھیں؟ جس نے ملاوٹ کی اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"

آج کل ہم بازار میں دیکھتے ہیں کہ اکثر دکان دار حضرات اچھا مال دکھا کر گاہک کو گھٹیا مال پکڑا دیتے ہیں۔ مزید برآں اس حرکتِ بد پر فخر محسوس کرتے اور اپنے آپ کو تجربہ کار کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ایسے دکان داروں کے بارے میں یہ فرمان ہے کہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں' یعنی ایسے دھوکے باز میری اُمت میں سے نہیں ہیں۔

اگر کسی چیز کا عیب گاہک پر واضح کر دیا جائے تو پھر اُس کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(المسلم اخو المسلم' لا یحل لمسلم باع من اخیہ بیعا فیہ عیب الا بینہ لہ)(۱۳)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو کوئی ایسی چیز بیچے جس میں عیب ہو' سوائے اس کے کہ وہ اس عیب کو اس کے لیے واضح کر دے۔"

جب تک گاہک کوئی چیز خرید کر دکان سے چلا نہ جائے اُس وقت تک دکان دار اور خریدار دونوں کے پاس یہ اختیار باقی رہتا ہے کہ وہ اپنے سودے سے پھر جائیں۔ لیکن جب گاہک کوئی چیز خرید کر چلا جائے تو پھر اُس کے بعد یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی اگر دوسرے فریق کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے گا تو اُس سودے سے برکت ختم ہو جائے گی' اگرچہ گناہ صرف اسی کو ہو گا جس نے دھوکہ دیا یا جھوٹ بولا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(البیعان بالخیار ما لم یتفرقا او قال: حتی یتفرقا فان صدقا وبینا بورک لھما فی بیعھما' وان کتما وکذبا محقت برکۃ بیعھما)(۱۴)

"بیچنے اور خریدنے والے کے پاس اُس وقت تک چیز کو واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں۔ اگر وہ دونوں سچ بولیں گے اور عیب کو ظاہر کریں گے تو اُن کے لیے اس بیع میں برکت ڈال دی جائے گی۔ اور اگر وہ دونوں عیب کو چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو اُن کی بیع میں برکت ختم کر دی جائے گی۔"

بیع نجش

اللہ کے رسول ﷺ نے قیمت بڑھانے کی خاطر بولی لگانے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

))لَا تَنَاجَشُوْا))(۱۵)

"آپس میں قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ لگاؤ۔"

"نجش" سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو بکتا ہوا دیکھے تو خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا دے۔ اُس قیمت بڑھانے والے کا مقصد اُس چیز کو خریدنا نہ ہو بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہو کہ یہ چیز مہنگے داموں بک جائے۔ بعض اوقات یہ قیمت بڑھانے والے دکان دار کے ساتھ مل کر گاہک کو پھنسانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں دکان دار اور ایسی بولی لگانے والا دونوں اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ بعض اوقات دکان دار تو اس فعل میں شریک نہیں ہوتا لیکن قیمت بڑھانے والا اس نیت سے قیمت بڑھاتا رہتا ہے کہ خریدار کو نقصان ہو۔ ایسی صورت میں صرف قیمت بڑھانے والا ہی گناہ گار ہوگا۔ امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

هٰذاحَرام بالاجماع' والبيع صحيح' والاثم مختص بالناجش ان لم يعلم به البائع' فان واطاه على ذلك اثما جميعا (١٦)

"بیع نجش کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے' لیکن یہ بیع ہو جاتی ہے' اگرچہ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا' اور گناہ اس کو ہوگا جس نے قیمت بڑھائی بشرطیکہ دکان دار کو اس کا علم نہ ہو' اگر دکان دار بھی ساتھ ملا ہوا ہو تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔"

اس بیع کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ اور دھوکے کی اسلام میں قطعی ممانعت ہے۔

جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی تجارت اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) (الجمعة)

"اے اہل ایمان! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑے چلے آؤ اور ہر قسم کی تجارت اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔"

دیکھنے میں آ رہا ہے کہ لوگ نمازِ جمعہ کی اذان کے بعد بھی اپنے کاروبار اور دُنیوی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں اور مسجد میں نہیں آتے۔ حالانکہ جمعہ کی نماز جتنی ضروری ہے اتنا ہی جمعہ کا خطبہ سننا بھی ضروری ہے۔ جمعہ کے خطبے کا اصل مقصد وعظ و نصیحت ہوتا ہے کہ ہر ہفتے انسان کی یاد دہانی کا ایک سلسلہ قائم رہے اور اُس کے عمل میں سستی پیدا نہ ہو۔ لیکن اکثر افراد کا معاملہ یہ ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے لیے عین جماعت کے وقت آتے ہیں اور دو' رکعتیں فرض پڑھ کر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اس آیت مبارکہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اذانِ جمعہ کے بعد ہر قسم کے دُنیوی مشاغل کو چھوڑ کر جمعہ

کے لیے گھر سے نکل پڑنا چاہیے۔ الاّ یہ کہ کوئی شخص جمعہ کی تیاری میں مصروف ہو تو اسے جلد از جلد تیاری مکمل کر کے مسجد کی طرف چل پڑنا چاہیے۔

چوری کرنا

چوری کرنا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے' جس کی حد ہاتھ کاٹنا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(والسارق والسارقة فاقطعوآ ایدیھما جزآء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم) (المائدۃ)

"اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت' ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو' یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

چوری بہر حال چوری ہی ہوتی ہے چاہے تھوڑے مال کی ہو یا زیادہ مال کی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(لَعَنَ اللّٰہُ السَّارِقَ یَسْرِقُ الْبَیْضَۃَ فَتُقْطَعُ یَدُہ وَیَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ یَدُہ)(۱۷)

"اللہ تعالیٰ اُس چور پر لعنت کرے جو کہ انڈا چوری کرتا ہے اور اُس پر اُس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسّی چوری کرتا ہے اور اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔"

کسی سرکاری ادارے مثلاً سکول' کالج' یونیورسٹی وغیرہ کے فنڈز کھا جانا بھی چوری میں آتا ہے۔ چونکہ سرکاری مال مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہے اس لیے اس کو ذاتی استعمال میں لانا حرام ہے۔ سرکاری مال کو سرکاری محکموں میں خواہ وہ پولیس ہو یا فوج' واپڈا ہو یا سوئی گیس' غرض ہر محکمے میں ناجائز استعمال کیا جاتا ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام الناس کی بہت بڑی تعداد بنیادی سہولیات مثلاً بجلی' پانی' گیس' ہسپتال' سڑکوں' تعلیم وغیرہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تو ہمارے ہاں سسٹم کی خرابی ہے' لیکن ایک دوسری بڑی وجہ جہالت بھی ہے کہ لوگ سرکاری فنڈز کے ذاتی استعمال کو چوری سمجھتے ہی نہیں۔ اس لیے دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے دین دار حضرات بھی اس فعل میں ملوث ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنا حق سمجھ کر استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

رشوت لینا اور دینا

قاضی یا حاکم یا کسی سرکاری ملازم کو اس وجہ سے رشوت دینا کہ وہ باطل کو حق کر دے یا باطل کو چھپا لے' تو یہ ایسا جرم ہے جو کسی دوسرے بھائی پر ظلم و ستم کرنے کے مترادف ہے اور فتنہ و فساد پھیلانے کا موجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(ولا تاکلوآ اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہآ الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون)
(البقرۃ)

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاو اور ان کو حکام کی طرف نہ لے جاو کہ تم لوگوں کے مال میں سے ایک حصہ کھاسکو گناہ کے ساتھ اور تم جانتے بوجھتے ایسا کرتے ہو۔"

ہمارے ہاں رشوت کا مرض بہت زیادہ عام ہو گیا ہے' خصوصاً سرکاری محکموں کا تو یہ حال ہے کہ جائز حق وصول کرنے کے لیے بھی رشوت دینا پڑتی ہے۔ اپنے کسی حق کے حصول کے لیے یا اپنے اوپر ہونے والے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجبوراً رشوت دینا اس وعید میں داخل نہیں ہے جو کہ قرآن و سنت میں وارد ہوئی ہے۔ ہاں اگر رشوت لینے یا دینے سے اصل مقصود کسی پر ظلم کرنا ہو' یا کسی کا حق مارنا ہو' یا اپنے جرم کو چھپانا ہو یا قوم کا پیسہ ہڑپ کرنا وغیرہ ہو تو ایسی تمام صورتوں میں رشوت لینا اور دینا حرام ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی)(۱۸)
"رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا

کسی کی زمین پر ظلم و زیادتی سے قبضہ کر لینا بہت بڑا جرم ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین)(۱۹)
"جس نے کسی کی زمین کو ناحق دبایا تو ایسے شخص کو قیامت کے دن سات زمینوں کے نیچے تک دھنسا دیا جائے گا۔"

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

(من ظلم قید شبر من الارض طوقہ من سبع ارضین)(۲۰)
"جس نے کسی دوسرے کی بالشت برابر زمین بھی ظلم و زیادتی سے چھین لی تو قیامت کے دن سات زمینوں کو اُس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔"

ایک طرف اللہ کے رسول ﷺ کی اِن وعیدوں کو دیکھیں اور دوسری طرف معاشرے میں موجود قبضہ گروپوں کو دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں لوگ اسلامی تعلیمات سے کس قدر اعراض کر رہے ہیں! پچھلے ہی دنوں ایک معروف اخبار میں قبضہ گروپ کے خلاف ایک تحقیقی رپورٹ چھپی ہے جس میں قبضہ گروپوں کے طریقۂ واردات اور عام شہریوں پر اِن کے مظالم اور اُن کی نمائندگی کرنے والے سرکاری عناصر کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ رپورٹ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ پاکستان میں کس قدر تیزی سے قبضہ گروپ عوام الناس کی زمینوں پر ظالمانہ قبضہ کر کے اُن پر بڑے بڑے پلازے اور عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں! طرفہ تماشا یہ کہ یہ سب کچھ سرکار اور محکمہ پولیس کی نگرانی اور ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تو ایسے شخص پر بھی لعنت فرمائی ہے جو کہ زمین کی حدود کو تبدیل کر دیتا ہے تاکہ اپنے پڑوسی کی جگہ کا کچھ حصہ اپنی جگہ میں ملا سکے۔ یہ کام چاہے کوئی پٹواری یا تحصیلدار کرے یا خود زمین کا مالک کرے' دونوں صورتوں میں حرام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

(لعن اللّٰہ من غیر منار الارض)(۲۱)

"اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت فرمائے جس نے زمین کی علامات (یا حدود) کو تبدیل کر دیا۔"

جوا

جوا بھی شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون)(المائدۃ)

"اے اہلِ ایمان! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں' سو اِن سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

دَورِ جاہلیت میں اہل عرب کی بری عادات میں جوا بھی شامل تھا' جس کی معروف شکل اُن کے ہاں یہ ہوتی تھی کہ دس افراد ایک اونٹ میں مساوی طور پر شریک ہوتے' پھر تیروں کے ذریعے قرعہ نکالتے اور سات افراد اس اونٹ کے گوشت میں سے معین حصہ لے لیتے جبکہ باقی تین افراد محروم رہ جاتے۔ اکثر اوقات اس طرح سے حاصل شدہ گوشت کو غریبوں اور مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح غرباء کا بھی کچھ نہ کچھ بھلا ہو جاتا تھا۔ جوئے کے اندر یہی وہ منفعت تھی کہ جس کی طرف قرآن نے اِن الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

(وَاِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا) (البقرۃ:۲۱۹)

"اور اِن دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔"

موجودہ دَور میں بھی جوئے کی ایک معروف شکل تاش کے پتوں (play cards) پر جوا کھیلنا ہے' لیکن عصر حاضر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ سود اور جوئے کی بہت ساری ایسی شکلیں معاشرے میں رواج پا گئیں ہیں کہ لوگ اِن کو سود اور جوا ہی نہیں سمجھتے۔ مثلاً قسمت کی پڑیا' لاٹری کی تمام صورتیں' اخبارات کے پزل' مختلف قسم کے ریفل ٹکٹ' ایسے انعامی بانڈز کہ جن میں انسان کی رقم ضائع ہو جاتی ہے' سب جوئے ہی کی مختلف قسمیں ہیں۔ اسی طرح حکومت کی طرف سے جاری کردہ پرائز بانڈز بھی سود اور جوئے کا مرکب ہیں۔ اسی قسم کا حکم بیمے کا بھی ہے' یہ بھی سود اور جوئے کا مرکب ہے۔

حواشی

١ (رواہ ابوداود' کتاب الادب' باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق۔ اسے امام البانی نے "حسن" کہا ہے۔

٢ (صحیح ابن خزیمہ' کتاب الصلاۃ۔

٣ (رواہ مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

٤ (رواہ مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذالم یترتب علیہ فتنۃ۔

٥ (رواہ البخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ' باب وقت الفجر۔

٦ (سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال۔

٧ (رواہ مسلم' کتاب الصلاۃ' باب خروج النساء الی المساجد اذالم یترتب علیہ فتنۃ وانھا لا تخرج مطیبۃ۔

٨ (صحیح البخاری' کتاب الحج' باب طواف النساء مع الرجال۔

٩ (صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوۃ الطائف فی شوال سنۃ ثمان۔

١٠ (سنن النسائی' کتاب الطلاق' باب التغلیظ فی الانتفاء من الولد۔

١١ (صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب لعن آکل الربا۔

١٢ (صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا۔

١٣ (سنن ابن ماجہ' کتاب التجارات' باب من باع عیبا فلیبینہ۔

١٤ (صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا۔

١٥ (سنن ابی داود' کتاب البیوع' باب فی النھی عن النجش۔

١٦ (عون المعبود شرح ابی داود' کتاب البیوع' باب فی النھی عن النجش۔

١٧ (صحیح البخاری' کتاب الحدود' باب قول اللہ تعالیٰ: (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا)۔

ا

۱۸ (سنن ابن ماجہ' کتاب الاحکام' باب التغلیظ فی الحیف والرشوۃ۔

۱۹ (صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب اثم من ظلم شیئا من الارض۔

۲۰ (صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب اثم من ظلم شیئا من الارض۔

۲۱ (صحیح مسلم' کتاب الاضاحی' باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعلہ۔

سبق نمبر10

رزق میں برکت کے 10 اعمال

برکت وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہوا اور پانی کی طرح ہر آدمی کو ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں موجود ہر چیز اسباب راحت تو مہیا کر سکتی ہے، مگر راحت نہیں۔ دنیوی ترقی سے خوشی کے اسباب تو جمع کیے جاسکتے ہیں، مگر وہ اسباب، خوشی عطا کرنے سے قاصر ہیں۔ ان اسباب کی کثرت تو ہمارے اختیار میں ہے، مگر ایسی برکت جس سے ہر حاجت پوری ہو جائے، یا کم اسباب میں زیادہ کام ہو جائے، یہ صرف اللہ تعالی کے عطا کرنے سے ہی حاصل ہو گی۔

قرآن وحدیث سے دس ایسے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، جن کو اختیار کرنے سے ان شاءاللہ ضرور برکت عطا ہو گی۔

برکت کا مطلب دولت کی کثرت نہیں، بلکہ ”کفایت“ ہے،یعنی ضرورت کے لیے کافی ہو جانا“اے ابن آدم! میری عبادت میں منہمک رہو، میں تیرا دل غنا سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجی کا دروازہ بند کروں گا“

1	توبہ واستغفار	2	اللہ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا
3	عبادت میں انہاک	4	توکل علی اللہ
5	اللہ کے راستے میں خرچ کرنا	6	طالب علموں پر خرچ کرنا
7	رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک	8	کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک
9	یکے بعد دیگرے حج وعمرہ کرنا	10	اللہ کے راستے میں ہجرت

توبہ واستغفار

قرآن پاک میں کئی مقامات پر توبہ واستغفار کے ذریعے رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا ذکر ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے:”میں نے ان (قوم) سے کہا: اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال واولاد کی فراوانی بخشے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔“(النوح، آیت:10،11) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”جو شخص بکثرت استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے چھٹکارا اور ہر تنگی سے کشادگی عنایت فرماتے ہیں اور اسے ایسی راہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں، جس کا اس کے وہم وگمان میں گزر تک نہیں ہوتا۔“(ابوداؤد:1518)

توبہ واستغفار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے، اپنے کیے پر شرمندہ ہو، آئندہ ترکِ معصیت کا پختہ عزم کرے اور جہاں تک ممکن ہو اعمالِ خیر سے اس کا تدارک کرے۔ اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی توبہ کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحب حق سے معاملہ صاف کرے۔ ان شرائط کے بغیر توبہ بے حقیقت ہے۔

اللہ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا

" تقویٰ" اللہ کے احکام پر عمل اور شرعاً ممنوع چیزوں سے اجتناب کا نام ہے۔ تقوی ان امور میں سے ایک ہے، جن سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے راہ نکال دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا، جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔" (سورہ طلاق، آیت: 2،3) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے، تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا اس لیے ہم نے ان کی کمائی کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔" (سورۃ الاعراف: 96)

برکت کا مطلب دولت کی کثرت نہیں، بلکہ "کفایت" ہے، یعنی ضرورت کے کافی ہو جانا۔ بہت سے لوگ کثرت مال کے باوجود معاشی تنگی کا رونا روتے ہیں اور معاشی طور پر بہت سے بہ ظاہر درمیانے درجے کے لوگ انتہائی اطمینان سے زندگی گزارتے ہیں۔ یہ فرق صرف برکت کی وجہ سے ہے۔ عبادت میں انہماک اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے دوران بندے کا دل اور جسم دونوں حاضر رہیں۔ اللہ کے حضور میں خشوع وخضوع کا پاس رکھے۔ اللہ کی عظمت ہمیشہ اس کے دل ودماغ میں حاضر رہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! میری عبادت میں منہمک رہو، میں تیرا دل غنا سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجی کا دروازہ بند کروں گا، اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارے ہاتھوں کو کثرت مشاغل سے بھر دوں گا اور تمہاری محتاجی کا دروازہ بندہ نہیں کروں گا۔" (ابن ماجہ، 4107)

توکل علی اللہ

ارشاد باری ہے: "جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لیے کافی ہو گا، اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے۔" (سورہ طلاق)

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تم حسن وخوبی کے ساتھ اللہ پر توکل کرو، تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں

اور شام کے وقت آسودہ ہو کر لوٹتے ہیں۔"(مسند احمد: 205) توکل کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ کسبِ معاش کی تمام کوششوں کو ترک کر دیا جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا جائے۔ خود حدیث مذکور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندوں کی مثال پیش کی ہے کہ وہ تلاشِ رزق میں صبح سویرے نکل جاتے ہیں۔ پرندوں کا صبح سویرے اپنے آشیانوں سے نکلنا ہی ان کی کوشش ہے۔ ان کی انہیں کوششوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو شام کے وقت آسودہ وسیر اب واپس کرتے ہیں، لہٰذا اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اسباب اختیار کرنا عین تقاضائے شریعت ہے۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" اور جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا اجر اس کے پیچھے آئے گا اور اللہ بہترین رازق ہے۔"(سورة سبا:39)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل (رزق میں کشادگی اور برکت) کا وعدہ کرتا ہے، اللہ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔" (البقرہ:268)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! خرچ کر، میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔"(ابن ماجہ)

طالب علموں پر خرچ کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علم و معرفت حاصل کرنے آیا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کسبِ معاش میں لگا ہوا تھا۔ بڑے بھائی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی کہ میرا بھائی کسبِ معاش میں میرا تعاون نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔(ترمذی)

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جسے وسعت رزق اور لمبی عمر کی خواہش ہو، اسے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔(صحیح البخاری) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے لمبی عمر، وسعتِ رزق اور بری موت سے چھٹکارا پانے کی خواہش ہو، اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور شتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک (صلہ رحمی) کرنا چاہیے۔ (مسند احمد)

صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے کہ حسب گنجائش رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے اور شر ورو فتن سے انہیں محفوظ رکھا جائے۔

کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بندوں کو ان کے کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سعد نے دیکھا کہ انہیں دیگر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کمزوروں کے طفیل ہی تم کو رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔" (بخاری)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ میری رضا اپنے کمزوروں کے اندر تلاش کرو، کیوں کہ تمہیں کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔" (مسند احمد)

یکے بعد دیگرے حج وعمرہ کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پے در پے حج وعمرہ کرو، کیوں کہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ صرف جنت ہے۔ (مسند احمد)

اللہ کے راستے میں ہجرت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا۔ (النسائ) ہجرت دارالکفر (جہاں امورِ ایمان کی ادائیگی کی آزادی مسلوب ہو) سے دارالایمان کی طرف نکلنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی ہجرت اس وقت ہوگی جب مہاجر کا ارادہ اللہ کا دین قائم کرکے اسے خوش کرنا ہو اور ظالم کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنی ہو۔ اس قسم کی ہجرت تو مخصوص حالات میں کی جاتی ہے۔ تاہم ہجرت کی ایک اور صورت ہر وقت انسان کے لیے ضروری ہے۔ وہ گناہوں کی دنیا سے نیکیوں کے جہان کی طرف منتقل ہونا۔ اس ہجرت پر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے رزق میں کشادگی اور برکت عطا فرمائیں گے۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں وضاحت ہے کہ ان سے بندہ کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے او راس کی تنگی دور کر دی جاتی ہے، لیکن انسان کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصل بے نیاز تو اللہ کی ذات ہے۔ انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ وہ اس غنی ذات کے سوا پوری دنیا سے بے نیاز ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ جو کچھ اسے ملے گا اس سے ملے گا، غیر کے آگے ہاتھ پھیلانا بے کار ہے۔ خدا کی رزاقیت وکار سازی کا یقین دلوں کو قناعت وطمانیت کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ قانع شخص کسی کے زر وجواہر پر نظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کی نگاہ ہمیشہ پروردگار عالم کی شان ربوبیت پر رہتی ہے۔ مال ودولت کی حرص کا خاتمہ نہیں ہوتا، اس لیے قناعت ضروری ہے، کیوں کہ یہی باعث سکون واطمینان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مالداری مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں، بلکہ اصل مالداری دل کی مالداری ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ”ابوذر! تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام تونگری ہے؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر فرمایا: تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا: ”جی ہاں!“ آپ نے فرمایا: ”استغنا دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی ہے۔(فتح الباری)

کامیاب تجارت کی چابیاں

تجارت کے جہاں اور مقاصد ہیں ان میں سے ایک بڑا مقصد منافع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ہر تاجر کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا منافع بڑھتا چلا جائے۔ اس مقصد کے لیے جو اسباب اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں اکثر تاجر اُن اسباب سے بالکلیہ غافل ہیں، جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے بے حساب رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔

1 تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنا

”تقویٰ“ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔

غیبت، وعدہ خلافی، جھوٹی قسمیں کھانا، دھوکا دینا، سودی قرض لینا دینا، نامحرموں سے بے تکلفی اور الفت وخلوت یہ کچھ ایسے بڑے گناہ ہیں جنہیں امر مباح کی طرح تجارتی دنیا میں کیا جارہا ہے۔ کوئی تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی ”تقویٰ“ کو حاصل کر کے تو دیکھے!

2 تجارت کو ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا

تجارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ دیانت دار تاجر کی فضیلت سے کون سا مسلمان واقف نہیں۔ تاجر حضرات جہاں تجارت ہی کو مقصود سمجھ کر انتھک محنت کرتے ہیں، اگر وہ اپنی نیت میں اس فضیلت کے حصول کی بھی نیت کر لیں تو مستقل ثواب کے کمانے والی مصروفیت قابل رشک عمل ہو جائے گی اور یہ غم نہ رہے گا کہ ہم تو بس دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مثال کو پیش نظر رکھیں۔

3 ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا یعنی دعا کرنا

دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ روزانہ بیسیوں معاملات خلاف طبیعت اور نقصان دہ پیش آتے رہتے ہیں۔ ہم ہر طرح کی تدبیریں کرتے ہیں، لیکن سب سے اہم تدبیر کو یا تو بالکل بھول جاتے ہیں یا بالکل آخر میں اس کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

کوئی تاجر تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی "دعا" کے عمل کو اپنا کر کے تو دیکھے!

4 امانت داری

آج غیر قومیں اور دشمنان اسلام، اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ قدم قدم پر امانت داری کی تعلیم ہمیں دی گئی ہے۔ جس تاجر کے امین ہونے کا یقین ہو جائے، پھر خریدار گویا اس کے مرید ہو جاتے ہیں۔ کوئی تاجر تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی "امانت داری" کو اپنا کر کے تو دیکھے!

5 معاہدوں کی پابندی

مسلمان اپنے وعدے کا پابند ہوتا ہے۔ چاہے بظاہر وقتی طور پر کچھ نقصان بھی ہو جائے، آخرت کو مد نظر رکھتے ہوئے وعدے کی پابندی کرنی چاہیے۔ یہ وقتی نشیب مستقبل میں مستقل فرازی کا سبب بنتا ہے۔ جس حکمت کے استاذ خود اللہ تعالیٰ اور ہمارے نبی کریم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، اس کی سند اور یقین میں کیا کسی طرح کا اشتباہ ممکن ہے!!

6 کردار کی مضبوطی

حق پر قائم رہنا، معاملات میں کمی بیشی سے بچنا، سچ بولنا اور دھوکا نہ دینا محض وقتی نفع کے لیے تاجر حضرات اپنے سلوک کو لچکدار بنا لیتے ہیں۔ یہ لچک حق گوئی، ناپ تول میں کمی بیشی اور دھوکا دہی کے مواقع پر اپنائی جاتی ہے، جو مستقل ناکامی اور خسارہ کا باعث ہوتی ہے۔ کوئی تاجر تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی "کردار کی مضبوطی" کو اپنا کر کے تو دیکھے!

7 لین دین کو تحریر میں لانا اور اس پر گواہ بنانا

لین دین کو تحریر میں لانا اللہ تعالی کا حکم ہے۔ مضبوط مالیاتی نظام کا اہتمام ایک پائیدار ترقی پذیر تجارت کی شہ رگ ہے۔ "یار! زبان پر اعتماد نہیں ہے" "ہم نے زبان دے دی ہے"، "اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔" بڑے بڑے تاجر اس زہر آلود طریقے کو اختیار کر کے اس پر فخر کرتے ہیں کہ کروڑوں کا کاروبار صرف زبان پر کرتے ہیں۔ جبکہ شریعت مطہرہ کے اس بارے میں واضح احکامات ہیں۔ اسی طرح دیانت دار، مخلص، باصلاحیت افراد کا انتخاب اور ان کی قدر دانی تجارت کے مستقل فروغ میں "کلیدی" اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ خوشحال اور مطمئن عملہ تاجر کا اتنا ہی اہم اثاثہ ہوتا ہے، جتنے اس کے دوسرے اثاثے اس بات کو معمولی سمجھنے والے تاجر خسارہ ہو جانے کے بعد اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔

8 صبح کی بیداری اللہ تعالی نے صبح کے وقت میں طرح طرح کی برکتیں رکھی ہیں۔ آج ہر تاجر کو یہ شکایت ہے کہ وقت کم ہے، جس کی وجہ سے طرح طرح کے مصائب، صحت کی گراوٹ، اہل وعیال کی حق تلفی جیسے نقصانات دامن گیر ہو رہے ہیں۔ تجارت میں برکت صبح سویرے اٹھنے میں ہے۔

کوئی تاجر تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی "صبح کی بیداری" کو اپنا کر کے تو دیکھے!

9 سستی اور کاہلی سے بچنا

سستی اور کاہلی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ کوئی تو وجہ ہے کہ مسنون دعاؤں میں اس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ کام اسی وقت بلا تاخیر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ بعض اوقات ذرا سی سستی بھاری نقصانات کا باعث ہوتی ہے۔ کوئی تاجر تجارت میں کامیابی کی اس موئثر چابی "سستی اور کاہلی سے بچنا" کو اپنا کر کے تو دیکھے!

10 فضول گوئی اور فضول کاموں سے بچنا:

اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ جو ہر چھوٹے بڑے کا تکیہ کلام بنا ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ "وقت نہیں ہے" والدین اپنے بچوں کو وقت نہیں دے سکتے۔ اولاد اپنے والدین کو وقت نہیں دے سکتی۔ تاجر، تجارت میں وقت کی کمی کا شکوہ کرتے ہیں۔ پڑوسی کی حق تلفیاں وقت کی

کمی کی وجہ سے ہو رہی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ سب سے اہم زندگی کے سرمائے کے ساتھ پیش آنے والا یہ معاملہ دین و دنیا کے خسارہ کا باعث بن رہاہے۔ مگر صرف شکوہ شکایت تک محدود ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ ذرا معلوم توکریں، ٹیلی فون پر کتنے کتنے گھنٹے فضول اور لایعنی باتوں میں خرچ ہو رہے ہیں۔ خبروں پر تبصرے اور سیاسی گفتگو روزانہ آپ کا کتنا وقت لے رہی ہے۔ اخبار بینی نے اس قیمتی اثاثے کو کتنا نقصان پہنچایاہے۔ کسی بھی عنوان پر ضرورت سے زیادہ گفتگو یا عمل آپ کو کہاں لے جا رہاہے۔ فضول تحقیقات، رسمی تقریبات میں شرکت، صبح کے بابرکت وقت کو ضائع کر دینا، ناشتہ دوپہر 2 بجے کرنا، رات کو 2 بجے سے پہلے نہ سونا... وغیرہ، اس خاموش زہر سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔

نظام الاوقات بنائیں اور مضبوطی سے اس پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں سنجیدگی سے ان امور کا فہم، ہمت اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

الماخوز من۔ہریعه اینڈ بزن

کامیاب تاجروں کی واقعات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ تاجر

کائنات میں بسنے والے افراد انسانی کی کامل رہبری کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے انبیاء کرام o کو بھیجا جاتا، سب سے آخر میں سردار الانبیائ، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث کیا گیا، سب سے آخر میں بھیج کر، قیامت تک کے لیے آنجناب ﷺ کے سر پر تمام جہانوں کی سرداری و نبوت کا تاج رکھ کر اعلان کر دیا گیا کہ: ”لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔“(الاحزاب:۲۱)

یعنی اے دنیا بھر میں بسنے والے انسانو! اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر اور پُر سکون بنانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی میں بہترین نمونہ موجود ہے، ان سے راہنمائی حاصل کرو اور دنیا وآخرت کی ابدی خوشیوں اور نعمتوں کو اپنا مقدر بناؤ، گویا کہ اس اعلان میں دنیا میں بسنے والے ہر ہر انسان کو دعوتِ عام دی گئی ہے کہ جہاں ہو، جس شعبے میں ہو، جس قسم کی راہنمائی چاہتے ہو، جس وقت چاہتے ہو، تمہیں مایوسی نہ ہو گی، تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز سے متعلق مکمل راہنمائی ملے گی، شرط یہ ہے کہ تم میں طلبِ صادق ہونی چاہیے، چنانچہ! تاجر ہو یا کاشتکار، شریک ہو یا مضارب، مزدور ہو یا کوئی بھی محنت کش، ماں ہو یا باپ، بیٹا ہو یا

بیٹی، میاں ہو یا بیوی، مسافر ہو یا مقیم، صحت مند ہو یا مریض، شہری ہو یا دیہاتی، اگر وہ چاہے کہ میرے لیے میرے شعبے میں راہنمائی ملے، تو اس کے لیے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی میں نمونہ موجود ہے۔ مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے سامنے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے کہ میرے اس محبوب کو دیکھو، تمہیں ہر چیز ملے گی، اپنے سے متعلق روشنی حاصل کرو اور اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کے محبوب بن جاؤ۔ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن کثیر v لکھتے ہیں: ''هٰذه الاية الكريمة اصلٌ كبيرٌ في التاسي برسول الله ﷺ في اقواله، وافعاله، واحواله۔'' (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الأحزاب:۳۱،۶/۳۹۱)

''یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع کرنے میں بہت بڑی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔''

ان سطور سے مقصود نبی اکرم ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ کو سمیٹنا نہیں ہے، بلکہ صرف آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ سے تجارت کے پہلو کو واضح کرنا مقصود ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تجارت کا پیشہ اپنایا اور رزق حلال سے اپنی زندگی کا رشتہ استوار رکھا، نبوت کے اس پہلو کو سمجھنے کے لیے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے دو حصے ہیں، ایک: نبوت ملنے سے قبل کا اور دوسرا: نبوت ملنے کے بعد کا۔ اول الذکر کا دورانیہ چالیس سال ہے اور ثانی الذکر کا دورانیہ تیئیس سال۔ اس دوسرے حصے کے پھر دو حصے ہیں، ایک: مکی دور، اور دوسرا: مدنی دور۔ نبوت سے قبل کی معاشی کیفیت نبی اکرم ﷺ کا نبوت سے پہلے والا دور مالی اور معاشی اعتبار سے بہت زیادہ خوش حال دور نہیں تھا، لیکن اس کے برعکس یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آپ ﷺ بہت ہی زیادہ مفلوک الحال زندگی بسر کر رہے تھے، البتہ یہ ضرور تھا کہ آنجناب ﷺ بچپن سے ہی محنت و مشقت کر کے اپنی مدد آپ ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کا ذہن رکھتے تھے۔ والد کی طرف سے ملنے والی میراث جب آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ کے سر سے والد کا سایہ اٹھ چکا تھا، ان کی طرف سے بطورِ میراث بھی کوئی جائیداد آپ ﷺ کی طرف منتقل نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ کتبِ سیرت میں اس کی تفصیل میں صرف یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ کو میراث میں صرف پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک باندی ملی، جس کا نام ''ام ایمن'' تھا، (اس باندی کو بھی جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت یعنی: پچیس سال کی عمر میں آزاد کر دیا تھا) اس کے علاوہ مزید کوئی چیز میراث میں نہ ملی تھی۔

میراث میں ملنے والی یہ اشیاء اس قابل نہ تھیں کہ آپ ﷺ کی کفالت کے لیے کافی ہو جاتیں، یہی وجہ تھی کہ دیہاتی علاقوں سے آکر جو عورتیں بچوں کو پرورش اور تربیت کے لیے لے جایا کرتی تھیں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف ان میں سے کسی

۱

کا بھی رجحان آپ ﷺ کی طرف نہیں ہوا کہ یہ تو یتیم اور غریب بچہ ہے، اس کی پرورش کرنے پر ہمیں اس کی والدہ کی طرف سے کچھ خاص معاوضہ نہ مل سکے گا، اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا انتخاب کیا تھا، وہ بھی ابتدائً نہیں کیا تھا، بلکہ جب ان کے لیے کوئی اور بچہ نہ بچا، تو پھر ان کو خیال آیا چلو! خالی ہاتھ واپس جانے کی بجائے اس یتیم بچے کو ہی لے جانا چاہیے، مال تو نہیں، لیکن اللہ تو راضی ہو گا۔ دادا اور چچا کی کفالت میں ان ابتدائی دو سالوں میں آپ ﷺ کی کفالت آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کرتے رہے، دو سال کے بعد آپ ﷺ کے دادا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی، ابو طالب آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے، جو بہت ہی ذوق وشوق اور محبت سے آپ ﷺ کی پرورش کرتے رہے اور آپ ﷺ کی ضروریات پوری کرنے کی اپنی مقدور بھر سعی کرتے رہے، چنانچہ! آپ ﷺ کے چچا جب تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں میں جاتے تو اپنے بھتیجے کو بھی ہمراہ لے جاتے۔

بکریاں چرانا مکہ مکرمہ میں حصول معاش کے لیے عام طور پر گلہ بانی اور تجارت عام تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کی ابتداء میں ہی اپنی معاش کے بارے میں از خود فکر کی، ابتداءً اہلِ مکہ کی بکریاں اجرت پر چراتے تھے، بعد میں تجارت کا پیشہ بھی اختیار کیا، اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں تھی، بلکہ یہ تو آپ ﷺ کی عظمت اور تواضع کی کھلی دلیل ہے، اس لیے کہ بکریاں چرانے والے شخص میں جفاکشی، تحمل وبردباری اور نرم دلی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے کہ بکریاں چرانا معمولی کام نہیں ہے، بلکہ بہت ہی زیادہ ہوشیاری اور بیدار مغزی والا کام ہے، اس لیے کہ بکریاں بہت کمزور مخلوق ہوتی ہیں، تیزی اور پھرتی میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہوتا، انہیں قابو میں رکھنے کے لیے بھی خوب پھرتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس جانور پر قابو سے باہر ہونے کی صورت میں غصہ اتارنا بھی ممکن نہیں ہوتا، یعنی: غصہ کی وجہ سے مار بھی نہیں سکتے، کیونکہ بوجہ ان کے چھوٹا، دبلا پتلا اور کمزور ہونے کے ان کی ہڈیاں وغیرہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس بنا پر بکریاں چرانے والے میں خوب تحمل وغیرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بکریاں چرائی ہیں، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ما بعث اللہ نبیا إلا رعى الغنم، فقال اصحابه: وانت ؟ فقال: نعم! كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة۔“ (صحیح البخاری، کتاب الإجارات، باب رعی الغنم علٰی قراریط، رقم الحدیث: ۲۲۶۲)

”نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے جو بھی نبی بھیجا، اس نے بکریاں ضرور چرائیں، صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے بھی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں! میں بھی مکہ والوں کی بکریاں قراریط پر چراتا تھا۔“ ”قراریط“ سے

کیامراد ہے؟اس میں اختلاف ہے، بعض کا قول یہ ہے کہ یہ درہم یا دینار کے ایک ٹکڑے کا نام ہے، اس صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ کچھ قراریط کے عوض بکریاں چرائیں، اور بعض کا قول ہے کہ یہ مکہ مکرمہ کے ایک محلہ "جیاد" کا نام ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ مقام قراریط میں بکریاں چرائیں۔ علامہ ابن ملقن v نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، کتاب الإجارات، باب رعی الغنم، رقم الحدیث: ۲۲۶۲، ۱۵/ ۳۵، ۳۶) اسی طرح ایک بار نبی اکرم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگل تشریف لے گئے، صحابہؓ بیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو خوب سیاہ ہوں وہ کھاؤ، وہ زیادہ مزے کی ہوتی ہیں، یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے، جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

ملکِ شام کی طرف پہلا سفر نبی اکرم ﷺ نے شام کی طرف دو سفر کیے، پہلا: اپنے چچا کے ہمراہ، لیکن اس سفر میں آپ ﷺ بطورِ تاجر شریک نہ تھے، بلکہ محض تجارتی تجربات حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کے چچانے آپ ﷺ کو ساتھ لیا تھا، اسی سفر میں بحیرا راہب والا مشہور قصہ پیش آیا، جس کے کہنے پر آپ ﷺ کے چچانے آپ ﷺ کو حفاظت کی خاطر مکہ واپس بھیج دیا۔

ملکِ شام کی طرف دوسرا سفر دوسرا سفر آپ ﷺ نے بطور تاجر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا سامان لے کر اجرت پر کیا۔ قصہ کچھ اس طرح پیش آیا کہ جب آپ ﷺ پچیس برس کے ہوگئے تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ اے بھتیجے! میں ایسا شخص ہوں کہ میرے پاس مال نہیں ہے، زمانہ کی سختیاں ہم پر بڑھتی جارہی ہیں، تمہاری قوم کا شام کی طرف سفر کرنے کا وقت قریب ہے، خدیجہ بنت خویلد اپنا تجارتی سامان دوسروں کو دے کر بھیجا کرتی ہے، تم بھی اجرت پر اس کا سامان لے جاؤ، اس سے تمہیں معقول معاوضہ مل جائے گا۔ یہ گفتگو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو معلوم ہوئی تو انہوں نے خود آپ ﷺ کو پیغام بھیج کے بلوایا کہ جتنا معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس سے دوگنا دوں گی۔ اس پر ابو طالب نے آپ ﷺ کو کہا کہ یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے تمہاری جانب کھینچ کے بھیجا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا غلام "میسرہ" بھی تھا، جب قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں پہنچا تو وہاں نسطورا راہب نے آپ ﷺ میں نبوت کی علامات پہچان کر آپ ﷺ کے نبی آخر الزمان ہونے کی پیشن گوئی کی۔

دوسرا اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ جب آپ ﷺ نے تجارتی سامان فروخت کر لیا تو ایک شخص سے کچھ بات چیت بڑھ گئی، اس نے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم اٹھاؤ، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ماحلفت بھما قط، وإنی لأمر فأعرض عنھما"۔۔۔۔"میں نے

کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی، میں تو ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے منہ موڑ لیا کرتا تھا۔" اس شخص نے یہ بات سن کر کہا: حق بات تو وہی ہے جو تم نے کہی، پھر اس شخص نے میسرہ سے مخاطب ہو کر کہا: "ھٰذا واللہ نبی، یجدہ احبارنا منعوتاً فی کتبھم"۔ خدا کی قسم! یہ تو وہی نبی ہے، جس کی صفات ہمارے علماء کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ تیسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میسرہ نے دیکھا کہ جب تیز گرمی ہوتی تو دو فرشتے نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر سایہ کر رہے ہوتے تھے، یہ سب کچھ دیکھ کر میسرہ تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بہت ہی زیادہ متاثر تھا، واپسی میں ظہر کے وقت جب واپس پہنچے تو حضرت خدیجہؓ نے اپنے بالا خانے میں بیٹھے بیٹھے دیکھا کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اونٹ پر بیٹھے اس طرح تشریف لا رہے تھے کہ دو فرشتوں نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا اور ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورتوں نے یہ منظر دیکھ کر بہت تعجب کیا، اور پھر جب میسرہ کی زبانی سفر کے عجائب، نفع کثیر اور نسطورا راہب اور اس جھگڑا کرنے والے شخص کی باتیں سنیں تو بہت زیادہ متاثر ہوئیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا بہت زیادہ دور اندیش، مستقل مزاج، شریف، باعزت اور بہت مال دار عورت تھیں، انہوں نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو نکاح کا پیغام بھیج کر نکاح کر لیا، اس وقت نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کی عمر چالیس سال تھی۔ (ملخّص وبتغیر یسیر من الطبقات الکبریٰ، ذکر خروج رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلی الشام فی المرۃ الثانیۃ، ذکر تزویج رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خدیجۃ بنت خویلد: ۱/۱۰۷-۱۰۹) یمن کی طرف دو سفر جو تجارتی اسفار نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کی وجہ سے کیے، ان میں دو سفر یمن کی طرف بھی تھے، امام حاکم v نے "المستدرک" میں نقل کیا ہے: "استأجرت خدیجۃ رضوان اللہ علیھا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سفرتین إلی جُرَشَ، کل سفرۃٍ بقلوصٍ۔" (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃؓ، ومنھم خدیجۃ بنت خویلد، رقم الحدیث: ۴۸۳۴، ۳/۲۰۰)"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا نے نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو جرش (یمن کے ایک مقام) کی طرف دو بار تجارت کے لیے اونٹنیوں کے عوض بھیجا۔" بحرین کی طرف سفر نبوت سے قبل آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بحرین کی طرف سفر کرنے کا بھی اشارہ ملتا ہے، وہ اس طرح کہ جس طرح آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود حاضر خدمت ہوتے رہے، انہی وفود میں بحرین سے وفدِ عبد القیس بھی آیا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اہلِ وفد سے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کے احوال دریافت فرمائے تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو ہمارے ملک کے احوال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ہاں! میں تمہارے ملک میں خوب گھوما ہوں۔

تجارتی اسفار میں آپ ﷺ کے خصائل حمیدہ نبی اکرم ﷺ اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال تک تجارتی اسفار میں اپنے اخلاقِ کریمانہ، حسن معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت کے وجہ سے اتنے زیادہ مشہور ہو چکے تھے کہ خلقِ خدا میں آپ ﷺ ”صادق وامین“ کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، لوگ کھلے اعتماد کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس بے دھڑک اپنی امانتیں رکھواتے تھے، انہی خصائل کی بنا پر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنھا کی رغبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہوئی تھی اور پیغامِ نکاح بھیج دیا تھا۔ لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا تجارتی معاملات کی کامیابی کے لیے معاملات کی صفائی اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز اہم ترین کردار ادا کرتا ہے، اور یہ صفات نبی اکرم ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھیں، چنانچہ حضرت قیسؓ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ زمانہ جاہلیت میں میرے شریک ہوتے تھے، اور آپ ﷺ شرکاء میں سے بہترین شریک تھے، نہ لڑائی کرتے تھے اور نہ ہی جھگڑا کرتے تھے۔

بحث و تکرار سے اجتناب مسلمان تاجر کی صفات میں سے ایک صفت معاملات کے وقت شور شرابا اور آپس کی بے جا بحث و تکرار سے بچنا بھی ہے، اور آپ ﷺ کے اس وصف عظیم کی گواہی زمانہ نبوت سے پہلے بھی دی جاتی تھی، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن سائب q فرماتے ہیں، میں نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے میری تعریف اور میرا تذکرہ کرنے لگے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری نسبت ان سے زائد واقف ہوں، میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ! آپ سچ فرماتے ہیں، آپ زمانہ جاہلیت میں میرے شریک ہوتے تھے، اور آپ کتنے بہترین شریک ہوتے تھے کہ نہ شور شرابا (بحث و تکرار) کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے۔

ایفائے وعدہ وعدوں کی پاسداری تجار کی بہت بڑی خوبی شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کے اندر یہ وصف کیسا تھا؟! اس بارے میں ”حضرت عبد اللہ بن ابی حمساءؓ“ سے روایت ہے کہ میں نے نبوت ملنے سے قبل آپ ﷺ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا، خریدی گئی شئے کی قیمت میں سے کچھ رقم میرے ذمہ باقی رہ گئی، تو میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ میں کل اسی جگہ آکر آپ کو بقیہ رقم ادا کر دوں گا، پھر میں بھول گیا، اور مجھے تین روز بعد یاد آیا، میں اس جگہ گیا، تو دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اسی جگہ تشریف فرماہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے اذیت پہنچائی، میں تین دن سے اسی جگہ پر تمہارا منتظر ہوں۔

مفيي محمد راشد ڈسکوی

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کالقب تاجر الرحمن تھا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں بھی شامل ہیں[2][1]

ان کا نام زمانۂ جاہلیت میں عبد الکعبہ تھا۔ وہ ان پانچ خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے ابتداہی میں سیدنا ابو بکر صدیق کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے علاوہ اس وقت تک سیدنا عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی تک اللہ کے رسول دارِ ارقم نہیں گئے تھے۔ اللہ کے رسول نے ان کا نام تبدیل فرمایا۔ عبد الکعبہ اور ایک روایت کے مطابق عبد عمرو کی جگہ ان کا نام عبد الرحمن رکھ دیا۔ ان کے والد عوف کا تعلق بنو زہرہ سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام شفاء تھا۔ ان کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف کے والدین آپس میں چچازاد تھے۔ یہ ہجرت سے 44 سال پہلے پیدا ہوئے۔ قبول اسلام کے وقت ان کی عمر کم و بیش 30 سال تھی۔ عمر میں اللہ کے رسول سے 10 سال چھوٹے تھے۔ قریشی تھے۔ ان کا حسب نسب چھٹی پشت پر جا کر اللہ کے رسول سے مل جاتا ہے۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور شروع ہی سے پاکیزہ نفس انسان تھے۔ اپنی سلامت روی کی بدولت زمانۂ جاہلیت ہی میں شراب چھوڑ دی تھی۔ ان کے والد عوف تاجر تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ تجارت کے لیے یمن گئے ہوئے تھے کہ راستے میں ان کے دشمنوں نے انہیں قتل کر دیا۔

ان کی والدہ شفاء بنت عوف اسلام کی نعمت سے مالا مال ہوئیں اور ہجرت بھی کی۔ اللہ کے رسول کی والدہ ماجہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف بھی اپنے والد کی طرح تاجر پیشہ تھے۔ ان کا خاندان بنو زہرہ کثرت تعداد اور دولت وثروت کے لحاظ سے زیادہ نمایاں نہ تھا، اس لیے ان لوگوں کو مناصب حرم میں سے کوئی منصب نہ مل سکا۔ سیرت نگاروں کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا تیرھواں نمبر تھا۔ اسلام لانے کے سبب انہیں بھی بہت ستایا گیا، اس لیے یہ بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے قافلے میں شامل ہو گئے۔ لیکن بعد میں واپس مکہ آ گئے اور 13 نبوی کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ مدینہ آئے تو اپنا گھر بار اور تجارت ہر چیز حتی کہ بیوی بچے بھی مکہ میں چھوڑ آئے۔

یہاں پہنچے تو بالکل قلاش تھے۔ اللہ کے رسول نے ان کے اور سیدنا سعد بن ربیع کے مابین مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ ان کے اسلامی بھائی نے بے مثال ایثار سے کام لینا چاہا۔ لیکن سیدنا عبد الرحمن کی بے نیاز اور غیور طبیعت نے شکریہ کے ساتھ ان کی پیشکش نامنظور کی۔ سیدنا سعد کا کہنا تھا کہ میں مدینہ طیبہ کے امیر ترین لوگوں میں سے ہوں۔ میرے کئی باغات اور زرعی زمینیں ہیں، دو بیویاں ہیں۔ میں اپنا آدھا مال آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ دونوں بیویاں دیکھ لیں جو آپ کو پسند آئے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں جب

عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر کے اپنا گھر بسا لیں۔ مگر اس قریشی نوجوان نے ان کے جواب میں کہا: "اللہ آپ کے مال میں برکت عطا فرمائے۔ مجھے آپ بازار کا راستہ بتا دیں جہاں خرید و فروخت ہوتی ہو۔" سیدنا سعد نے کہا کہ بنو قینقاع کا بازار بڑا مشہور ہے۔ یہ بازار "البقیع" کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر تھا۔ وہ صبح سویرے بازار گئے۔ شام کو واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ بازار جاتے اور سامان خرید کر فروخت کرتے۔ ایک دن ان کے لباس پر حجلہ عروسی کی بشاشت جھلک رہی تھی' یعنی زعفرانی رنگ کا اثر تھا۔ اللہ کے رسول نے دیکھا تو پوچھا: "عبد الرحمن! کیا ماجرا ہے؟" عرض کیا: میں نے ایک انصاری عورت سہلہ بنت عاصم یا ام ایاس بنت ابی الحیسر انس بن رافع بن امرئ القیس سے شادی کر لی ہے۔ ارشاد ہوا: "اس کو مہر کیا دیا؟" عرض کیا: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔ فرمایا: "ولیمہ ضرور کرو' چاہے ایک بکری ہی ہو۔"[4]

سیدنا عبد الرحمن بن عوف کی تجارت دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول کی خدمت میں چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے پاس اس روز آٹھ ہزار درہم تھے۔ فرماتے ہیں: میں نے چار ہزار درہم اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑے ہیں اور چار ہزار اللہ کے رسول کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے حاضر ہو گیا۔ اللہ کے رسول نے دعا فرمائی: [بارِک اللہُ لک فیما أمسکتَ وفیما أعطیتَ] "اللہ تمہارے اس مال میں بھی برکت دے جو تم نے گھر میں رکھا اور اس میں بھی جو تم نے اللہ کی راہ میں دیا۔" یہ اللہ کے رسولؐ کی دعا کی برکت تھی کہ وہ صحابہ کرام میں سے امیر ترین شخص بن گئے۔ جیسے جیسے ان کے مال و دولت میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے وہ اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرتے چلے گئے۔ ان کی سخاوت کے بارے میں سیرت نگاروں نے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک موقع پر جہاد کے لیے انہوں نے پانچ سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ پیش کیے۔ دو مرتبہ چالیس چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیے۔ ان کی ایک قیمتی زمین مدینہ میں تھی وہ زمین سیدنا عثمان بن عفان کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے ساری رقم فقراء بنی زہرہ اور امہات المؤمنین میں تقسیم کر دی۔

سیدنا عبد الرحمن بن عوف بڑے جری اور بہادر تھے۔ وہ بدر سمیت تمام غزوات میں اللہ کے رسول کے ساتھ شریک ہوئے۔ بدر میں ابو جہل کو قتل کرنے والے دو انصاری نوجوانوں نے ابو جہل کا اتا پتا انہی سے پوچھا تھا۔ بدر کے میدان میں وہ دشمن سے کچھ زرہیں چھین کر لے جا رہے تھے کہ ان کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست امیہ بن خلف نے انہیں دیکھ کر کہا: کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زرہوں سے بہتر ہوں۔... اور جب امیہ اور اس کے بیٹے علی کو سیدنا عبد الرحمن بن عوف گرفتار کر کے لے جا رہے تھے تو اچانک سیدنا بلال کی نظر امیہ پر پڑی۔ بے ساختہ بولے: اوہو! کفار کا سرغنہ امیہ بن خلف' اب یا تو یہ رہے گا یا میں'

پھر انہوں نے انصار کی مدد سے دونوں باپ بیٹے کو واصل جہنم کر دیا۔ سیدنا عبد الرحمن فرمایا کرتے تھے: ''اللہ بلال پر رحم کرے! میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدیوں کا بھی صفایا ہو گیا۔'' اُحد کے میدان میں سیدنا عبد الرحمن بن عوف نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ وہ ان صحابہ میں سے تھے جو اللہ کے رسول کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے لڑتے لڑتے منہ پر چوٹ کھائی۔ ان کا سامنے کا دانت ٹوٹ گیا۔ انہیں اس جنگ میں بیس یا اس سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض کاری زخم پاؤں پر لگے' یوں وہ ساری زندگی کے لیے لنگڑے ہو گئے۔

ان کی زندگی کا ایک اور روشن پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب شعبان 6 ہجری میں اللہ کے رسول نے ان کی قیادت میں ایک لشکر اپنے سامنے بٹھا کر خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر پگڑی باندھی' پیچھے شملہ چھوڑا اور ہاتھ میں علم عنایت فرمایا۔ ان کو لڑائی میں سب سے اچھی صورت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی۔ ارشاد فرمایا: ''اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لینا۔'' انہوں نے دومۃ الجندل پہنچ کر تین دن تک دعوت اسلام دی۔ قبیلہ بنو کلب کا بادشاہ اصبغ بن عمرو مسیحی تھا' اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سارے لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف نے اللہ کے رسول کے حسب فرمان اصبغ کی بیٹی سیدہ تماضر سے شادی کر لی اور انہیں اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ مشہور راوی حدیث ابو سلمہ اسی خاتون کے بطن سے تھے۔ کسی قریشی کی بنو کلب میں یہ پہلی شادی تھی۔ آپ نے متعدد شادیاں کیں۔ آپ کے ہاں بیس بیٹے اور آٹھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے ایک بیٹے کا نام عثمان تھا جس کی والدہ کسریٰ کی بیٹی غزال تھی۔ جو مدائن کی فتح کے موقع پر لونڈی بنی تھی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص اس لشکر کے قائد تھے۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف بڑے صائب الرائے تھے۔ وہ نہ صرف اللہ کے رسول کے زمانہ اقدس میں نمایاں صحابہ میں سے تھے بلکہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق کے دور میں بھی ان کے مشیر خاص تھے۔ وہ ان کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق کے دور میں عراق پر لشکر کشی کا مسئلہ سامنے آیا تو صحابہ کرام نے سیدنا عمر فاروق کا نام بطور سپہ سالار پیش کیا۔

شوریٰ کا اجلاس جاری تھا۔ اجلاس میں سیدنا عبد الرحمن بن عوف بھی موجود تھے' انہوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اس موقع پر انہوں نے جو دلائل پیش کیے آیئے ذرا ان کو پڑھتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ یہیں ٹھہریں' لشکر عراق بھیج دیں۔ اللہ نہ کرے اگر اسلامی لشکر نے شکست کھائی تو وہ اسلام کی شکست نہ ہو گی بلکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی شکست ہو گی۔ اگر آپ جنگ کے میدان میں اتر گئے اور شکست کھا گئے تو مسلمانوں کی ترقی رک جائے گی اور اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ان کی اس مدلل

تقریر نے تمام ارکان شوریٰ کی آنکھیں کھول دیں اور سب نے پر زور الفاظ میں اس کی تائید کی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی قیادت کون کرے؟ یہ مسئلہ بھی اس دانشور شخصیت نے حل کر دیا۔ انہوں نے مجلس میں کھڑے ہو کر فرمایا: "میں نے پالیا۔" سیدنا عمر فاروق نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" آپ نے کسے پالیا؟ بولے: سعد بن ابی وقاص۔ اس حسن انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی۔ بیت المقدس کی فتح مسلمانوں کو لڑے بغیر ہی نصیب ہو گئی۔ اس موقع پر مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کے گواہوں میں سیدنا عبد الرحمن بن عوف بھی شامل تھے۔ سیدنا عمر فاروق شام کے دورے پر تھے۔ اسی دوران ان کو اطلاع ملی کہ وہاں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے۔ انہوں نے پلٹنا چاہا تو سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور کہا کہ "آپ شام ضرور جائیں' کیا آپ تقدیر الٰہی سے فرار ہونا چاہتے ہیں؟" اس موقع پر سیدنا عبد الرحمن بن عوف آ گئے۔ آپ نے اللہ کے رسول کی حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا: "جب تم کسی شہر میں وبا کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم وہاں (پہلے ہی) موجود ہو تو وہاں سے مت نکلو۔"[5]

سیدنا سالم بن عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں: شام سے واپس پلٹنے کی وجہ صرف سیدنا عبد الرحمن بن عوف کی روایت کردہ حدیث تھی۔ اگر ان کے حالات زندگی کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی نہایت زیرک اور صائب الرائے شخصیت تھے۔ ان کو امیر المؤمنین عمر فاروق کا بے حد قرب اور اعتماد حاصل تھا۔ بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق اپنے بعد خلافت کی ذمہ داریاں انہی کو سونپنا چاہتے تھے مگر وہ اس پر قطعاً راضی نہ ہوئے۔ بلاشبہ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ انتہائی مالدار ہونے کے باوجود وہ بڑے منکسر المزاج تھے۔ "ایک مرتبہ روزے سے تھے' افطاری کے وقت ان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو فرمایا: مصعب بن عمیر کو اُحد کے میدان میں شہید کر دیا گیا وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ان کو ایک ایسی چادر میں کفن پہنایا گیا کہ اگر اسے سر پر ڈالا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور اگر پاؤں پر ڈالتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ میں نے ان کو اس حالت میں دیکھا۔ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب شہید ہوئے' وہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے' پھر ہمیں دنیا سے وہ کچھ دیا گیا جو کچھ دیا گیا۔ (یعنی ہمیں بے حد و حساب دولت دی گئی) حتیٰ کہ ہمیں ڈر لگا کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں فوراً (دنیا ہی میں) دے دیا گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا"۔[6]

سیدنا عبد الرحمن بن عوف امہات المؤمنین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ امہات المؤمنین کو بیت المال سے معقول مقدار میں خرچ ملتا تھا' اس کے باوجود بہت سارے غنی صحابہ ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر ہر قسم کی مالی قربانی دینے کے لیے ہر آن ہر گھڑی

تیار رہتے تھے۔ مگر عبد الرحمن بن عوف کا معاملہ سب سے مختلف تھا۔ ان کے ایک باغ کی قیمت چار لاکھ درہم تھی' انہوں نے اس کی پیداوار امہات المؤمنین پر خرچ کرنے کی وصیت فرمائی۔ انہوں نے بدری صحابہ کے لیے وصیت کی تھی کہ ان میں جو زندہ ہیں ان سب کو میری وفات کے بعد میراث سے چار چار سو دینار دیے جائیں۔ جب ان کی وفات کے وقت بدری صحابہ کو گنا گیا تو ان کی تعداد سو تھی۔ اس طرح چالیس ہزار دینار کی خطیر رقم صرف بدری صحابہ کو ادا کی گئی۔ ان صحابہ میں سیدنا عثمان بن عفان بھی شامل تھے۔ سبھی کو معلوم تھا کہ وہ نہایت امیر کبیر اور مالدار انسان ہیں۔ سیدنا عثمان کے لیے یہ کوئی بڑی رقم بھی نہ تھی' آپ تو غنی تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ بھی حسب وصیت رقم وصول کریں گے؟ انہوں نے فرمایا:''ہاں! کیوں نہیں' میں یہ رقم ضرور وصول کروں گا۔ میرا یہ بھائی بڑا بابرکت تھا۔ اس کا مال حلال اور برکت والا ہے۔ اس طرح انہوں نے بھی چار سو دینار وصول کیے۔ جب سیدنا عمر فاروق کو سیدنا مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے خنجر گھونپا تو انہوں نے سیدنا عبد الرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ لوگ سیدنا عمر فاروق کی آواز نہیں سن رہے تھے۔ وہ سبحان اللہ' سبحان اللہ کہہ رہے تھے' چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن عوف نے مختصراً نماز پڑھائی۔ سیدنا عمر فاروق نے اپنے بعد جن شخصیات کے بارے میں فرمایا کہ ان کو میرے بعد خلیفہ چن لینا ان میں سیدنا عبد الرحمن بن عوف بھی شامل تھے۔ جب شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو یہ مسئلہ بڑا مشکل تھا کہ کس کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ مگر انہوں نے یہ مسئلہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے حل کر دیا اور آخر کار صحابہ کے مشورے سے سیدنا عثمان بن عفان کو خلیفہ قرار دینے کا اعلان کر دیا۔ وہ سیدنا عثمان بن عفان کے دور خلافت میں ان کا مکمل ساتھ دیتے رہے۔ ان کو خیر خواہی کے ساتھ نیک مشورے دیتے رہے اور زندگی بھر خلافت کے استحکام کے لیے کوشاں رہے۔

وفات[ترمیم]

ان کی وفات سیدنا عثمان بن عفان کے عہد خلافت میں ہوئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر 72 برس کے لگ بھگ تھی۔ انہوں نے وصیت کی کہ میرا جنازہ سیدنا عثمان بن عفان پڑھائیں۔ چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق امیر المؤمنین عثمان بن عفان نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع الغرقد میں سپرد خاک کیا گیا۔

الماخوز من الشبکه العالیمه

علم شریعت سے عمل تجارت تک

آپ نے ایک ہونہار طالب علم سے جید عالم تک کا سفر طے کیا۔ اس کے بعد علم و تحقیق اور درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ کاروبار کی طرف قدم بڑھائے۔ اس حوالے سے آپ رحمہ اللہ کے خیالات بڑے دلچسپ تھے۔ آپ فرماتے تھے: ”دین کا کام پوری آزادی کے ساتھ اور بغیر کسی کی محتاجی کے کرنے کی صورت یہی ہے کہ انسان کمائی کا کوئی پیشہ اختیار کرے۔“ آپ رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا: ”میں یہ محنت، مشقت اس لیے کرتا ہوں، تاکہ قیامت کے دن جب میرے بچے اٹھیں تو اللہ کہیں کہ یہ اپنے ہاتھوں سے محنت کرنے والے مزدور کے بچے ہیں۔“ وہ یہ بھی سمجھتے تھے ایک عالم دین کو عام لوگوں کی نظر میں بے وقعت نہیں ہونا چاہیے۔

تجارت بھی، عبادت بھی

تجارت کے کارزار میں اترے تو بہت تھوڑے سرمائے اور کم سطح سے آغاز کیا۔ سب سے پہلے کتابیں فروخت کرنا شروع کیں۔ کتابوں کی منتقلی اور گاہک تک پہنچانا اپنی جسمانی معذوری کے باعث مشکل ہوتا۔ لہذا اس کام کو جاری نہ رکھ پائے۔ پھر بطور مزدور ہوٹلوں کو مٹر نکال کر اور پیک کر کے فراہم کرنا شروع کیا۔ آپ کے رفیق کار قاری عبد المنان نے ذکر کیا کہ مولانا شہید اور ان کی اہلیہ فجر سے پہلے پیکنگ مکمل کر دیتے۔ پھر یہ تھیلیاں قاری عبد المنان اور ان کے بھائی کے ذریعے نماز فجر سے پہلے جھونپڑا پٹیوں میں بنے ہوٹلوں کو سپلائی کی جاتیں۔ اگلے مرحلے کے طور پر تسبیح، رومال اور مسواک وغیرہ کی فروخت شروع کی۔ اس سے متعلق مولانا کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا کاروبار کیا جائے جس میں خدمت اور عبادت کا پہلو بھی ہو۔ حلیمی پروڈکٹس اپنی تمام پروڈکٹس کا نام اپنے دوست مولانا مفتی محمد نعیم کے والد حضرت قاری عبد الحلیم کی نسبت سے ”حلیمی“ رکھا۔ ”حلیمی مسواک“ شروع کیا جو بہت مشہور ہوا۔ اس سے متعلق عجیب خواہش تھی کہ اللہ کرے میری یہ مسواک اتنی مقبول اور عام ہو جائے کہ میں حرم شریف کے گیٹ سے جا کر اپنی مسواک خریدوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش پوری کی۔ ایک سفر حرمین میں اپنی مسواک کو حرم شریف میں فروخت ہوتے دیکھا اور اسے خریدا۔

تجارت برائے خدمت

حضرت مولانا کا ’شربت امراض قلب“ بھی خدمت خلق کا ہی پس منظر لیے ہوئے ہے۔ آپ کی مسجد کے ایک نمازی دل کے مرض میں مبتلا تھے۔ وہ ہر روز بڑی مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر صحن تک اور صحن سے ہال تک پہنچتے۔ مگر چند دنوں میں آپ نے دیکھا کہ وہ

ا

صحت مند نظر آ رہے ہیں۔ ان سے وہ نسخہ معلوم کیا جس کی وجہ سے انہیں افاقہ ہوا تھا۔ متعلقہ حکیم صاحب سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ نسخہ ایک اور صاحب کے پاس ہے۔ بالآخر دس ہزار روپے میں انہوں نے وہ نسخہ عنایت کر دیا۔ مولانا نے نہایت خالص اشیا سے دوائی تیار کروائی۔ بہت کارگر ثابت ہوئی۔ ایک شخص کے دل کا ''والو'' بند تھا، اسی سے کھلا۔

شانِ محنت

آپ کی مصنوعات میں ''حلیمی شہد'' غیر معمولی طور پر مقبول ہوا۔ صرف دو کَین شہد سے تجارت کا آغاز کیا۔ آپ رحمہ اللہ کی شانِ محنت ملاحظہ ہو کہ آپ کراچی (پاکستان) کے علاقے شیر شاہ جاکر خود بوتلیں خرید کر لاتے۔ پھر جمعرات شام سے جمعہ شام تک بوتلیں دھو دھو کر خشک بھی کرتے اور پیک بھی۔ صاف بوتلیں اس لیے نہ خریدتے کہ وہ مہنگی تھیں۔ اس طرح قیمت بہت زیادہ بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ جس سے ظاہر ہے گاہک کا نقصان ہوتا۔ اپنے کاروبار میں طلبہ کو بھی شامل کر لیتے۔ انہیں کہتے: اپنے عزیز، رشتہ داروں کے لیے لے جائیں، جو نفع ہو وہ آپ کا۔ شہد کا یہ کاروبار دو کین سے شروع ہو کر دو ٹرک تک پہنچا، ہنوز بھی جاری ہے۔

'' معیار پر سمجھوتہ نہیں کر سکتے ''

ایک منجن بنا کر فروخت کرنا شروع کیا۔ اس کا نسخہ بہت مہنگا تھا۔ بہت نایاب چیزیں ڈلتی تھیں۔ آپ کے ایک اور رفیق خاص مولانا محمد طیب نے بتایا کہ جب وہ یہ نسخہ خریدنے پنساری کے پاس گئے تو وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ اس نے کہا آپ عجیب نسخہ خریدنے آئے ہیں۔ ہم طویل عرصے سے یہی کام کر رہے ہیں، اتنا قیمتی اور مہنگا نسخہ ہم سے کبھی کسی نے نہیں خریدا۔ مولانا اسے بیچیں گے کیسے؟ اس نے مجھے کہا کہ آپ جا کر دوبارہ پوچھ آؤ۔ میں نے واپس آکر مولانا سے بات کی تو فرمانے لگے: دیکھو! ہم معیار پر سمجھوتہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ بھی یاد رکھو! ہم چاہتے ہیں ہماری وجہ سے کسی کی صحت وغیرہ کا نقصان نہ ہو۔ میں دوبارہ پنساری کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا: ''جب تیار ہو جائے تو 5 ڈبیاں مجھے بھی فروخت کرنا، میں اسے اپنے گھر میں استعمال کروں گا۔ ایسی معیاری چیز تو کوئی نہیں بناتا، یہ تو صرف مولانا کا ہی دل ہے۔''

علم اور تجارت ساتھ ساتھ

ایک ''سنت گفٹ'' شروع کیا۔ اس میں شہد کی بوتل، مسواک، عطر، تسبیح، سرمہ، بادام والی کھجور اور چھوٹا رومال وغیرہ شامل تھا۔ یہ بھی بہت مقبول ہوا۔ آپ نے کئی ایک کاروبار کیے۔ مقامی سطح سے ایکسپورٹ، امپورٹ تک پہنچے۔ دوسری جانب آپ کے علمی اور

اصلاحی مشاغل بغیر کسی انقطاع اور تعطل کے جاری رہے۔ آپ نے تدریس، تحقیق، تصنیف اور تفسیر قرآن میں غیر معمولی مہارت اور شہرت پائی تھی۔ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

فطری طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا؟ سچ! سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ نے جن بنیادوں پر اپنے کاروبار کی اٹھان کی، وہ خود ہی کامیابی کی ضامن تھیں۔ خلوص، خالص چیزیں فراہم کرنا، معیار، اخلاق اور خدا خوفی... آپ کے مزاج اور معمولات میں یہ اوصاف رچ بس گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی انتھک محنت و کاوش نے آپ کو ہمہ گیر بنانے میں خصوصی کردار ادا کیا۔ آپ کے رفقا کے بقول: اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بے انتہا ہمت و جرات دے رکھی تھی۔ خود گاڑی ڈرائیو کرتے اور بڑے بڑے امور انجام دیتے۔ آپؒ کے دوست حاجی عبد الرؤف عیسیٰ فرماتے ہیں: ”میں مولانا کو معذور نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ معذور وہ ہے جو کم ہمت ہے، جو مشقت کا عادی نہیں ہے۔“

کام، کام اور صرف کام

مولانا مفتی محمد نعیم فرماتے ہیں: ”میں اس معذور شخص کو داد دیتا ہوں، جس نے معذوری کے باوجود محنت کر کے اپنے بچوں کو اس مقام تک پہنچایا۔“ آپ کے رفیق مولانا محمد طیب فرماتے ہیں: ”آپ تھکن کے نام سے ہی ناواقف تھے۔ کام، کام اور صرف کام۔ مسنون طریقے کے مطابق عشا کے بعد جلد سو کر صبح جلد اٹھ جاتے تہجد پڑھتے اور کئی پارے تلاوت فرماتے۔

اگر اہلیہ ساتھ نہ دیتیں۔ خصوصی اوصاف اور ذاتی محنت کے ساتھ ساتھ آپ کی کامیابی کا ایک اور اہم راز آپ کی سلیقہ شعار اہلیہ محترمہ ہیں۔ جنھوں نے انتہائی عسرت کے زمانے میں آپ کا ہر ممکن ساتھ دیا۔ مولانا مرحوم نے اپنے رفیق مولانا محمد طیب سے فرمایا: ”میری ان کامیابیوں میں میری اہلیہ کا بہت عظیم کردار ہے۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتیں تو آج میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہوتا۔ اکثر کام وہی انجام دیتی ہیں۔“”میری دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد نہ کرو‘ ‘

ایک بزنس مین کا سب سے بڑا امتحان کاروباری اخلاقیات کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اسی میں عمومی طور پر تاجر ناکام نظر آتے ہیں۔ مختلف قسم کی اخلاقی کوتاہیوں کے باعث ان کی کمائی حرام سے آلودہ ہو جاتی ہے اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے جیسی مثال مولانا مرحوم نے قائم کی، یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق سے ہی ممکن ہے۔ اس حوالے سے چیدہ چیدہ احوال دیکھیے۔ ادھار عموماً نہیں لیتے تھے۔ نقد لین دین کی عادت تھی۔ انتہائی بے لوث رہ کر زندگی گزاری۔ اپنے کارکنوں سے کہہ رکھا تھا: جب پیسے آجائیں تو سب سے پہلے کوئی ادائیگی ذمے ہو یا قرض ہو تو وہ ادا کیا کرو۔ اس کے بعد جو بچے مجھے لا کر دیا کرو۔ آپ کی زبان پر لوگوں کو اس قدر اعتماد

تھا کہ وہ ایک فون کال پر بڑے سے بڑا معاملہ طے کرنے پر تیار ہو جاتے۔ اپنے عملے سے کہا کرتے: ”میری دنیا کے لیے اپنی آخرت ہر گز خراب نہ کرو۔ اگر کسی کو دھوکہ دیں گے تو چیزیں تو میری فروخت ہوں گی، مگر آخرت آپ کی خراب ہو گی۔“

سخت سست نہ گالیاں

”باس“، سربراہ اور پروٹوکول کا کوئی تصور آپ کے ہاں نہیں تھا۔ آپ اپنے ماتحتوں کے لیے ایک مشفق والد اور استاد کی طرح تھے۔ آپ کے ایک دوست اور رفیق ”بھائی اسد خان“ بتاتے ہیں: ”مولانا مرحوم ایک مرتبہ سفر حج پر تھے۔ آپ کے کاریگر کو ایک آرڈر ملا۔ اس نے مجھ سے مسواک کی 80 ہزار تھیلیاں تیار کروائیں۔ آرڈر کے مطابق انہیں پیک کر دیا۔ اس میں تقریبا 4 لاکھ کا مال بھرا تھا۔ اسی دوران آرڈر والا بھاگ گیا اور اس نے وہ مال وصول نہ کیا۔ یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ مولانا مرحوم حج سے واپس آئے تو یہ سن اور دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ مگر اپنے کاریگر کو سخت سست کہا نہ ہی آرڈر دینے والے کو گالیاں دیں۔ صرف اس کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی، مزید کچھ نہ کہا۔“ بھائی اسد بتاتے ہیں: ان تھیلیوں کا نقصان میں نے خود برداشت کر لیا تھا۔ حضرت مولانا نے خوش ہو کر مجھے یہ دعا دی: اللہ تمہیں اتنا دے کہ تم سے سنبھالا نہ جائے۔“

اسی حوالے سے مولانا محمد طیب اپنا ذاتی واقعہ ذکر کرتے ہیں: ”مجھے کافی بڑی رقم دے کر فرمایا: اتنی رقم زکوۃ کی ہے اور بقیہ کتابوں کی مد میں خرچ کرو۔ یہ رقم دو لاکھ سے زائد تھی۔ میں سمجھ نہ سکا اور ساری رقم زکوۃ سمجھ کر صدقہ کر دی۔ آکر مولانا مرحوم کو اطلاع دی تو بس اتنا فرمایا: اللہ قبول فرمائے۔ کوئی بات نہیں۔ یہ میری غلطی ہے، میں آپ کو صحیح طرح سمجھا نہ سکا تھا۔“

دھوکہ دینے والے

آپ کے ایک دوست نے آپ کا یہ قول نقل کیا: ”میرا پیسہ جن لوگوں نے کھایا، بظاہر وہ دینی حلیہ رکھنے والے لوگ تھے۔ ان سے ایسی حرکت کی ہر گز توقع نہ تھی۔“ مولانا طیب کے بقول: مگر مولانا مرحوم کی یہ کرامت بھی تھی کہ جس نے بھی آپ کا پیسہ کھایا، اللہ نے اسے در در کا بھکاری بنا دیا۔ ایک صاحب اچھے خاصے بزنس مین تھے۔ مولانا کو دھوکہ دیا۔ بعد میں ہوٹل میں ٹیبلوں پر کپڑا لگاتے نظر آئے۔ ایک اور صاحب اس قدر مالی بحران کا شکار ہوئے کہ قرض خواہوں نے ان کا مکان اپنے نام کروا لیا۔

”میں ٹیکس چور نہیں“ آپ کا کاروبار جب اور جس قدر بھی رہا، ٹیکس پابندی سے ادا کیا۔ ایک مرتبہ ایک پلاٹ خریدنے کا ارادہ کیا۔ علاقے کے صاحب اقتدار نے رکاوٹیں ڈالیں۔ خود اس کے پاس پہنچے۔ جب اس نے قیل قال کی تو اس کے سامنے رسیدوں کی تھیلی الٹ کر اسے بتایا کہ الحمد للہ! میں ٹیکس چور نہیں ہوں، یہ دیکھ لو! میں نے ہمیشہ ٹیکس ادا کیا ہے۔ ہے کوئی؟

مولانا مرحوم نے جس طرح آئینے جیسی شفاف زندگی گزاری، ہم میں سے ہر ایک اس میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ تاجر برادری خوب جانے کہ آج کے اس دور میں، انہی حالات میں شریعت کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے، کاروباری تقاضے پورے کرنا صرف ممکن ہی نہیں، نہایت کامیاب حکمت عملی بھی ہے۔ مولانا مرحوم کی کامیاب زندگی کے ان خطوط پر چل کر ہم بھی دنیا، آخرت کی کامیابیاں اپنے نام کر سکتے ہیں۔

ہے کوئی اس آواز پر لبیک کہنے والا؟؟

☆...کاروبار کے ساتھ ساتھ آپ کے علمی، اصلاحی اور تصنیفی مشاغل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے

☆...خلوص، خالصیت، معیار، اخلاق اور خدا خوفی، یہ آپ کی کاروباری زندگی کے بنیادی اصول تھے

تجارتی مسائل

خرید و فروخت میں دھوکا کرنا

سوال: میں ایک دُکان دار ہوں، جب کوئی گاہک کسی چیز کے متعلق معلوم کرتا ہے تو میں گول مول سا جواب دیتا ہوں، مثلاً: ”پتہ نہیں، آپ چیک کر لیں“ وغیرہ وغیرہ، حالانکہ مجھے اس چیز کے تمام عیب معلوم ہوتے ہیں، اس طرح کاروبار کی کمائی شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: بہتر تو یہ ہے کہ گاہک کو چیز کے عیوب بتادیئے جائیں، لیکن اگر یہ کہہ دیا جائے کہ: ”یہ جیسی بھی ہے، آپ کے سامنے ہے، اگر پسند ہے تو لے لیجئے، ورنہ چھوڑ دیجئے“ ایسا کہنے سے بھی آپ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے۔

غصب شدہ چیز کی آمدنی استعمال کرنا بھی حرام ہے

سوال: دو بھائی زید اور بکر، ایک مکان کی تعمیر میں رقم لگاتے ہیں، مکان ان کے باپ کے نام پر ہے، زید بڑا اور بکر چھوٹا ہے۔ زید پاکستان میں ہی ایک سرکاری ادارے میں کلرک ہے جبکہ بکر باہر کے ملک میں کام کرتا ہے، اور زید کے مقابلے میں مکان کی تعمیر پر کئی گنا زیادہ خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ بکر ملک سے باہر ہے، لہٰذا زید اس کی غیر حاضری کا فائدہ اُٹھا کر دھوکے سے مکان اپنے نام کر لیتا ہے، جب بکر ملک میں آتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ مکان پر زید نے قبضہ کر لیا ہے، اس پر معمولی جھگڑے کے بعد بکر کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، بکر کو قانون کے بارے میں بالکل کچھ معلوم نہیں، اور جب وہ قانونی معاملات کو سمجھتا ہے تو اس وقت تک یہ معاملہ قانون

کے مطابق زائد از میعاد ہو جاتا ہے، لہٰذا عدالت میں مقدمہ کرنے کا سوال ختم ہو گیا۔ وہ مکان جو کہ اس وقت دو منزلہ تھا اس میں زید خود بھی رہتا ہے اور دُوسری منزل کرائے پر دی ہوئی ہے، چونکہ مکان اچھا خاصا بڑا ہے لہٰذا کرایہ بھی کافی مل جاتا ہے، جس سے زید نے تیسری منزل بھی بناڈالی ہے، اور اسے بھی کرائے پر چڑھادیا ہے۔ زید کا ایک لڑکا بھی جو کہ زید کے بعد مکان کا تنہا مالک ہو جائے گا۔ شریعت کی روشنی میں آپ یہ بتائیں کہ وہ کرایہ جو کہ زید اس مکان سے حاصل کر رہا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کے بعد اس کا بیٹا جو کہ وہ کرایہ حاصل کرے گا اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ لڑکے کو علم ہے کہ زید کلرک کی حیثیت سے ایسا مکان بنانے کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور یہ کہ اس مکان کے سلسلے میں اس کے چچا کا حق مارا گیا ہے، اور اس کے باپ نے یہ مکان ناجائز طور پر غصب کر لیا تھا۔

جواب: زید کا اس مکان کو اپنے نام کرالینا اور اپنے بھائی کو محروم کر دینا غصب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی غصب کی، قیامت کے دن سات زمینوں تک وہ ٹکڑا اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا، اور وہ اس میں دھنستا رہے گا۔“ (مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۸۸) زید جو اس غصب شدہ مکان کا کرایہ کھاتا ہے وہ بھی اس کے لئے حرام ہے، اور اس کے لڑکے کو اگر اس کا علم ہے تو اس کے لئے بھی یہ آمدنی حرام ہو گی۔ جو لوگ دُوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا خمیازہ بڑا سنگین ہو گا۔

سوال: آپ نے مسئلہ کا حل مشتہر فرمایا ”غصب کردہ مکان میں نماز“ براہِ کرم جواب کا حوالہ فقہ کا ہے یا حدیث شریف کی کتاب کا؟ نام، صفحہ مفصل تحریر فرماویں تاکہ عدالتِ شرعی کو رُجوع کیا جاوے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج:۴ ص:۴۱۱)؟

۲ ...: اِجارہ مدّتِ مقرّرہ کے لئے ہو تو اس مدّت کی پابندی فریقین کے ذمہ لازم ہے، اور اگر مدّت متعین نہیں کی گئی، بلکہ ”اتنا کرایہ ماہوار“ کے حصول پر دیا گیا تو یہ اِجارہ ایک مہینے کے لئے صحیح ہو گا، اور مہینہ پورا ہونے پر فریقین میں سے ہر ایک کو اِجارہ ختم کرنے کا حق ہو گا۔ (فتاویٰ ہندیہ ج:۴ ص:۴۱۶)

۳ ...: کسی شخص کی رضامندی کے بغیر اس کے مال پر اس طرح مسلط ہو جانا کہ مالک کا قبضہ زائل ہو جائے، یا وہ اس پر قابض نہ ہو سکے ”غصب“ کہلاتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ ج:۵ ص:۱۱۹)

۴ ...: اور غصب کردہ زمین میں نماز مکروہ ہے۔

غاصب کے نماز روزے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

سوال: اگر کوئی کسی کا مال یا جائیداد ناجائز طور پر غصب کرتا ہے تو غاصب کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دُوسری عبادات اور نیکیوں کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ جبکہ جس کا حق غصب کیا گیا ہو وہ انتقال کرچکا ہو، لیکن اس کی اولاد موجود ہے تو اس صورت میں غاصب کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وہ غصب شدہ چیز مالک کو واپس نہ کرے تو اس غصب کے بدلے میں اس کی نماز، روزہ وغیرہ مظلوم کو دِلائی جائیں گی۔

کسی کی زمین ناحق غصب کرنا سنگین جرم ہے

سوال: ایک شخص کے منظور شدہ نقشے میں زمین آگے کی جانب ساڑھے تیس فٹ چوڑی اور پشت کی جانب ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑی، اور اس کے پڑوسی کے نقشے میں آگے کی جانب دس فٹ گیارہ اِنچ اور پشت کی جانب تیرہ فٹ ہے، لیکن وہ پڑوسی جس کے نقشے میں پشت کی جانب ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑائی ہے اپنے پڑوسی سے یہ کہہ کر اس کی دیوار گرادے کہ: ”تمہارے مکان کی دیوار بوسیدہ ہے جس کی وجہ سے میرے مکان کی تعمیر میں مزدوروں پر گر جائے گی“ لیکن جب تعمیر کے لئے بنیاد کھودے تو اپنی ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑائی سے بڑھ کر تیس فٹ یا اس سے بھی زیادہ حد میں تعمیر کرلے، اور اپنے اس پڑوسی کی زمین کم کردے جس کی منظور شدہ نقشے میں تیرہ فٹ چوڑائی ہے، تو جناب مولانا صاحب! آپ بتائیں کہ کسی کی زمین دبانا اس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور دُنیا اور آخرت میں ایسے آدمی کو کن کن عذاب سے گزرنا ہوگا؟ اس سلسلے میں کم از کم دوچار حدیثیں بمع حوالے کے جلد تحریر فرماکر شکریہ کا موقع دیجئے گا۔ پڑوسی بیمار رہنے کے علاوہ مالی حالت میں بھی کمزور ہے، اور رشوت کے زمانے میں انصاف کا ملنا مشکل، اس لئے اس نے خاموش ہوکر خدا پر چھوڑ دیا۔

جواب: کسی کی زمین ظلماً غصب کرنا بڑا ہی سنگین جرم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ”جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ناحق لی، اسے قیامت کے دن ساتویں زمین تک زمین میں دھنسایا جائے گا۔“ ایک اور حدیث میں ہے کہ: ”جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی، قیامت کے دن سات زمینوں تک اس کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔“ (مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۸۸) بیمار پڑوسی نے بہت اچھا کیا کہ اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا، یہ ظالم اپنے ظلم کی سزا دُنیا اور آخرت میں بھگتے گا۔

اُدھار اور نقد خریداری کے ضابطے

سوال: آج کل کاروبار میں ایک طریقہ رائج ہوچکا ہے، جس کو ”ڈپو“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ایک بیوپاری کے پاس مال ہے، وہ فروخت کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بازار کا نرخ بیس روپے من ہے، ایک مدّتِ مقرّرہ پر رقم ادا کرنے کی صورت میں

نرخ پچیّس روپے من لگایا جاتا ہے، مدّت کی کمی بیشی کی صورت میں رقم کی بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ سودا طے ہوجانے پر مالِ مذکورہ مشتری (خریدار) کے حوالے کردیا جاتا ہے، کیا یہ صورت سود میں آتی ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ ایک مفتی صاحب نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بندہ نے ایک تحریر دیکھی ہے جس سے مزید اِشکال پیدا ہو رہا ہے، جو کہ نقل ہے: ''حضرت سفیان کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عمرؓ سے پوچھا: ایک شخص کو وقتِ مقرّرہ پر میرا اُدھار ادا کرنا ہے، میں اس سے کہتا ہوں کہ: تم مجھے مقرّرہ وقت کے بجائے آج دو تو میں کل رقم میں سے تم کو کچھ چھوڑتا ہوں۔ ابنِ عمرؓ نے فرمایا: یہ سود ہے۔'' زید بن ثابتؓ سے بھی اسی کی نہی مروی ہے، سعید بن جبیر، شعبی، حکم، ہمارے (احناف) اور جملہ فقہاء کا یہی قول ہے، البتہ ابنِ عباسؓ اور ابراہیم نخعیؒ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔''

جواب: اگر قیمت نقد ادا کردی جائے اور چیز مہینے دو مہینے کی میعاد پر دینی طے کی جائے تو یہ ''بیعِ سلم'' کہلاتی ہے، اور یہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱: جنس معلوم ہو۔ ۲: نوع معلوم ہو، مثلاً: فلاں قسم کی گندم ہوگی۔ ۳: وصف معلوم ہو، مثلاً اعلیٰ درجے کی ہو یا درمیانی درجے کی یا گھٹیا درجے کی۔ ۴: مقدار معلوم ہو۔ ۵: وصولی کی تاریخ مقرّر ہو۔ ۶: جو رقم ادا کی گئی ہے اس کی مقدار معلوم ہو۔ ۷: اور یہ طے ہوجائے کہ یہ چیز فلاں جگہ سے خریدار اُٹھائے گا۔

نقد ارزاں خرید کر گراں قیمت پر اُدھار فروخت کرنا

سوال: زید کے پاس مال ہے، بکر اس کا خریدار ہے، زید کو پیسے کی ضرورت ہے، عمرو کے پاس رقم نہیں ہے، بکر کے پاس فالتو رقم پڑی ہوئی ہے۔ بکر، زید سے مال بازار کے نرخ سے کم پر خریدتا ہے اور زید کو چونکہ ضرورت ہے اس لئے وہ بھی دے دیتا ہے، اس کے بعد بکر، عمرو کے ہاتھ وہ مال بازار کے نرخ سے زائد پر بیچتا ہے، کیونکہ عمرو یہ مال اُدھار پر خریدتا ہے، بکر کا یہ معاملہ کیا شرعی حیثیت رکھتا ہے؟ اس میں یہ بات واضح رہے کہ بکر، زید سے یہ مال صرف اس لئے خرید رہا ہے کہ اس کے پاس اس مال کا گاہک عمرو پہلے سے موجود ہے، اگر عمرو موجود نہ ہو تو بکر سے زید یہ معاملہ نہ کرتا، کیونکہ جس مال کا سودا ہوا ہے وہ بکر کی لائن ہی نہیں ہے۔

جواب: یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک کسی کی ناداری اور مجبوری سے فائدہ اُٹھاکر کم داموں پر چیز خریدنا اگرچہ قانوناً جائز ہے، مگر اخلاق و مروّت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ دُوسرا مسئلہ اُدھار میں گراں قیمت پر دینا ہے، یہ جائز ہے، مگر نقد اور اُدھار کے درمیان قیمت کا فرق مناسب ہونا چاہئے۔

نقد ایک چیز کم قیمت پر اور اُدھار زیادہ پر بیچنا جائز ہے

سوال: ہمارے یہاں لوگ قسطوں کا کاروبار کرتے ہیں، جیسے سائیکل، ٹی وی، فریج، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ، قسطوں پر دیتے ہیں، ایسے کہ اگر ٹیپ ریکارڈر کی مارکیٹ میں مالیت دو ہزار کی ہے تو یہ قسطوں پر ڈھائی ہزار کی دیں گے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ ہم کو دو ہزار دیں گے اور ہم سے ڈھائی ہزار لیں گے، جبکہ آپ نے قسطوں پر لی ہے۔ برائے مہربانی ہم کو بتائیں کہ یہ چیز سود کے زُمرے میں تو نہیں آتی؟ اگر آتی ہے تو آپ بتائیں کہ اس کو رفع کیسے کیا جائے؟

جواب: ایک چیز نقد کم قیمت پر فروخت کرنا اور اُدھار زیادہ قیمت پر دینا جائز ہے، یہ چیز سود کے زُمرے میں نہیں آتی۔ البتہ فروخت کرتے وقت نقد یا اُدھار پر فروخت کرنے اور قیمت اور قسطوں کی تعیین ضروری ہے۔

ایک چیز نقد کم پر، اور اُدھار زیادہ پر بیچنا

سوال: ماہنامہ "اقرأ" ڈائجسٹ میں ایک مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص ریڈیو فروخت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ: "یہ ریڈیو اگر نقد لیتے ہو تو ۵۰۰ روپے کا، اور اگر اُدھار لیتے ہو تو ۶۰۰ روپے کا، اگرچہ یہاں پر ۱۰۰ روپیہ بڑھ گئے لیکن یہ سود نہیں ہے، اس لئے کہ اس پس منظر میں چیز ہے۔" مندرجہ بالا مسئلے سے معلوم ہوا کہ بائع مشتری کے ساتھ نقد اور اُدھار کی شرط پر قیمت میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اور اب تک جو کچھ ہم سمجھتے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں ہے، اور "بہشتی زیور" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مسئلہ "بہشتی زیور" کا یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خریدار سے اوّل پوچھ لیا ہو کہ نقد لوگے یا اُدھار، اگر اس نے نقد کہا تو بیس سیر دے دیئے، اور اُدھار کہا تو پندرہ سیر دے دیئے، اور اگر معاملہ اس طرح کیا کہ خریدار سے یوں کہا کہ اگر نقد لوگے تو ایک روپے کے بیس سیر، اور اُدھار لوگے تو پندرہ سیر ہوں گے، یہ جائز نہیں ہے۔

جواب: "بہشتی زیور" کا مسئلہ صحیح ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے کہ مجلسِ عقد میں یہ طے نہ ہو جائے کہ یہ چیز نقد لوگے تو اتنے کی ہے اور اُدھار لوگے تو اتنے کی، اور پھر مجلسِ عقد میں ایک صورت طے ہو جائے تو جائز ہے۔ مفتی صاحب نے جو مسئلہ لکھا ہے وہ اسی صورت سے متعلق ہے۔

اُدھار بیچنے پر زیادہ رقم لینے اور سود لینے میں فرق

سوال: آپ نے ایک سائل کے جواب میں لکھا تھا کہ ایک چیز نقد ۱۰ روپے کی اور اُدھار ۱۵ روپے کی بیچنا جائز ہے، یہ کیسے جائز ہوگیا؟ یہ تو سراسر سود ہے، سود میں بھی تو اسی طرح ہوتا ہے کہ آپ کسی سے ۱۰ روپے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مہینے کے بعد ۱۵ روپے دُوں گا۔ اس طرح تو یہ بھی سود ہوا کہ ایک چیز کو نقد ۱۰ روپے کا، اُدھار ۱۵ روپے کا دیتے ہیں، اگر وقت کی وجہ سے دُکان دار ۵ روپے زیادہ لیتا ہے تو سود خوروں کی بھی یہی دلیل ہے کہ ہم اپنا پیسہ پھنساتے ہیں۔

جواب: کسی کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا الگ چیز ہے، اور سود الگ چیز ہے۔ روپے کے بدلے روپیہ جب زیادہ لیا جائے گا تو یہ "سود" ہوگا۔ لیکن چیز کے بدلے میں روپیہ زیادہ بھی لیا جاتا ہے اور کم بھی۔ زیادہ لینے کو "گراں فروشی" کہتے ہیں مگر یہ سود نہیں۔ اسی طرح اگر نقد اور اُدھار کی قیمت کا فرق ہو تو یہ بھی سود نہیں۔

اُدھار چیز کی قیمت وقفہ وقفہ پر بڑھانا جائز نہیں

سوال: ہمارے ہاں کپڑا مارکیٹ میں دھاگے کا کام ہوتا ہے، اب ہم اس طرح کرتے ہیں کہ دھاگہ جو کہ پونڈ کے حساب سے فروخت ہوتا ہے، اب فرض کریں کہ دھاگے کی قیمت ۳۵ روپے فی پونڈ ہے، ہمارے یہاں مارکیٹ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دھاگہ نقد لوگے تو ۳۵ روپے فی پونڈ ہوگا، اور اگر یہی دھاگہ ایک مہینے کا اُدھار لیں گے تو یہ دھاگہ ۳۶ روپے کا ہوگا، اور دو مہینے کا اُدھار لیں گے تو یہ دھاگہ ۳۷ روپے کا ہوگا۔ گویا ایک پونڈ پر ایک مہینے کا ایک روپیہ اُوپر لیتے ہیں، اب اگر کوئی شخص دھاگہ دو مہینے اُدھار پر لیتا ہے اور دو روپے پونڈ کے اُوپر زیادہ دیتا ہے تو اگر اس شخص کے پاس ڈیڑھ مہینے میں روپے آجاتے ہیں اور وہ اسے جس سے اس نے دھاگہ دو مہینے اُدھار پر لیا ہے، یہ کہے کہ: "میرے پاس روپے آگئے ہیں، تم اس طرح کہ ڈیڑھ روپے کے حساب سے پونڈ پر روپے لے لو، یعنی اگر ۳۵ روپے کا ہے تو ۳۶ روپے ۵۰ پیسے پونڈ کے حساب سے روپے لے لو" تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ دو روپے پونڈ کا دو مہینے سے سودا طے ہوا تھا، اب وہ ۱۵ دن پہلے روپے دے رہا ہے، ۵۰ پیسے فی پونڈ پر کم کے حساب سے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مہینے کا اُدھار لے ایک روپیہ فی پونڈ کے حساب سے، اب ایک مہینہ ہوگیا ہے اور اب اس شخص کے پاس روپے نہیں آئے اب وہ اگر یہ کہے کہ: "تم اس طرح کرو کہ دو مہینے کا اُدھار کرلو اور ایک روپیہ پونڈ پر زیادہ لے لو، تو یہ طریقہ سود کے زُمرے میں تو نہیں آتا ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ برائے مہربانی دونوں صورتوں کا جواب شریعت کی رُو سے دیں۔

جواب: نقد اور اُدھار قیمت کا فرق تو جائز ہے، مگر وقت متعین ہونا چاہئے، مثلاً: دو مہینے کے بعد ادا کریں گے، اور اس کی قیمت یہ ہوگی۔ فی مہینہ ایک روپیہ زائد کے ساتھ سودا کرنا جائز نہیں۔

اُدھار فروخت کرنے پر زیادہ قیمت وصولنا

سوال: کسی اناج کے بھاؤ بازار کے مطابق آج ۲۰ روپے من ہیں، اور دُکان دار نقد لینے والے گاہک کو ۲۰ روپے من فروخت کرتا ہے، اور وہی دُکان دار اُدھار لینے والے کو ۲۵ روپے من فروخت کرتا ہے، اُدھار لینے والا مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہے اور لیتا ہے، اس مسئلے پر اسلامی قانون سے کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس طرح فروخت کرنا تو جائز ہے، مگر کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہئے

ڈیلر کا کمپنی سے مال وصول کرنے سے قبل فروخت کرنا

سوال: مختلف کمپنیاں مال بنا کر کچھ لوگوں کو اپنا مال فروخت کرتی ہیں، بقیہ لوگوں کو مال ان لوگوں سے خریدنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ان لوگوں کے پاس مال کا اسٹاک (ذخیرہ) نہیں ہوتا، اور وہ لوگ اپنا نفع بڑھا کر اپنا مال فروخت کرواتے ہیں، اور یہ فروخت شدہ مال بعد میں اسی کمپنی سے اتنا ہی خرید کر پورا کر دیتے ہیں، آیا شرعاً یہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس کی صحیح شرعی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

جواب: جو مال اپنے پاس موجود نہیں، اس کی فروخت بھی جائز نہیں، البتہ ایک صورت جائز ہے، جس کو "بیعِ سلم" کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دام تو آج نقد وصول کرلئے اور چیز ایک مہینے یا اس سے زیادہ کی مہلت پر دینی طے کرلی، ایسا سودا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

۱ ...: جنس معلوم ہو (مثلاً: کپاس کا سودا ہوا)۔

۲ ...: نوع معلوم ہو (مثلاً: دیسی وغیرہ)۔

۳ ...: صفت معلوم ہو (مثلاً: اعلیٰ قسم، یا متوسط یا ادنیٰ)۔

۴ ...: اس کی مقدار معلوم ہو (مثلاً: اتنے ٹن) ان چار شرطوں کا تعلق مال کی تعیین سے ہے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے اس میں کوئی اشتباہ نہ رہے۔

۵ ...: وصولی کی تاریخ متعین ہو، جو ایک مہینے سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

۶ ...: اداشدہ رقم کی مقدار متعین ہو۔

۷ ...: جن چیزوں پر حمل و نقل کے مصارف اُٹھتے ہیں، ان میں یہ بھی طے ہو جانا چاہئے کہ وہ مال فلاں جگہ مہیا کیا جائے گا۔

۸ ...: جانبین کے جدا ہونے سے پہلے مجلسِ خرید و فروخت میں پوری رقم ادا ہو جانا۔

اگر ان آٹھ شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو بیعِ سلم فاسد ہے۔

مال قبضہ کرنے سے قبل فروخت کرنا اور ذخیرہ اندوزی

سوال: زید نے بکر سے (جو بیرونِ ملک ہے) مال خریدا اور بکر نے جہاز سے زید کو روانہ کر دیا، جہاز سمندر میں تھا، زید نے سامان کا کچھ حصہ حارث کو اس دن کے بھاؤ سودا کر دیا اور رقم کا کچھ حصہ بطور ایڈوانس زید کو ادا کر دیا، جبکہ حارث مال کے اس حصے کی رقم زید کو اس وقت دے گا جب زید اسے یہ مال حوالے کرے گا۔

۱: جس وقت جہاز زید کے ملک پہنچا اس وقت بھاؤ حارث کی طے شدہ قیمتِ خرید سے زیادہ تھا، تو حارث کو کون سی قیمت زید کو ادا کرنی چاہئے، موجودہ یا طے شدہ؟

۲: جب جہاز زید کے ملک میں آگیا، تو اس وقت مارکیٹ میں بھاؤ حارث کی طے شدہ قیمتِ فروخت سے کم تھا، تو کیا حکم ہے؟

۳ ...: جہاز کے زید کے ملک آنے سے قبل حارث، نعمان، وارث اور دیگر چھ مزید پارٹیوں کے سودے ہوئے، درجہ بدرجہ مال نعیم کے پاس جب پہنچا تو قیمت کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی، اور سب نے اپنا اپنا حصہ غائبانہ سودے سے وصول کیا، دس میں نو پارٹیوں نے جو رقم منافع میں وصول کی وہ کہاں تک جائز ہوگی؟ اور کیا اس طرح سودا کرنا جائز اور حلال ہوگا؟ کاروبار میں جب بڑی پارٹی کوئی شے زیادہ مقدار میں خریدتی ہے تو چھوٹے بیوپاری اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کی قیمت بڑھنے والی ہے، وہ بھی منافع کی خاطر اپنی بساط کے مطابق خرید لیتے ہیں، پھر بیچ دیتے ہیں، یہ منافع ان کے لئے دُرست ہے؟ کیا یہ ذخیرہ اندوزی ہے؟ یہ ایک حدیث پاک ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ چالیس روز تک اجناس کو محض اس لئے روکے رکھنا کہ قیمت بڑھ جائے یہ اَمر اللہ پاک کے یہاں اتنا بڑا ہے کہ تاجر اگر سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو بھی یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔

۴ ...: صحیح حدیث کیا ہے؟ آیا یہ ہدایت عام دنوں کے لئے بھی ہے یا صرف قحط کے دوران کے لئے ہے؟

جواب 1: تجارت کا اُصول ہے کہ جو مال قبضہ میں نہ آئے اس کا فروخت کرنا دُرست نہیں، لہٰذا جو مال ابھی تک زید کی ملک میں نہیں آیا اس کو فروخت نہیں کر سکتا، زید اور اس کے بعد جتنے لوگ مال قبضے میں آنے سے قبل غیر مقبوض مال کو فروخت کریں گے سب کی بیع ناجائز ہے۔ البتہ زید دُوسرے لوگوں سے بیع کا وعدہ کر سکتا ہے کہ مال جب قبضے میں آئے گا تو اس وقت کی قیمت کے لحاظ سے اس کو فروخت کرے گا۔

جواب2: چونکہ پہلا سودا قابلِ فسخ ہے، اس لئے دوبارہ مال قبضے میں آنے کے بعد قیمت مقرّر کر کے سودا کرنا چاہئے، اگر غلطی سے سابقہ سودے کو برقرار رکھا تو گناہ ہوگا، البتہ قیمت وہی ہوگی جو پہلے دونوں نے طے کی تھی۔

جواب3: سارے کاروبار ناجائز ہیں، اس لئے سودے منسوخ کئے جائیں، مال زید کے قبضے میں آنے کے بعد دوبارہ قیمت مل کر کے معاملہ طے کریں۔

جواب4: ذخیرہ اندوزی اسلام میں ناجائز ہے، غیر انسانی رویہ ہے، حدیث میں ہے: "جو شخص اجناس اس لئے محفوظ کرتا ہے کہ قیمت بڑھ جائے تو فروخت کروں، تو وہ گناہ گار ہے، ملعون ہے، اللہ کے ذمہ سے وہ شخص بری ہے، تمام مال خرچ کرے گا تو تلافی نہ ہوگی۔" حدیث شریف قحط اور غیر قحط دونوں کے لئے ہے، البتہ قحط کے زمانے میں مال محفوظ کرنا زیادہ بدتر ہے، کیونکہ ذخیرہ اندوزی سے غریبوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

جہاز پہنچنے سے قبل مال فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال: پارٹی نے مال باہر سے منگوایا، اس کے آنے میں باہر سے وقت صرف ہو جاتا ہے، صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے وہ مال جس جہاز پر آنا ہوتا ہے اس کی اطلاع یہاں پارٹی کو آجاتی ہے کہ فلاں ماہ، فلاں جہاز میں آپ کا مال بُک ہو جائے گا، (مختلف وجوہات کی بنا پر اس میں دیر سویر بھی ہوتی رہتی ہے)، لیکن یہاں منگوانے والی پارٹیاں جہاز کے نام سے مال پہلے ہی فروخت کر دیتی ہیں کہ فلاں مال، فلاں جہاز پر آرہا ہے، اس کا سودا ہوتا ہے، تو شرعاً یہ سودا منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ بینک کی حیثیت کے تعین پر موقوف ہے، اگر بینک خریدار کی حیثیت سے وکیل ہے اور بینک کا نمائندہ باہر ملک میں مال کو اپنی تحویل میں لے کر روانہ کرتا ہے، تو چونکہ وکیل کا قبضہ خود مؤکل کا قبضہ ہے، اس لئے مال پہنچنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اور اگر بینک خریدار کا وکیل نہیں ہوتا تو اس کو مال کی فروخت قبضے سے پہلے جائز نہیں۔

قبضے سے پہلے مال فروخت کرنا دُرست نہیں

سوال: میرا کاروبار سوت کا ہے، میں نے کارخانے یا کسی بیوپاری سے کچھ مال خریدا، مال موجود لیکن میں نے ابھی قیمتِ خرید ادا نہیں کی، اور نہ ہی مال وصول کیا ہے۔ اب میں اس مال کو کسی پر فروخت کر دیتا ہوں اور پھر بعد میں قیمتِ خرید و فروخت کا آپس میں لین دین ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی سے یعنی جس کو میں نے مال بیچا ہے اس سے قیمت لے کر پھر کارخانے دار یا

بیوپاری کو ادا کر دیتا ہوں، جس سے میں نے خریدا ہے، اس کاروبار میں مجھے نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی، کیا یہ کاروبار میرے لئے دُرست ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ ابھی تک مال پر قبضہ نہیں ہوا، اس لئے اس کو فروخت کرنا دُرست نہیں۔

بغیر دیکھے مال خریدنا اور قبضے سے پہلے آگے بیچنا

سوال: ہمارے زمانے میں مال خرید و فروخت کے وقت سامنے نہیں ہوتا، بلکہ نام یا مارکہ سے بکتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ یا مال کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ خریدار مال خرید لیتا ہے جس کے بعد قبضے میں آنے سے پہلے ہی اس کی فروخت بھی شروع کر دیتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا جواز ہے؟

جواب: بغیر دیکھے خریدنا جائز ہے، دیکھنے کے بعد اگر مال مطلوبہ معیار کا نہ نکلا تو خریدار کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہوگا، لیکن جس چیز پر قبضہ نہیں ہوا اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، قبضے کے بعد فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

ایک چیز خریدنے سے پہلے اس کا آگے سودا کرنا

سوال: زید نے بکر سے ایک مال مانگا، لیکن وہ مال بکر کے پاس نہیں ہے، عمرو کے پاس ہے، بکر کے عمرو سے اچھے تعلقات ہیں، کیونکہ بکر کا عمرو سے کم و بیش ہمیشہ کاروبار رہتا ہے، اس لئے عمرو، بکر سے خصوصی رعایت رکھتا ہے، بازار میں دام زیادہ ہوتے ہیں لیکن بکر کے لئے رعایت ہے۔ بکر، عمرو سے کم دام پر مال لے کر بازار کے نرخ پر زید کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ بات واضح رہے کہ بکر کو اس مال کی اس وقت ضرورت نہیں ہے، اور اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، زید اس سے مانگ رہا ہے اور بکر، عمرو سے بعد میں معاملہ کرتا ہے، اس سے پہلے وہ زید کے ساتھ یہ معاملہ کر چکا ہوتا ہے، اس اُمید پر کہ عمرو کے پاس مال ہے اور اس سے کم دام میں مل جائے گا، لہٰذا یہ معاملہ شرعی نقطۂ نگاہ سے کیسا ہے؟

جواب: جو چیز بکر کے پاس موجود نہیں، اس کی بیع کیسے کر سکتا ہے؟ اس لئے بیع تو صحیح نہیں، البتہ بیع کا وعدہ کر سکتا ہے کہ میں یہ چیز اتنے داموں میں مہیا کر دُوں گا۔

ذخیرہ اندوزی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کمپنی اپنا مال مارکیٹ میں خوب مہیا کر کے کاروباری حضرات کو خصوصی مراعات دے کر اپنا مال فروخت کرنا چاہتی ہے۔ ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر کاروباری حضرات اس مال کو ذخیرہ کر لیتے ہیں اور جب مارکیٹ میں یہ مال کچھ وقت کے بعد کم ہو جاتا ہے تو کاروباری حضرات زیادہ قیمت پر مال فروخت کرتے ہیں اور زیادہ منافع کماتے ہیں۔ کیا اس طرح منافع کمانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ایسی ذخیرہ اندوزی جس سے لوگوں کو تکلیف اور پریشانی ہو، حرام ہے۔ حدیث میں ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو ملعون فرمایا ہے۔ البتہ اگر لوگوں کو تنگی نہ ہو تو ذخیرہ اندوزی جائز ہے، مگر چونکہ یہ شخص گرانی کا منتظر رہے گا، اس لئے اس کا یہ فعل کراہت سے خالی نہیں۔

جس ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو تکلیف ہو وہ بُری ہے

سوال: ذخیرہ اندوزی کا کیا حکم ہے؟

جواب: ذخیرہ اندوزی کی کئی صورتیں ہیں، اور ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ روک رکھے اور فروخت نہ کرے، یہ جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں گرانی اور قحط کا انتظار کرنا گناہ ہے، اور اگر لوگ تنگی میں مبتلا ہو جائیں تو اس کو اپنی ضرورت سے زائد غلہ کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کرتا ہے، اور جب لوگ قحط اور قلّت کا شکار ہو جائیں تب بازار میں لاتا ہے، یہ صورت حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ملعون قرار دیا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بازار میں اس جنس کی فراوانی ہے اور لوگوں کو کسی طرح کی تنگی اور قلّت کا سامنا نہیں، ایسی حالت میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے، مگر گرانی کے انتظار میں غلے کو روک رکھنا کراہت سے خالی نہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یا چوپایوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، جس سے لوگوں کو تنگی لاحق ہو جاتی ہے، یہ بھی ناجائز ہے۔

کمپنی سے سستے داموں مشروب اسٹاک کر کے اصل ریٹ پر فروخت کرنا

سوال: سال میں ایک مرتبہ مشروبات کمپنیوں کی طرف سے دُکان دار حضرات کے لئے یہ اسکیم پیش کی جاتی ہے کہ اگر وہ طے کردہ دنوں میں مشروب خریدتے ہیں تو انہیں رعایت دی جائے گی۔ دُکان دار حضرات کافی مقدار میں مشروب اسٹاک کر لیتے ہیں۔

اسکیم کے ختم ہونے کے بعد وہی پُرانے دام ہو جاتے ہیں، اس طرح دُکان دار کو زیادہ منافع ملتا ہے، لیکن گاہک کو کوئی اضافی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ اس طرح دُکان داروں کا وافر مقدار میں اسٹاک رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر ملنے والا زائد منافع جائز ہے؟ جبکہ اس اسکیم سے گاہک کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

جواب: اگر چیز کی قلّت پیدا نہ ہو اور صارفین کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو تو سستے داموں زیادہ چیز خریدنے کا کوئی جرم نہیں

بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے

سوال: میں نے اپنے پیارے دوست حاجی عبدالصمد صاحب کی دُکان پر ایک مشین فروخت کرنے کے لئے رکھی، چار سو روپے قیمت مقرّر کر دی، حاجی صاحب کو فروخت کرنے کا مناسب معاوضہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ ان کے پاس دس دن کے بعد ایک گاہک نے مقرّرہ قیمت پر خریدی، مگر اس طرح کہ ۲۰ روپے بطور بیعانہ دے کر چار دن کے اندر قیمت ادا کر کے مال لے جانے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ دس دن گزرنے کے بعد آیا، اس عرصے میں وعدہ کے چار دن پورے ہونے پر مشین دُوسرے گاہک کو فروخت کر دی گئی۔ آپ ہمیں برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتادیجئے کہ بیعانے کے ۲۰ روپے واپس کرنے ہیں یا نہیں؟ اور حاجی صاحب کو فروخت کرنے کا معاوضہ (جس کو عرفِ عام میں دلالی یا کمیشن کہتے ہیں) شریعت کی رُو سے کیا فیصد دینا چاہئے؟

جواب: بیعانے کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، حاجی صاحب کا معاوضہ ان سے پہلے طے کرنا چاہئے تھا، بہر حال اب بھی رضامندی سے طے کر لیجئے۔

دُکان کا بیعانہ اپنے پاس رکھنا جائز نہیں

سوال: میں نے ایک دُکان کرایہ پر دینے کے لئے ایک شخص عبدالجبار سے معاہدہ کیا، اور بطور بیعانہ ایک ہزار روپے لیا، اب عبدالجبار سے معاہدہ ختم کر لیا ہے، اور میں نے دُکان دُوسرے کو دے دی ہے، کیا میں نے جو عبدالجبار سے بیعانہ کے ایک ہزار لئے تھے، وہ واپس کر دیئے جائیں یا میں اپنے پاس رکھ لوں؟

جواب: وہ ایک ہزار روپیہ آپ کس مد میں اپنے پاس رکھیں گے؟ اور آپ کے لئے وہ کیسے حلال ہو گا؟ یعنی اس رقم کا واپس کرنا ضروری ہے۔

مکان کا ایڈوانس واپس لینا

سوال: عبد الستار نے ایک مکان کا سودا عبد المجیب سے کیا، سودا طے ہو گیا، عبد الستار نے ایڈوانس پچیّس ہزار روپے مکان والے کو دے دیئے اور مہینے کے اندر قبضہ لینا طے ہو گیا۔ اس کے بعد عبد الستار کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے طے شدہ میعاد کے اندر مکان کا قبضہ نہ لے سکا اور نہ لے سکتا ہے۔ اب عبد الستار یہ چاہتا ہے کہ اس کی ایڈوانس رقم پچیّس ہزار روپے واپس کی جائے، عبد المجیب ایڈوانس رقم دینے سے ٹال مٹول کر رہا ہے۔ شریعت کی رُو سے بتایا جائے کہ کیا عبد المجیب ایڈاونس رقم کھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ آج کل ایسے معاملات بہت لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

جواب: یہ رقم جو پیشگی لی گئی تھی، عبد المجیب کے لئے حلال نہیں، اسے واپس کرنی چاہئے۔

بیعانہ کی رقم کا کیا کریں جبکہ مالک واپس نہ آئے؟

سوال: زید کے پاس ایک لوہے کا کارخانہ ہے، جس میں لوگوں کے آرڈر پر مختلف قسم کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں اور آرڈر دینے والے لوگ کچھ پیسے بھی پیشگی دیتے ہیں، اور مال تیار ہونے پر مکمل قیمت ادا کر کے لے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ مال کے لئے آرڈر دینے اور پیشگی پیسے دیئے جانے کے بعد پھر واپس نہیں آتے، نہ مال لینے آتے ہیں اور نہ پیسہ لینے، اور نہ ہی مالکِ کارخانہ کو ان لوگوں کے پتے وغیرہ معلوم ہیں، اس لئے ان کے گھر جا کر واپس کرنے کی صورت بھی نہیں تو کارخانہ کا مالک چاہتا ہے کہ جو پیسے اس کے پاس اس طریقے سے جمع ہو گئے ہیں اَز رُوئے شرع کسی صحیح مصرف میں خرچ کر دیئے جائیں، اس لئے جواب طلب اَمر یہ ہے کہ ان رُقومات کے صحیح مصرف بتا دیجئے تا کہ موصوف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔

جواب: اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو، نہ اس کا پتا معلوم ہو تو اس کی طرف سے یہ رقم کسی مستحق پر صدقہ کر دی جائے۔ بعد میں اگر مالک آ جائے اور وہ اپنی رقم کا مطالبہ کرے تو اس کو دینا واجب ہو گا، اور یہ صدقہ کارخانہ دار کی طرف سے شمار کیا جائے گا۔

حصص کے کاروبار کی شرعی حیثیت

سوال: حصص کے کاروبار کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

الف: آدمی کچھ حصص کسی کمپنی کے خریدے اور جلد یا بدیر ان حصص کو اپنے نام منتقل کروانے کے بعد فروخت کر دے، اس پر جو منافع یا نقصان ہو حلال ہے یا حرام؟

ب: آدمی کچھ حصص کسی کمپنی کے خریدے اور مستقل اپنے پاس رکھ لے، اس پر متعلقہ کمپنی جو منافع / بونس دیتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟

ج: حصص مستقل طور پر اپنے پاس رکھنے سے اس کی قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ حلال ہے یا حرام؟

جواب: حصص کی حقیقت یہ ہے کہ ایک کمپنی کی مالیت مثلاً: دس لاکھ روپے کی ہے، اس کے کچھ حصے تو مالکان اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اور کچھ حصوں میں دُوسروں کو شریک کرلیتے ہیں، مثلاً: دس لاکھ میں سے ایک لاکھ کے حصے تو انہوں نے اپنے پاس رکھ لئے اور نو لاکھ کے حصے عام کردیئے، جو لوگ ان حصوں کو خرید لیتے ہیں وہ اپنے حصوں کے تناسب سے کمپنی کی ملکیت میں شریک ہوجاتے ہیں، اور کچھ لوگ اپنے حصوں کو فروخت کرکے اپنی ملکیت دُوسروں کو منتقل کردیتے ہیں، اس لئے ان حصص کی خرید و فروخت جائز ہے، بشرطیکہ کمپنی کا کاروبار صحیح ہو، اور ان حصص پر کمپنی کی طرف سے ملنے والا منافع جائز ہے، بشرطیکہ وہ کل منافع کو حصص پر تقسیم کرتے ہوں، واللہ اعلم!

حصص کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال: میں کمپنی شیئرز کی خرید و فروخت کرتا ہوں، جس میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور کمپنیاں سال کے اختتام پر اپنے حصص یافتگان کو محدود منافع بھی تقسیم کرتی ہیں، جس کو ”ڈیویڈنڈ“ کہتے ہیں، کیا یہ کاروبار اور منافع جائز ہے؟

جواب: کمپنی کی مثال ایسی ہے کہ چند آدمی مل کر شراکتی بنیاد پر دُکان کھول لیں، یا کوئی کارخانہ لگالیں، ان میں سے ہر شخص اس دُکان یا کارخانے میں اپنے حصے کے مطابق شریک ہوگا، اور اپنے حصے کے منافع کا حق دار ہوگا۔ اور ان میں سے ہر شخص کو اپنا حصہ کسی دُوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ یہی حیثیت کمپنی کے حصص کی بھی سمجھئے۔ اس لئے حصص کی خرید و فروخت جائز ہے۔ البتہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ کمپنی کا کاروبار جائز اور حلال ہو، ناجائز اور حرام نہ ہو۔ جس کمپنی کا کاروبار ناجائز ہوگا اس کے حصص کی خرید جائز نہیں ہوگی، مثلاً: بینکوں کا نظام سود پر مبنی ہے، تو بینک کے حصص حرام ہوں گے۔

کس کمپنی کے حصص کی خریداری جائز ہے؟

سوال: آج کل کاروباری ادارے مزید سرمایہ کاری کے لئے یا پھر نئے ادارے اپنا کاروبار شروع کرنے کے لئے لوگوں کو شیئرز فروخت کرتے ہیں۔ ان شیئرز کی قیمت عموماً دس روپے فی شیئر ہوتی ہے۔ اس لئے باقاعدہ بینکوں کے ذریعہ درخواستیں مانگی جاتی ہیں، اور بہت سی درخواستیں موصول ہونے پر بذریعہ قرعہ اندازی لوگوں کو جن کا نمبر قرعہ اندازی کے ذریعہ نکلتا ہے، شیئرز دے دیئے

جاتے ہیں۔ قرعہ اندازی میں کھلنے پر اس کی قیمت دس روپے فی شیئر ہوتی ہے، لیکن اسٹاک مارکیٹ میں اس کی قیمت کمپنی کی مشہوری کی وجہ سے بڑھتی ہے اور بعض اوقات گھٹتی بھی ہے، یعنی کبھی شیئر ۹ روپے یا ۸ روپے کا بھی فروخت ہوتا ہے، کبھی ۲۰ روپے یا ۲۵ روپے کا بھی۔ شیئرز کو کھلی مارکیٹ میں فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، اور اگر ان کو ایک خاص مدّت عموماً ۶ ماہ تک رکھا جائے تو کمپنی عبوری منافع کا اعلان کرتی ہے، جو ایک خاص فیصد پر ہر ایک کو یعنی جس کے پاس ۱۰۰ شیئرز ہوں اس کو بھی اور جس کے پاس ۱۰۰۰ شیئرز ہوں اس کو بھی اسی حساب سے دیتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح شیئرز کا خرید نا دُرست ہے یا نہیں؟

۲: اگر خرید لئے تو کیا نفع یا نقصان کی بنیاد پر ان کو فروخت کرنا دُرست ہے یا نہیں؟

۳ …: ان شیئرز کو اس نیت سے رکھنا کہ ان پر نفع ملے گا، دُرست ہے یا نہیں؟

۴ …: نفع کا لینا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب: شیئرز (حصص) کی حقیقت ہے کمپنی میں شراکت حاصل کرنا۔ جس نے جتنے حصص خریدے وہ کل رقم کی نسبت سے اتنے حصے کا مالک اور کمپنی میں شریک ہوگیا۔ اب کمپنی نے کوئی مل، کارخانہ، فیکٹری لگائی تو اس شخص کا اس میں اتنا حصہ ہوگیا اور اس شخص کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے، لہٰذا حصص کی خرید و فروخت جائز ہے، مگر یہاں تین چیزیں قابلِ ذکر ہیں:

اوّل: جب تک کمپنی نے کوئی مل یا کارخانہ نہیں لگایا اس وقت تک حصص کی حیثیت نقد رقم کی ہے، اور دس روپے کی رقم کو ۹ یا ۱۱ روپے میں فروخت کرنا جائز نہیں، یہ خالص سود ہے۔

دوم: عام طور سے ایسی کمپنیاں سودی کاروبار کرتی ہیں، جو گناہ ہے، اور اس گناہ میں تمام حصہ دار شریک ہوں گے۔

سوم: کمپنی کی شراکت اس وقت جائز ہے جبکہ اس کے معاملات صحیح ہوں، اگر کمپنی کا کوئی معاملہ خلافِ شریعت ہوتا ہے، اور حصہ داروں کو اس کا علم بھی ہے تو حصہ دار بھی گناہگار ہوں گے، اور اس کمپنی میں شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

”این. آئی. ٹی“ کے حصص خریدنا جائز نہیں

سوال: نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (این. آئی. ٹی) گورنمنٹ پاکستان کا ایک ادارہ ہے، یہ ادارہ ملوں سے حصے (شیئرز) خریدتا ہے اور ملیں بینک سے سود پر قرض لیتی ہیں، شیئرز سے جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ خریدنے والوں میں ان کے حصے کے مطابق اس ادارے کی طرف سے تقسیم کیا جاتا ہے، کیا این. آئی. ٹی سے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب ملیں بینک سے قرض لے کر سود دیتی ہیں، تو یہ منافع جائز نہیں۔ اس لئے ”این. آئی. ٹی“ شیئرز جائز نہیں۔

حصہ دار کمپنیوں کا منافع شرعاً کیسا ہے؟

سوال: آج کل جو کمپنیاں کھلی ہیں، لوگ ان میں پیسہ جمع کرواتے ہیں، کچھ کمپنیاں ہر ماہ منافع کم زیادہ دیتی ہیں، اور کچھ کمپنیاں ہر ماہ متعین منافع دیتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کچھ یتیم، بیواؤں اور عام لوگوں کی آمدنی کا واحد ذریعۂ معاش یہی ہے، اب ہم نے جہاں بھی پڑھا کہ متعین سود ہے اور دُوسرا حلال ہے۔ آپ ہمیں ان حالات کے پیشِ نظر ایسا اسلامی طریقہ کار بتایئے کہ سب لوگ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرسکیں اور وہ سود نہ ہو۔ یہ بھی سنا ہے کہ ہم خود متعین کو اپنی ضروریات کے لئے رقم دیتے ہیں اور وہ اپنی خوشی سے متعین منافع دیتے ہیں، کیا یہ سود تو نہیں ہے؟

جواب: کمپنی اپنے حصہ داروں کو جو منافع دیتی ہے اس کے حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ کمپنی کا کاروبار شرعی اُصول کے مطابق جائز اور حلال ہو۔ اگر کمپنی کا کاروبار شرعاً جائز نہیں ہوگا تو اس کا منافع بھی حلال نہیں ہوگا۔ دُوسری شرط یہ ہے کہ وہ کمپنی باقاعدہ حساب کرکے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم کرتی ہو، اگر اصل رقم کے فیصد کے حساب سے منافع مقرّر کردیتی ہے تو یہ جائز نہیں، بلکہ سود ہے۔

شراکتی کمپنیوں کی شرعی حیثیت

سوال: آج کل جو کاروبار چلا ہوا ہے کہ رقم کسی کمپنی میں شراکت داری کے لئے دے دیں اور ہر ماہ منافع لیتے رہیں، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ ایک تو نفع و نقصان میں شراکت ہوتی ہے اور دُوسرا مقرّرہ ہوتا ہے، مثلاً ۵ فیصد۔

جواب: اس سلسلے میں ایک موٹا سا اُصول ذکر کردینا چاہتا ہوں کہ اس کو جزئیات پر خود منطبق کرلیجئے۔

اوّل: کسی کمپنی میں سرمایہ جمع کرکے اس کا منافع حاصل کرنا دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، ایک یہ کہ وہ کمپنی شریعت کے اُصول کے مطابق جائز کاروبار کرتی ہو، پس جس کمپنی کا کاروبار شریعت کے اُصولوں کے مطابق جائز نہیں ہوگا اس سے حاصل ہونے والا منافع بھی جائز نہیں ہوگا۔

دوم: یہ کہ وہ کمپنی اُصولِ مضاربت کے مطابق حاصل شدہ منافع کا ٹھیک ٹھیک حساب لگاکر حصہ داروں کو تقسیم کرتی ہو، پس جو کمپنی بغیر حساب کے محض اندازے سے منافع تقسیم کردیتی ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔ اسی طرح جو کمپنی اصل سرمائے کے فیصد

کے حساب سے مقرّرہ منافع دیتی ہو، مثلاً: اصل رقم کا پانچ فیصد، اس میں بھی سرمایہ لگانا جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے، اب یہ تحقیق خود کرلیجئے کہ کون سی کمپنی جائز کاروبار کرتی ہے اور اُصولِ مضاربت کے مطابق منافع تقسیم کرتی ہے۔

سودی کاروبار والی کمپنی میں شراکت جائز نہیں

سوال: ہم نے پچھلے سال چراٹ سیمنٹ کمپنی میں کچھ سرمایہ لگایا تھا، اور مزید لگانے کا خیال ہے، لیکن کمپنی کی سالانہ رپورٹ سے کچھ شکوک پیدا ہوئے، مبادا کہ ہمارا منافع سود بن جائے، اس لئے درج سوالوں کے جواب مرحمت فرمائیں:

الف کمپنی کچھ رقم بیمہ کو مشترکہ رقم سے ادا کرتی ہے، گویا کمپنی بیمہ شدہ ہے۔

ب کمپنی کچھ رقم سود کے طور پر ان بینکوں کو ادا کرتی ہے جن سے قرض لیا ہے۔

ج کمپنی کو کچھ رقم سود کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔

د حصہ داران اپنے حصے کسی دُوسرے فرد کو نفع کی صورت میں جب فروخت کرتے ہیں، مثلاً: دس روپے کا حصہ لیا تھا، اب پندرہ روپے کو فروخت کرتا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہوگا؟ خدانخواستہ اگر مذکورہ احوال شرع کے خلاف ہوں تو حصے کمپنی کو واپس کرنے بہتر ہوں گے یا کسی عام فرد کے ہاتھ فروخت کرنا بہتر ہوگا؟

جواب: جو کمپنی سودی کاروبار کرتی ہو، اس میں شراکت دُرست نہیں، کیونکہ اس سودی کاروبار میں تمام حصہ داران شریکِ گناہ ہوں گے۔ کمپنی کا حصہ زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔ آپ کی مرضی ہے، کمپنی کو واپس کردیں یا فروخت کردیں۔

مضاربت کے مال کا منافع کیسے طے کیا جائے؟

سوال: جیسا کہ آج کل ایک کاروبار بہت گردش میں ہے، وہ یہ کہ آپ اتنے پیسے کاروبار میں لگائیے اور اتنے فیصد منافع حاصل کیجئے۔ حالانکہ بیع مضاربت میں یہ ہے کہ نفع نقصان آدھا آدھا ہوتا ہے، جبکہ دُکان میں ہزاروں قسم کی اشیاء موجود ہوتی ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نفع لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیا ہم شریعت کی رُو سے یہ کرسکتے ہیں کہ ہر ماہ اپنی بکری کے لحاظ سے نفع کا اندازہ لگالیں اور پھر اس سے ہر ماہ کا نفع مقرّر کرلیں؟

جواب: مضاربت میں ہر چیز کے الگ الگ منافع کا حساب لگانا ضروری نہیں، بلکہ کل مال کا ششماہی، سالانہ (جیسا بھی طے ہوجائے)، حساب لگاکر منافع تقسیم کرلیا جائے (جبکہ منافع ہو)۔

شراکت میں مقرّرہ رقم بطور نفع نقصان طے کرنا سود ہے

سوال: ایک شخص لاکھوں روپے کا کاروبار کرتا ہے، زید اس کو دس ہزار روپے کاروبار میں شرکت کے لئے دے دیتا ہے، اور اس کے ساتھ یہ طے پاتا ہے کہ منافع کی شکل میں وہ زید کو زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے ماہوار کے حساب سے دے گا، باقی سب نفع دُکان دار کا ہوگا۔ اسی طرح نقصان کی صورت میں زید کا نقصان کا حصہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے ماہوار ہوگا، باقی نقصان دُکان دار برداشت کرے گا۔ کیا ایسا معاہدہ شریعت میں جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس کو کس شکل میں تبدیل کیا جائے تاکہ یہ شرعی ہو جائے؟

جواب: یہ معاملہ خالص سودی ہے، ہونا یہ چاہئے کہ اس دس ہزار روپے کے حصے میں کل جتنا منافع آتا ہے اس کا ایک حصہ مثلاً: نصف یا تہائی زید کو دیا جائے گا۔

شراکت کے کاروبار میں نفع و نقصان کا تعین قرعہ سے کرنا جوا ہے

سوال: چند لوگ شراکت میں کاروبار کرتے ہیں اور سب برابر کی رقم لگاتے ہیں، طے یہ پاتا ہے کہ نفع و نقصان ہر ماہ قرعہ کے ذریعہ نکالا جائے گا، جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ نفع و نقصان کا ذمہ دار ہوگا، خواہ ہر ماہ ایک ہی آدمی کے نام قرعہ نکلتا رہے، اس کو اعتراض نہ ہوگا۔ کیا شرع ایسے کاروبار کی اجازت دیتی ہے؟

جواب: یہ جوا (قمار) ہے۔

شراکت کی بنیاد پر کئے گئے کاروبار میں نقصان کیسے پورا کریں گے؟

سوال: دو آدمی آپس میں شراکت کی بنیاد پر تجارت کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک کی رقم ہے اور دُوسرے کی محنت، اور آپس میں نفع کی شرح طے ہے۔ کاروبار میں نقصان کی صورت میں نقصان کس تناسب سے تقسیم کیا جائے گا؟

جواب: یہ صورت "مضاربت" کہلاتی ہے، مضاربت میں اگر نقصان ہو جائے تو وہ رأس المال (یعنی اصل رقم جو تجارت میں لگائی گئی تھی) میں شمار کیا جائے گا۔ پس نقصان ہو جانے کی صورت میں اگر دونوں فریق آئندہ کے لئے معاملہ ختم کرنے کا فیصلہ کرلیں تو رقم والے کی اتنی رقم اور دُوسرے کی محنت گئی، لیکن اگر آئندہ کے لئے وہ اس معاملے کو جاری رکھنا چاہیں تو آئندہ جو نفع ہوگا اس سے سب سے پہلے رأس المال کے نقصان کو پورا کیا جائے گا، اس سے زائد جو نفع ہوگا وہ دونوں، نفع کی طے شدہ شرح کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

بکری کو پالنے کی شراکت کرنا

سوال: محمد اقبال نے عبدالرحیم کو ایک بکری آدھی قیمت پر دی، عبدالرحیم کو کہا کہ: "میں اس کی آدھی قیمت نہیں لوں گا، آپ صرف اس کو پالیں، یہ بکری جو بچے دے گی ان میں جو مادہ ہوں گے ان میں دونوں شریک ہوں گے، باقی جو نر (مذکر) ہوں گے اس میں میرا حصہ نہیں ہوگا" شرعِ محمدی کے مطابق یہ محمد اقبال اور عبدالرحیم کی شراکت جس میں نر میں سے حصہ نہ دینے کی شرط لگائی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ شراکت بالکل غلط ہے، اوّل تو دو شریکوں میں سے ایک پر بکریوں کی پروَرِش کی ذمہ داری کیوں ڈالی جائے...؟ پھر یہ شرط کیوں کہ بکری کے مادہ بچوں میں تو حصہ ہوگا، نر میں نہیں ہوگا...؟

شراکتی کاروبار میں نقصان کون برداشت کرے؟

سوال: دو شخص شراکتی بنیاد پر حصص میں کاروبار کرتے ہیں، ایک کا حصہ سرمایہ ۶۶ فیصد ہے، دُوسرے کا ۳۳ فیصد۔ ۳۳ فیصد والا کام کرتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ نقصان کی صورت میں صرف ۶۶ فیصد والا نقصان برداشت کرے نہ کہ ۳۳ فیصد والا، کیا اس کا یہ شرط لگانا شرعاً جائز ہے؟

جواب: جس شریک کے ذمہ کام ہے، منافع میں اس کا حصہ اس کے سرمایہ کی نسبت زیادہ رکھنا صحیح ہے، مثلاً: ۶۶ فیصد اور ۳۳ فیصد والے کا منافع برابر رکھا جائے، لیکن اگر خدانخواستہ نقصان ہوجائے تو سرمائے کے تناسب سے دونوں کو برداشت کرنا ہوگا، ایک شخص کو نقصان سے بَری کردینے کی شرط صحیح نہیں۔

مضاربت کی رقم کاروبار میں لگائے بغیر نفع لینا دینا

سوال: میرے دوست کا ایک چھوٹا سا کاروبار چلتا ہے، میں نے اسے کچھ رقم مضاربت کے تحت فراہم کی، کچھ عرصے بعد پتا چلا کہ اس نے یہ رقم کاروبار میں نہیں لگائی، بلکہ ذاتی کاموں میں خرچ کرڈالی، لیکن مجھے اس نے کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک رکھا۔ مجھے جو منافع ملا ہے وہ حلال ہے یا نہیں؟

جواب: جب اس نے یہ رقم کاروبار میں لگائی ہی نہیں تو کاروبار کا نفع، نقصان کہاں سے آیا جس میں اس نے آپ کو شریک کئے رکھا...؟ اگر اس نے آپ کی رقم کے بدلے میں اتنی رقم کاروبار میں لگاکر آپ کو کاروبار میں شریک کرلیا تھا اور پھر اس کاروبار سے جو

نفع ہوا اس میں سے طے شدہ شرح کے مطابق آپ کو حصہ دیتا رہا، تب تو یہ منافع حلال ہے، اور اگر اس نے کاروبار میں اتنی رقم لگائی ہی نہیں، یا رقم تو لگائی لیکن منافع کا حساب کر کے آپ کو اس کا حصہ نہیں دیا، بلکہ رقم پر لگا بندھا منافع آپ کو دیتا رہا تو یہ سود ہے۔

مال کی قیمت میں منافع پہلے شامل کرنا چاہئے

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک دُکان دار کو دو ہزار کا مال دیتا ہوں، یہ دُکان دار مجھے ہر ماہ یا پندرہ دن کے بعد (جیسے مال ختم ہو) دو ہزار کے مال کے پیسے کے علاوہ ۱۵۰، ۲۵۰ یا ۳۰۰ روپے نفع دیتا ہے۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھ سے ہر ماہ فکس دو سو روپے منافع کی رقم کے ساتھ لے لیا کریں۔ کیونکہ اس کو اس طرح ۱۵۰، ۲۵۰ یا ۳۰۰ روپے دینے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس طرح فکس نفع لینے سے یہ سود تو نہیں ہوگا۔ اس طرح پیسہ کا نفع لینا میرے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: آپ مال پر جو نفع لینا چاہتے ہیں وہ قیمت میں شامل کر لیا کیجئے، مثلاً: دو ہزار کا مال دیا، اب اس پر آپ جتنے منافع کے خواہش مند ہیں اتنا منافع دو ہزار میں شامل کر کے یہ طے کر دیا جائے کہ یہ اتنے کا مال دے رہا ہوں۔

تجارت میں شراکت نفع نقصان دونوں میں ہوگی

سوال: شراکت کی تجارت میں اگر ایک شراکت دار بحیثیت رقم کے شریک ہو اور دُوسرا شریک بحیثیت محنت کے ہو تو یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دونوں شریک نفع میں طے شدہ حصے کے صرف شریک ہیں یا نقصان میں بھی دونوں شریک ہوں گے؟

جواب: پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نے جس معاملے کو "شراکت کی تجارت" کہا ہے، فقہ میں اس کو "مضاربت" کہتے ہیں اور یہ معاملہ جائز ہے۔ اور نفع، نقصان میں شرکت کی تفصیل یہ ہے کہ کام کرنے والے کو اس تجارت میں یا تو نفع ہوگا، یا نقصان، یا نہ نفع ہوگا نہ نقصان۔

اگر نفع ہو تو اس منافع کو طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کر لیا جائے، اگر نقصان ہوا تو یہ نقصان اصل سرمائے کا شمار ہوگا، کام کرنے والے کو اس نقصان کا حصہ ادا نہیں کرنا پڑے گا، مثلاً: پچاس ہزار کا سرمایہ تھا، تجارت میں گھاٹا پڑ گیا تو یوں سمجھیں گے کہ اب سرمایہ چالیس ہزار رہ گیا۔ اب اگر دونوں اس معاملے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں تو صاحبِ مال کام کرنے والے سے دس ہزار میں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا، البتہ اگر آئندہ بھی اس معاملے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آئندہ جو منافع ہوگا پہلے اس سے اصل سرمائے

کو پورا کیا جائے گا، اور جب سرمایہ پورا پچاس ہزار ہو جائے گا تو اب جو زائد منافع ہو گا اس کو طے شدہ حصے کے مطابق دونوں فریق تقسیم کر لیں گے۔

اور اگر کام کرنے والے کو نفع ہوا، نہ نقصان، تو کام کرنے والے کی محنت گئی اور صاحبِ مال کا منافع گیا۔

تجارت کے لئے رقم دے کر ایک طے شدہ منافع وصول کرنا

سوال: زید کو تجارت کے لئے رقم کی ضرورت ہے، وہ بکر سے اس شرط پر رقم لیتا ہے کہ زید ہر ماہ ایک طے شدہ رقم بکر کو دیتا رہے گا، جس کو منافع کا نام دیا جاتا ہے اور زید یہ کام صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ حساب کتاب رکھنے سے محفوظ رہے، بس بکر کو ایک طے شدہ رقم دیتا رہے، شرعاً اس کی کیا صورت ہو گی؟

جواب: جو صورت آپ نے لکھی ہے تو یہ صریح سود ہے، جائز اور صحیح صورت یہ ہے کہ زید، بکر کے سرمائے سے تجارت کرے، اس میں جو منافع ہو اس منافع کو طے شدہ حصے کے مطابق تقسیم کر لیا جائے۔ مثلاً: دونوں کا حصہ منافع میں برابر ہو گا، یا ایک کا چالیس فیصد اور دُوسرے کا ساٹھ فیصد ہو گا۔

پیسہ لگانے والے کے لئے نفع کا حصہ مقرّر کرنا جائز ہے

سوال: میرے ایک دوست نے ایک شخص کو کاروبار کے لئے روپے دیئے ہیں، اس روپے سے جس قدر اس کو منافع ملتا ہے اس میں سے وہ چوتھا حصہ میرے دوست کو ہر ماہ دیتا ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ نفع میرے دوست کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟ جبکہ اس نے صرف سرمایہ لگایا ہے اور اس کام کے سلسلے میں کوئی محنت نہیں کرتا ہے۔

جواب: اگر وہ شخص اس روپے سے کوئی جائز کاروبار کرتا ہے، تو آپ کے دوست کے لئے منافع جائز ہے۔

شراکت کے لئے لی ہوئی رقم اگر ضائع ہو جائے تو کیا کرے؟

سوال: عرض یہ ہے کہ میں نے کچھ رقم بیوپار کے لئے کسی آدمی سے لی تھی، اس آدمی کو چوتھا حصہ (منافع) دیتا تھا، اور تین حصے خود رکھتا تھا، ایک دن کیا ہوا کہ وہ رقم (منافع کی نہیں) اصل میری بیوی کے ہاتھوں جل گئی۔ اب آپ سے التماس ہے کہ بتائیں کیا اس آدمی کو کل رقم اصل ہی لوٹا دُوں یا اس رقم پر منافع کا چوتھا حصہ بھی لوٹاؤں؟ جو میں اسے ہر ماہ دیا کرتا تھا، برائے مہربانی اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: آپ کما کر پہلے اس کی اصل رقم پوری کر دیں، جب اصل رقم پوری ہو جائے اور منافع بچنے لگے تو منافع کو طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کریں۔ "حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان اَحکامات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاروباری مقامات پر تشریف لے گئے، اور مختلف قسم کے کاروبار کی تفصیلات دریافت کیں اور ایسے تمام معاملات کو کہ جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوتا ہے، مثلاً: آڑھت کا کاروبار، اسے آپ نے سود قرار دے دیا۔"

"نیل الاوطار" کے نہ صرف محولہ بالا صفحے میں، بلکہ اس سے متعلقہ تمام اَبواب میں بھی کہیں یہ کہانی درج نہیں کہ سود کے اَحکامات نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاروبار کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے بازار تشریف لے گئے ہوں اور ایسے تمام معاملات کو جن میں بغیر محنت کے سرمایہ حاصل ہوتا ہے، آپ نے سود قرار دے دیا ہو۔ فاضل مضمون نگار کو غلط مفروضے گھڑنے اور ان کے لئے فرضی کہانیاں تصنیف کرنے کا اچھا ملکہ ہے۔ یہاں بھی انہوں نے ایک عدد کہانی تصنیف فرمائی، حالانکہ اگر ذرا بھی تأمل سے کام لیتے تو انہیں واضح ہو جاتا کہ یہ کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے حالات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اوّل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کاروبار کی ان صورتوں سے واقف تھے جو اکثر و بیشتر رائج تھیں، علاوہ ازیں تمام کاروباری حضرات بارگاہِ نبوی کے حاضر باش تھے، ان کے شب و روز اور سفر و حضر صحبتِ نبوی میں گزرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دریافت فرماسکتے تھے کہ ان کے ہاں کون کون سی صورتیں رائج ہیں۔ محض کاروبار کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے آپ کو بازار جانے کی زحمت کی ضرورت نہ تھی، اتفاقاً کبھی بازار کی طرف گزر ہو جانا دُوسری بات ہے۔

اور موصوف کا یہ ارشاد کہ: "آپ نے تمام ایسے معاملات کو جن میں بغیر محنت کے سرمایہ حاصل ہوتا ہے، سود قرار دے دیا" یہ بھی موصوف کا خود تصنیف کردہ نظریہ ہے، جسے وہ زبردستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر رہے ہیں۔

جہاں تک "آڑھت" کا تعلق ہے جسے موصوف اپنے تصنیف کردہ نظریے کے مطابق "سود" فرما رہے ہیں، حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "آڑھت" کو "تجارت" اور "آڑھتیوں" کو "تاجر" فرمایا ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں بہ سندِ صحیح حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

" خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نسمی السماسرۃ فقال: یا معشر التجار! ان الشیطان والاثم حضران البیع فشوبوا بیعکم بالصدقۃ۔ قال الترمذی: حدیث قیس بن اَبی غرزۃ حدیث حسن صحیح۔" (ترمذی ج:۱ ص:۱۴۵، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں آڑھتی اور دلال کہا جاتا تھا، آپ نے فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت میں شیطان اور گناہ بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے اپنی خرید و فروخت میں صدقہ کی آمیزش کیا کرو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آڑھت کو بھی تجارت کی مد میں شمار فرمایا ہے، کیونکہ آڑھتی یا بائع (بیچنے والا) کا وکیل ہو گا، یا مشتری (خریدنے والا) کا، دونوں صورتوں میں اس کا تاجر ہونا واضح ہے۔

البتہ احادیثِ طیبہ میں آڑھت کی ایک خاص صورت کی ممانعت ضرور فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی دیہاتی فروخت کرنے کے لئے کوئی چیز بازار میں لائے اور وہ اسے آج ہی کے نرخ پر فروخت کرنا چاہتا ہو، لیکن کوئی شہری اس سے یوں کہے کہ میاں تم یہ چیز میرے پاس رکھ جاؤ، جب یہ چیز مہنگی ہو گی تو میں اس کو فروخت کر دُوں گا، اس کی ممانعت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

" عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتلقوا الرکبان ولایبیع حاضر لبادٍ، فقیل لابن عباس: ما قولہ: لایبیع حاضر لبادٍ؟ قال: لایکون لہ سمسارا۔" (نیل الاوطار ج:۵ ص:۱۶۴)

ترجمہ: شہر سے باہر نکل کر تجارتی قافلوں کا مال نہ خریدا کرو، اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ: کوئی شہری، دیہاتی کے لئے دلال نہ بنے۔"

اس حدیث کے ذیل میں شوکانی لکھتے ہیں:

"حنفیہ کا قول ہے کہ یہ ممانعت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ گرانی کا زمانہ ہو اور وہ چیز ایسی ہے کہ اہلِ شہر کو اس کی ضرورت ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ممنوع صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں سامان لائے وہ اسے آج کے نرخ پر آج بیچنا چاہتا ہے لیکن کوئی شہری اس سے یہ کہے کہ تم اسے میرے پاس رکھ دو، میں اسے زیادہ داموں پر تدریجاً فروخت کر دُوں گا۔ اِمام مالکؒ سے منقول ہے کہ دیہاتی کے حکم میں صرف وہی شخص آتا ہے جو دیہاتی کی طرح بازار کے نرخ سے بے خبر ہو، لیکن دیہات کے جو لوگ بازار کے بھاؤ سے واقف ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں (یعنی ان کی چیز شہری کے لئے فروخت کرنا دُرست ہے)۔"

ابنِ منذرؒ نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے لئے اس وقت ہے جبکہ:

ا …: بائع عالم ہو۔

۲ …: سامان ایسا ہو کہ اس کی ضرورت عام اہلِ شہر کو ہے۔

۳ …: بدوی نے وہ سامان اَز خود شہری کو پیش نہ کیا ہو۔ (ایضاً)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا منشا کیا ہے اور فقہائے اُمت نے اس سے کیا سمجھا ہے۔

شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی اس کی وجہ بھی وہ نہیں جو ہمارے فاضل مضمون نگار بتارہے ہیں، (یعنی بغیر محنت کے سرمایہ کا حصول)، بلکہ اس کی وجہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادی ہے:

"عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لایبیع حاضر لبادٍ دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض۔ رواہ الجماعۃ الا البخاری۔"

(نیل الاوطار ج:۵ ص:۲۶۳)

ترجمہ:… "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق پہنچائے۔"

مطلب یہ کہ دیہاتی لوگ آکر شہر میں مال خود فروخت کریں گے تو اس سے ارزانی پیدا ہوگی، لیکن اگر شہری لوگ ان سے مال لے کر رکھ لیں اور مہنگا ہونے پر فروخت کریں تو اس سے مصنوعی قلّت اور گرانی پیدا ہوگی۔

فرمایئے! اس ارشادِ مقدس میں فاضل مضمون نگار کے نظریے کا دُور دُور بھی کہیں کوئی سراغ ملتا ہے…؟

مکان اور شامیانے، کراکری، کرایہ پر دینا جائز ہے

سوال: اگر کوئی شخص مکان خرید کر کرائے پر دیتا ہے، تو اس طرح سے اس مکان کا کرایہ سود ہے یا نہیں؟ جو سامان ہم بیاہ شادیوں پر کرایہ کا لیتے یا دیتے ہیں، مثلاً: شامیانے اور کراکری وغیرہ کا سامان وہ بھی کیا سود ہے؟

جواب: مکان اور سامان کرایہ پر لینا جائز ہے، اس کی آمدنی سود میں شمار نہیں ہوتی۔

جائیداد کا کرایہ اور مکان کی پگڑی لینا

سوال: کیا کسی خالی دُکان یا مکان کا گڈوِل یعنی پگڑی لینا جائز ہے یا نا جائز؟

جواب: پگڑی کا رواج عام ہے، مگر اس کا جواز میری سمجھ میں نہیں آتا۔

سوال کرایہ جائیداد ماہوار لینے کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: جائیداد کا کرایہ لینا دُرست ہے۔

پگڑی سسٹم کی شرعی حیثیت

سوال: آج کل دُکانوں کو پگڑی سسٹم پر فروخت کیا جارہا ہے، یعنی ایک دُکان کو کرایہ پر دینے سے پہلے کچھ رقم مانگی جاتی ہے، مثلاً: ایک لاکھ روپیہ اور پھر کرایہ بھی ادا کرنا ہوگا، لیکن پیشگی رقم دینے کے باوجود دُکان دار کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے، اور اگر مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں تو پھر کرایہ کس چیز کا مانگا جاتا ہے؟

جواب: پگڑی کا طریقہ شرعی قواعد کے مطابق جائز نہیں۔

کرائے پر لی ہوئی دُکان کو کرایہ پر دینا

سوال: ایک صاحب نے ایک دُکان مع اس کے فرنیچر اور فٹنگ کے مالکِ جائیداد سے مبلغ ۲۴ ہزار روپے میں لی ہے، اور اس کا کرایہ بھی پچاس روپے ماہانہ دیتے ہیں، احقران سے یہ دُکان دو سو پچاس روپے ماہانہ کرایہ پر لیتا ہے، آیا اس صورت میں شرعاً ان کے لئے اور میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: اس دکان کا کرایہ پر لینا آپ کے لئے جائز ہے، اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

سرکاری زمین قبضہ کرکے کرایہ پر دینا

سوال: غیر آباد جگہ جو جنگل تھا اس میں مکان بنالئے گئے، سرکاری جگہ ہے، اس کا کرایہ لینا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: حکومت کی اجازت سے اگر مکان بنوائے گئے تو کرایہ وغیرہ لینا جائز ہے۔

وڈیو فلمیں کرائے پر دینے کا کاروبار کرنا

سوال: کیا ویڈیو فلمیں کرائے پر دینے والوں کا کاروبار جائز ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ کاروبار کرنے والے کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دُوسرے نیک افعال قبول ہوں گے؟

جواب: فلموں کے کاروبار کو جائز کیسے کہا جاسکتا ہے...؟ اس کی آمدنی بھی حلال نہیں، نماز، روزہ اور حج، زکوٰۃ فرائض ہیں، وہ ادا کرنے چاہئیں، اور وہ ادا ہو جائیں گے، مگر ان میں نور پیدا نہیں ہوگا جب تک آدمی گناہوں کو ترک نہ کرے۔

کرایہ دار سے ایڈوانس لی ہوئی رقم کا شرعی حکم

سوال: مالکِ مکان کا کرایہ دار سے ایڈوانس رقم لینا امانت ہے یا قرضہ ہے؟

جواب: ہے تو امانت، لیکن اگر کرایہ دار کی طرف سے استعمال کی اجازت ہو (جیسا کہ عرف یہی ہے) تو یہ قرضہ شمار ہوگا۔

سوال: کیا مالکِ مکان اپنی مرضی سے اس رقم کو استعمال کرسکتا ہے؟

جواب: مالک کی اجازت سے استعمال کرسکتا ہے۔

سوال: مالکِ مکان اگر اس رقم کو ناجائز ذرائع میں استعمال کرلے تو کیا گناہ کرایہ دار پر بھی ہوگا؟

جواب: نہیں۔

سوال: کیا کرایہ دار کو سالانہ اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: کیا مالکِ مکان اس رقم کو جائز ذرائع میں استعمال کرنے سے بھی گناہگار ہوگا؟

جواب: اجازت کے ساتھ ہو تو گناہگار نہیں۔

سوال: اگر کرایہ دار اس رقم کو بطور قرضہ مالکِ مکان کو دیتا ہے تو اس صورت میں مکان والا متوقع گناہ سے بَری سمجھا جائے گا؟

جواب: اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ گناہگار نہیں ہوگا۔

سوال: مالکِ مکان ایک طرف کرایہ میں بھاری رقم لیتا ہے، پھر ایڈوانس کے نام کی رقم سے فائدہ اُٹھاتا ہے، پھر سال دو سال میں کرایہ میں اضافہ بھی کرتا ہے، تو کیا یہ صریح ظلم نہیں، اس مسئلے کا سرِعام عدالت کے واسطے سے، یا علمائے کرام کی تنبیہ کے ذریعے سے سدِباب ضروری نہیں؟

جواب: زَرِ ضمانت سے مقصد یہ ہے کہ کرایہ دار بسااوقات مکان کو نقصان پہنچادیتا ہے، بعض اوقات بجلی، گیس وغیرہ کے واجبات چھوڑ کر چلا جاتا ہے، جو مالکِ مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کے لئے کرایہ دار سے زَرِ ضمانت رکھوایا جاتا ہے، ورنہ اگر پورا اعتماد ہو تو زَرِ ضمانت کی ضرورت نہ رہے۔

غاصب کرایہ دار سے آپ کو آخرت میں حق ملے گا

سوال: میرا مکان ایک ڈاکٹر نے کرایہ پر لے کر مطب میں تبدیل کرلیا تھا، اور پندرہ ماہ کا کرایہ بھی مع بجلی، پانی، سوئی گیس کے بل بھی ادا نہیں کئے۔ مکان خالی کرکے چلے گئے ہیں۔ میری عمر تقریباً ۷۵ سال ہے، میں عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی ہوں، کیا مجھ کو روزِ قیامت میرا حق ملے گا؟

جواب: قیامت کے دن تو ہر ایک حق دار کو اس کا حق دِلایا جائے گا، آپ کو بھی آپ کا حق ضرور دِلایا جائے گا۔

کرایہ کے مکان کی معاہدہ شکنی کی سزا کیا ہے؟

سوال: میں نے اپنی دُکان ایک شخص کو اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دی جو کہ معاہدے میں تحریر ہے کہ اگر میری مرضی نہ ہوئی تو ۱۱ ماہ بعد دُکان خالی کرالوں گا۔ معاہدے میں جس پر دو مسلمان گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، اس طرح تحریر ہے: "ختم ہونے میعاد پر مقر نمبر ایک (کرایہ دار)، مقر نمبر دو (مالک) جدید دُوسرا کرایہ نامہ تحریر کراکے کرایہ دار رہ سکیں گے، ورنہ خود فوراً دُکان خالی کرکے قبضہ و دخل مقر نمبر دو (مالک) کے سپرد کردیں گے، اور بقیہ رقم ڈپازٹ مقر نمبر دو سے حاصل کرلیں گے" میں نے میعاد ختم ہونے سے تین ماہ قبل ذاتی کاروبار کرنے کے لئے کرایہ دار سے دُکان خالی کرنے کے لئے کہا، اس نے گواہوں کے رُوبرو دُوسری دُکان تلاش کرکے دُکان خالی کرنے کا اقرار کیا، اور اس طرح ٹال مٹول کرکے سولہ ماہ گزار دیئے، اور پھر صاف انکار کردیا۔ میں نے دو سال گزرنے کے باوجود اس وجہ سے کرایہ نامہ بھی نہیں لکھا اور نہ اس نے اب تک دُکان خالی کی۔ موجودہ عدالتی قانون کے مطابق اس طرح کے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں، نہ معاہدہ توڑنے کی کوئی سزا ہی ہے، یہ ایگریمنٹ صرف دِل کو تسلی دینے کے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ معاہدہ وعدہ خلافی میں آتا ہے، اور اسلامی قانون کے مطابق شریعت میں اس کے خلاف کی سزا کیا ہے؟ اور پاکستان کی اسلامی حکومت میں اس پر عمل کیوں نہیں ہو رہا ہے؟

جواب: معاہدہ شکنی گناہِ کبیرہ ہے، آپ پاکستان کے اس قانون کو جو معاہدہ شکنی کو جائز کہتا ہے، شرعی عدالت میں چیلنج کرسکتے ہیں۔

کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض پیسے لینا

سوال: میرے شوہر نے اپنا مکان ایک شخص کو بارہ سال قبل ۱۹۷۲ء میں دو سو پچاس روپے ماہوار کرایہ پر دیا تھا، اور اسٹامپ پر گیارہ ماہ کا معاہدہ ہوا تھا، جس کی رُو سے گیارہ مہینے کے بعد مالکِ مکان اپنا مکان خالی کرواسکتا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، تب کرایہ دار مذکور نے بڑی مشکل سے چند معزّز لوگوں کے مجبور کرنے اور احساس دِلانے سے ۱۹۷۷ء میں کرایہ میں سو روپے کا اضافہ کیا۔ ۱۹۷۹ء میں مجھے اپنے شوہر کے مکان کی ضرورت پڑی تو میں نے اس شخص کو مکان خالی کرنے کو کہا تو کرایہ دار اور اس کے لڑکے آگ بگولہ ہوگئے اور دھمکی اور دھونس کے ساتھ مکان خالی کرنے سے صاف انکار کردیا۔ میں نے اور میرے دیور نے چند معزّزین سے رُجوع کیا، انہوں نے کرایہ دار اور اس کے لڑکوں کو سمجھایا اور احساس دِلایا کہ ایک بیوہ اور اس کے تین چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں، ایک بوڑھی ساس اور معذور دیور کا ہی خیال کرو۔ بہت سمجھانے بجھانے کے بعد آخر کرایہ دار مذکورہ مکان خالی کرنے پر راضی ہوا کہ بہت جلد مکان خالی کردُوں گا۔ مگر ڈھائی سال تک ٹال مٹول اور بہانے بازی کرتا رہا، تو ہم نے کرایہ دار کو آگاہ کیا کہ اب ہم مارشل لا سے رُجوع کریں گے، تو کرایہ دار، محلے کے ایک شخص کو ساتھ لے کر ہمارے پاس آیا اور وعدہ کیا کہ دو مہینے میں ہر صورت میں مکاں خالی کردُوں گا، اور اس محلے والے نے بھی گواہی دی اور دو ماہ کے بعد مکان خالی کرنے کا دونوں حضرات جو آپس میں رشتہ دار ہیں وعدہ کرکے چلے گئے۔ اس دوران کرایہ دار نے وکیل وغیرہ سے مشورہ کیا اور کرایہ کورٹ میں جمع کرادیا، جب کافی دنوں کے بعد کورٹ سے نوٹس آیا تو ہمیں کرایہ دار کی بدعہدی اور وعدہ شکنی کا علم ہوا، تو ہم نے کرایہ دار سے اس وعدہ شکنی اور مکان خالی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے مکان خالی کرنے سے صاف انکار کیا اور بڑی رعونت سے کہا: ”مکان پہلے ہندو کا تھا، میں اپنے نام کرواسکتا تھا، اور اگر مکان خالی کروانا ہے تو اَسّی ہزار روپے مجھے دو تو ایک مہینے میں مکان خالی کردُوں گا۔“

اس کی اس بدنیتی اور فریب کاری سے جتنا دُکھ پہنچا، آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ میں نے ایک درخواست مارشل لا حکام کو دی اور ایک درخواست ڈی ایم ایل اے کو کھلی کچہری میں پیش کی، حیدرآباد کے متعدّد چکر لگانے کے بعد امنِ عامہ سے متعلق ایس ڈی ایم نے دونوں فریقوں یعنی کرایہ دار اور مکان کے مالک کی حیثیت سے میرا معاہدہ کرادیا کہ کرایہ دار کے طلب کردہ آٹھ ہزار روپے مالکِ مکان کی بیوہ، کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کے عوض دیں گی اور تین مہینے کے عرصے میں کرایہ دار مکان خالی کردے گا اور آٹھ ہزار روپے لے لے گا۔ یہ معاہدہ دونوں فریقوں کی رضامندی سے طے ہوا تھا اور دونوں فریقوں یعنی کرایہ دار اور میں نے معاہدے پر دستخط کئے، ایس ڈی ایم (برائے امنِ عامہ) نے اپنی مہر لگائی اور دستخط کئے، تین مہینے کی مدّت پوری ہوجانے پر مقرّر تاریخ کو میں

مکان کا قبضہ لینے پہنچی، تو مجھے بڑی تکلیف اور پریشانی کا سامنا ہوا، اور شدید ذہنی اذیت پہنچی، کرایہ دار اور اس کے لڑکوں نے نیچے گودام کے دروازے غائب کرکے گودام میں بھینسیں لاکر باندھ دیں، اور مختلف طریقوں سے مجھے خوف زدہ کیا اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا: "ہم مکان خالی نہیں کرسکتے، جب ہمیں مکان ملے گا جب خالی کریں گے"

اس کے بعد میں نے ایس ڈی ایم صاحب سے دوبارہ رُجوع کیا اور پھر حیدرآباد کے متعدّد چکر لگائے جس میں میرا وقت اور پیسہ ضائع ہوا اور سفر کی صعوبت اُٹھائی، مگر ایس ڈی ایم صاحب جو ایک معزّز سرکاری افسر ہیں، جنھوں نے دونوں فریقوں کے مابین معاہدہ کرایا تھا وہ بھی کرایہ دار مذکور کو جس نے معاہدے کی سنگین خلاف ورزی کی، معاہدے کی پابندی کرانے سے قاصر رہے، اور درخواست پر کچھ لکھ کر کہا کہ میں یہ واپس مارشل لا حکام کو بھیج رہا ہوں، وہی فیصلہ کریں گے۔ مگر آج سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ میں نے کرایہ دار کے ناجائز مطالبے پر آٹھ ہزار روپے محض اس لئے دینے منظور کئے تھے کہ ہم لوگ مزید پریشانی اور تکالیف سے بچ جائیں گے، حالانکہ کرایہ دار بارہ سال قبل ۲۵۰ روپے ماہوار پر قیام پذیر ہوا تھا اور ان بارہ سالوں کے طویل عرصے میں صرف ایک بار ۱۹۷۷ء میں کرائے میں سو روپے کا اضافہ کیا تھا۔ جبکہ آج مہنگائی کے سبب کرائے بھی چار پانچ گنا بڑھ چکے ہیں، اور خود حکومت نے سالانہ دس فیصد اضافے کا اختیار دے رکھا ہے، اس طرح کرایہ دار ہم مجبوروں کا حق غصب کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ محترم مولانا صاحب! آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اسلامی قانون کی رُو سے بتائیں کہ اس کی کیا سزا ہے؟

جواب: شرعی حکم یہ ہے کہ جب مالکِ مکان کو ضرورت ہو، وہ مکان خالی کرواسکتا ہے، اور کرایہ دار کے ذمہ معاہدے کے مطابق مکان خالی کردینا لازم ہے، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ظالم و غاصب کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ اور آج کل جو رسم چل نکلی ہے کہ کرایہ دار کچھ معاوضہ لے کر مکان خالی کرتا ہے (جیسا کہ آپ کا کرایہ دار کے ساتھ آٹھ ہزار روپے کا معاہدہ کرایا گیا) کرایہ دار کے لئے اس رقم کا وصول کرنا، مردار اور خنزیر کی طرح قطعی حرام ہے۔ جو شخص، خدا، رسول اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہو، وہ ایسی حرام خوری کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ اب یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ آپ کا کرایہ دار مالکِ مکان سے اس "جرم" میں کہ اس نے چودہ سال اس مکان میں کیوں ٹھہرنے دیا، آٹھ ہزار کا ہرجانہ مانگ رہا ہے، اس کو "اندھیر نگری" ہی کہا جائے گا۔ رہا یہ کہ حاکم آپ کو انصاف دِلادیں گے، مجھے اس کی توقع نہیں، کیونکہ اوّل تو ہمارے اُونچے افسران کو اُونچا سنائی دیتا ہے، کسی بے کس یتیم، کسی بیوہ، لاچار، اپاہج اور کسی پیرِ ناتواں کی آہیں ان کے ایوانوں تک شاذونادر ہی پہنچتی ہیں۔ دُوسرے ہمارے ہاں انصاف خواہی کسی کمزور آدمی کا کام

نہیں، جناب گورنر یا وفاقی محتسبِ اعلیٰ تک رسائی کسی بڑے آدمی ہی کی ہوسکتی ہے، نہ آپ کی قسم کے گمنام لوگوں کی درخواستوں کی، اور نہ مجھ ایسے کے کالم کی۔ آپ صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو انصاف دِلائیں گے۔

کرایہ دار کا بلڈنگ خالی نہ کرنا ناجائز ہے

سوال: میں ایک کمرشل بلڈنگ کا مالک ہوں، جس کو کرایہ پر لینے کے لئے ایک شخص نے مجھ سے درخواست کی، شرائط طے ہوگئیں، دو معزّزین کی موجودگی میں اس نے ضمناً یقین دہانی کرائی کہ دورانِ مدّتِ کرایہ داری مذکورہ شرائط پوری کرتا رہے گا اور بعد اختتام میعاد بلڈنگ مذکورہ خالی کرکے صلح صفائی کے ماحول میں حوالہ مالک کردے گا۔ چنانچہ اس یقین دہانی کی بناپر تمام شرائط دو گواہان کی موجودگی میں اسٹامپ پر معاہدہ تحریر و تکمیل کرے بعدالت رجسٹرار صاحب تصدیق کرالیا گیا۔ میعاد کرایہ داری پانچ سال ختم ہوگئی ہے، لیکن کرایہ دار بلڈنگ مذکورہ کو خالی کرکے قبضہ دینے سے گریز کررہا ہے۔ میرا بیٹا جو کہ بیرونِ ملک ملازم تھا، اب واپس وطن آچکا ہے، اس کے دو بیٹے اور بذاتِ خود بیکار ہیں، ہم سب کو رزقِ حلال کمانے کے لئے سب سے اوّل اپنی مملوکہ جگہ کی ضرورت ہے، ہمارے پاس ماسوا مذکورہ جائیداد کے کوئی دُوسری کاروباری جگہ نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی دُوسرا ذریعۂ معاش۔ حصولِ انصاف اور عدالتی دادرسی کے لئے مروّجہ قانون کے مطابق بہت طولانی، گراں اور کٹھن منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں، جو اسلامی دور میں ننگِ ملک و قوم ہے۔ اَزراہِ کرم میرے مندرجہ بالا حلفیہ بیان کی روشنی میں مالکِ مکان، کرایہ دار کی ذمہ داریوں، فرائض اور حقوق کی وضاحت فرمائیں۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کا سہل اور فوری حل کیا ہوسکتا ہے؟

جواب: سہل اور فوری حل تو خوفِ خدا ہے۔ جب ایک شخص نے پانچ سال کی میعاد کا معاہدہ کرکے مکان کرائے پر لیا ہے تو میعاد گزرنے کے بعد اس کے لئے مکان کا استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اگر مسلمان حلال و حرام کا لحاظ رکھیں تو آدھے جھگڑے فوراً نمٹ جائیں۔

کرایہ وقت پر ادا نہ کرنے پر جرمانہ صحیح نہیں

سوال: دُکان دارانِ جامع مسجد محمدی کے درمیان چار روپے کے اسٹامپ پر یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہر دُکان دار ہر ماہ کی دس تاریخ تک کرایہ ادا کردے گا، بروقت کرایہ نہ دینے کی صورت میں کچھ رقم یومیہ جرمانہ ادا کریں گے۔ یہ معاہدہ دُکان کرایہ پر لیتے وقت بخوشی و رضا ہوا تھا، اس طرح جرمانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرعاً اس طرح مالی جرمانہ وصول کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

دُکان حجام کو کرایہ پر دینا

سوال: ایک حجام (نائی) مجھ سے ایک دُکان کرایہ پر لیتا ہے، اسے حمام بنانا چاہتا ہے، صاف بات یہ ہے کہ حمام میں لوگوں کی داڑھی وغیرہ (شیو) بنایا جائے گا، انگریزی بال بنائے جائیں گے، لہٰذا ایسی صورت میں دُکان کے کرایہ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: آپ حرام کی رقم لینے پر مجبور نہیں ہیں، اس کو کہہ دیں کہ داڑھی مونڈنے کے پیسے میں نہیں لوں گا، مجھے حلال کے پیسے لاکر دو، خواہ کسی سے قرض لے کر دو۔

قسطوں میں زیادہ دام دے کر خرید و فروخت جائز ہے

سوال: ایک شخص ٹرک خریدنا چاہتا ہے، جس کی قیمت ۵۰ ہزار روپے ہے، لیکن وہ شخص مجموعی طور پر اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ اس ٹرک کی یکمشت قیمت ایک ہی وقت میں ادا کرسکے، لہٰذا وہ اسے قسطوں کی صورت میں خریدتا ہے، لیکن قسطوں کی صورت میں اسے ٹرک کی اصلی قیمت سے ۳۰ ہزار روپے زیادہ ادا کرنے پڑتے ہیں اور ایڈوانس ۲۰ ہزار روپے اور ماہوار قسط ۱۵ سو روپے ادا کرنے ہوں گے۔ براہِ مہربانی شریعت کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں کہ اس ٹرک کی یا اور اسی قسم کی کسی بھی چیز کی خرید و فروخت جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔

قسطوں پر گاڑیوں کا کاروبار کرنا ضروری شرطوں کے ساتھ جائز ہے

سوال: قسطوں پر گاڑیوں کی خرید و فروخت سود کے زُمرے میں آتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر بیچنے والا گاڑی کے کاغذات مکمل طور پر خریدار کے حوالے کردے اور قسطوں پر فروخت کرے تو جائز ہے۔ اس میں اُدھار پر بیچنے کی وجہ سے گاڑی کی اصل قیمت میں زیادتی کرنا بھی جائز ہے، یہ سود کے حکم میں نہ ہوگی، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ایک ہی مجلس میں یہ فیصلہ کرلیں کہ خریدار نقد لے گا یا کہ اُدھار قسطوں پر، تاکہ اسی کے حساب سے قیمت مقرّر کی جائے، مثلاً: ایک چیز کی نقد قیمت: ۵،۰۰۰ روپے اور اُدھار قسطوں پر اس کو: ۷،۰۰۰ روپے میں فروخت کرتا ہے تو اس طرح قیمت میں زیادتی کرنا جائز ہوگا اور سود کے حکم میں نہ ہوگا۔

قسطوں کے کاروبار کے جواز پر علمی بحث

سوال: روزنامہ "جنگ" کی خصوصی اشاعت بعنوان "اسلامی صفحہ" میں دِلچسپی اور اشتیاق نے آنجناب کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ کئی بار قارئین نے "قسطوں کے کاروبار" کے سلسلے میں آپ سے جواز اور عدمِ جواز کے بارے میں دریافت فرمایا اور آپ نے بالاختصار اس طرح جواب سے نوازا کہ علماء اور فقہاء نے قسطوں کے کاروبار کو، یعنی نقد قیمت کے مقابلے میں اُدھار کی اضافہ شدہ قیمت کو جائز قرار دیا ہے، اور اگر کوئی شرطِ فاسد معاملۂ "شراء بالتّقسیط" سے وابستہ ہو تو وہ کالعدم ہوجائے گی اور یہ معاملہ (شراء بالتّقسیط) دُرست ہے، اور آخر میں "واللہ اعلم بالصواب" کے الفاظ مرقوم ہوتے ہیں، جس سے شاید کسی قدر شک وشبہ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، یاکم ازکم ورع وتقویٰ کی علامت ہے۔

اس سلسلے میں چند معروضات حسبِ ذیل ہیں:

اصطلاحاً:... جسے عربوں میں "شراء بالتّقسیط" اور پاکستان میں "بیع بالاجارہ" کہتے ہیں، اور اس معاملے میں بیع کے مختلف اسماء، مختلف ممالک میں متعارف ہیں، جیسے برطانیہ میں "ہائر پرچیز(Hirepurchase) "، ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں "انسٹالمنٹ کریڈٹ(Instalment Credit) "، "انسٹالمنٹ بائنگ(Instalment Buying) "، فروخت کی یہ شکلیں بالعموم صرفی قرض (Consumer Credit) کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔

پسِ منظر اور ابتدا:... مختلف دائرۃ المعارف وموسوعہ (Encyclopedia) میں مرقوم ہے کہ "شراء بالتّقسیط" کا پسِ منظر گھریلو، دیرپا اور گراں قدر اشیاء کی فراہمی کی ایک معاشی تدبیر ہے، اور ان اشیاء کے حصول کا ایک سہل ذریعہ۔ اس کی ابتدا اُنیسویں صدی کے وسط میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہوئی جبکہ ایک سلائی مشین کمپنی نے اپنی تیار کردہ سلائی مشین کو اپنے صارفین کے لئے اس کی قیمت کو بالاقساط، قسط وار ادائیگی کی صورت میں متعارف کرایا، جس کو دیگر کمپنیوں نے اپنی مصنوعات کی کھپت قابلِ عمل اور منافع بخش تصوّر کرتے ہوئے نہ صرف اپنایا بلکہ دن دُگنا اور رات چوگنا منافع کمانے کا کامیاب کاروباری وسیلہ بنالیا۔

تعریف اور نوعیت

الف: بیع بالاجارہ: یہ ایک قسم کا اجارہ (معاہدہ کرایہ داری) ہے، جس کی رُو سے کرایہ دار مقرّرہ رقم بالاقساط ادا کرتا ہے اور معاہدہ کے تحت حاصل کردہ اختیارِ خریداری کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ اس معاہدے میں خریدار کی حیثیت معاملۂ بیع کے

خریدار کی نہیں ہوتی، جس میں خریدار کسی شے کو بالفعل خریدتا ہے یا خریداری کی بابت ناقابلِ تنسیخ رضامندی کا اظہار کرتا ہے، اس معاہدے کے تحت خریدار اس وقت تک مالک قرار نہیں پاتا جب تک کہ وہ ساری طے شدہ اقساط ادا نہ کر دے۔

ب: بعض اہلِ علم کے نزدیک بیع بالا جارہ صارف کے لئے ایک قسم کے قرض کی فراہمی ہے، یعنی صارف کے نقطۂ نظر سے معاہدۂ اِستقراض ہے۔ جس کے تحت خریدار سامان کی قیمت کا کچھ حصہ پیشگی ادا کرتا ہے جسے "ڈاؤن پیمنٹ" کہتے ہیں، اور بقیہ واجب الادا رقم (جس میں فروخت کنندہ اپنا نفع بھی شامل کرتا ہے) قسط وار ادا کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے، جبکہ عموماً اقساط کی ادائیگی کی مدّت چھ ماہ یا دو سال یا زائد ہوتی ہے، یہ تعریف شراء بالتّقسیط (قسطوں کے کاروبار) سے قریب تر ہے۔

نوعیت اور ماہیت:

بیع بالاجارہ یا شراء بالتّقسیط معاملۂ بیع کی ایک امتیازی قسم ہے، جس میں قیمتِ خرید بالاقساط ادا کی جاتی ہے، اور حقِ تملیک خریدار کو منتقل نہیں ہوتا جبکہ خریدار کو صرف قبضہ اور حقِ استعمال تفویض کیا جاتا ہے۔

طلب اور رغبت:

نسبتاً گراں قدر اشیاء کی خریداری عامۃ الناس کے لئے ہمیشہ سے مشکل کا باعث بنی رہی ہے، اس لئے کہ ان اشیاء کی قیمت کی یکمشت ادائیگی ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہوتی، بلکہ اکثر کے لئے ناممکن ہوتی ہے، البتہ قسطوں میں ادائیگی مہنگے سامان کو ممکن الحصول بنادیتی ہے، مثال کے طور پر ایسے سامان کی فہرست درج ذیل ہے:

الف:... کاریں اور کم وزن اُٹھانے والے ٹرک اور بسیں (نئی اور پُرانی)۔

ب:... موٹر سائیکلیں۔

ج:... ٹیلی ویژن سیٹ اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ۔

د:... فرنیچر اور دیگر آرائشی سامان۔

ہ:... ریفریجریٹر اور عید و بیاہ شادی کے اخراجات و مصارف۔

و:... دیگر متفرقات۔

ا

معاشی اہمیت:... معاشی نقطۂ نظر سے اس طریقہ کار سے صارفین وہ تمام اشیاء حاصل کر لیتے ہیں جن کو وہ بعد از ادائیگی ایک طویل عرصے تک زیر استعمال رکھتے ہیں، اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو صارف ہمیشہ کے لئے ان اشیاء سے محروم رہیں، ان اشیاء کی موجودگی سے نہ صرف گھریلو مقبوضات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اثاثہ اور زیبائش کی منہ بولتی تصویر ثابت ہوتی ہیں۔

معاہدہ بیع بالا جارہ کا ڈھانچہ:... فریقین معاہدے کے اسماء مع ولدیت، پتاجات، دستخط اور شاہدین کے اسماء و پتاجات کے علاوہ اشیاء کی قدر و مالیت، تفصیل و تشخیص، قسط وار ادائیگی کی شرح مع شرح قسط، قسط کی عدم ادائیگی کی صورت میں فریقین معاہدے کے اختیارات و فرائض وغیرہ شامل ہوتے ہیں، اور سب سے اہم بات "کم از کم ادائیگی کی مد" قابلِ ذکر ہے، جس کی رُو سے خریدار کو تہائی یا چوتھائی رقم پیشگی ادا کرنا پڑتی ہے، مزید بر آں دورانِ معاہدہ خریدار نہ کسی شے کی فروخت کر سکتا ہے، نہ ہی رہن رکھ سکتا ہے اور نہ اس پر کسی قسم کا بار ڈال سکتا ہے، حتیٰ کہ وہ کوئی ایسا عمل روا نہیں رکھ سکتا جو بائع کے حقِ ملکیت کے لئے مضرّت رساں ہو۔ غرضیکہ معاہدے میں تمام شرائط اس اَمر کی داعی و متقاضی ہوتی ہیں کہ بائع (بیچنے والے) کے مفاد کو تحفظ فراہم ہو۔

تنقید:... اس قسم کی بیع پر بالعموم ان الفاظ میں تنقید کی گئی ہے جو کہ حسبِ ذیل ہے:

الف: عوام الناس کو اپنے جائز ذرائع آمدنی سے کہیں بالائی سطح پر معیارِ زندگی بحال کرنے پر اکساتی ہے اور یہ ان کو شدید رغبت دِلاتی ہے کہ ان اشیاء سے اپنے گھروں کو مزین کر لیں جن کی ان کی موجودہ آمدنی سرِ دست متحمل نہیں ہو سکتی، مزید اس سے متعلق جتنے قوانین مغربی دُنیا میں اور ہمارے ہاں رائج اور نافذ ہیں وہ سرمایہ کار کمپنیوں کو معتدبہ تحفظات و مراعات فراہم کرتے ہیں اور رغبت اور بلند زندگی کی ہوس میں گرفتار بے چارہ صارف قانونی چارہ جوئی سے محروم رہتا ہے۔

ب: یہ خاص قسم کی بیع (خرید و فروخت) معاشرے میں معاشی استحکام کو مخدوش بنا دیتی ہے، اور افراطِ زَر کے لئے ایک موئثر محرک ثابت ہوتی ہے۔

جواب: اصلیت و ماہیت کے اعتبار سے مقرّرہ شرحِ نفع مروّجہ شرحِ سود سے نہ صرف مماثلت رکھتی ہے، بلکہ سودی شرح سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور یہ شرحِ منافع صارف کے استحصال کے لئے مثالی کردار ادا کرتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مذکورہ بالا شراء بالتّقسیط اسلام میں جائز ہے؟ جبکہ اس کی نوعیت اور ماہیت مع شروطِ فاسدہ حسبِ ذیل ہے:

شراء بالتّقسیط اصلیت و نوعیت کے اعتبار سے ثنائی الوظیفہ اور ینفع لغرضین قرار پائی، کیونکہ اس میں بیع و اجارہ کا باہم دگر اختلاط ہے، بلکہ معاملتین، صفقتین و بیعتین کا انضمام و ادغام ہے، جیسا کہ اس کی تعریف سے اس امر کی تصریح ہوتی ہے، لہٰذا یہ

تثویب تشریح اسلامی میں احسن نہیں ہے، اور دو معاملوں کا معاملہ واحدہ میں مجتمع ہونا صحیت سے متغائر ہے، بلکہ بعض صورتوں میں شراء بالتّقسیط اجتماع المعاملتین تک محدود نہیں رہتی بلکہ اجتماع المعاملات کے قالب میں سمو جاتی ہے، جیسے بیع، اِجارہ، کفالت، ضمان اور بیمہ وغیرہ کا اجتماع۔

نصوصِ شرعیہ:... شراء بالتّقسیط کے سلسلے میں نصوصِ شرعیہ برائے ملاحظہ و غور و خوض حسبِ ذیل ہیں، جیسے:

اوّلاً:... اُجرت اور ضمانت ایک ہی جگہ مجتمع نہیں ہو سکتی۔ (دفعہ:٨٦، مجلۃ الاحکام العدلیہ)

ثانیاً:... بیع الدین، وھو ماکان الثمن والثمن فیہ مؤجلین معًا وھو بیع منھی عنہ۔ (القسم الأوّل فی المعاملات المادیۃ، تألیف: السیّد علی فکری ص:١٩)

ثالثاً:...بیعتان فی بیعۃ المنھی عنہ قال ابن مسعود: صفقتان فی صفقۃ، ولأنہ شرط عقد فی عقد فلم یصح۔

(القسم الأول فی المعاملات المادیۃ، تألیف: السیّد علی فکری ص:۴۵)

شروطِ فاسدہ:

١ ...: اِجارہ کا م معاملہ مستقبل کی خریداری سے مشروط ہوتا ہے، اور یہ شرط تقضی الی المنازعۃ کو بروئے کار لاتی ہے۔

٢ ...: خریدار / مشتری کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دانستہ اور نادانستہ طور پر اس میں (خریدی ہوئی چیز میں) کسی قسم کا عیب نہ آنے دے، جو کہ معاہدہ میں "Fault Clause" کہلاتی ہے۔

٣ ...: مستعدی سے مرمت کروانا اور حسبِ ضرورت نئے پرزہ جات کی بطریقِ احسن تبدیلی تاکہ اس کی عرفی قدر میں کمی واقع نہ ہو۔

۴ ...: انشورنس و بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے۔

۵ ...: تیسرے شخص کی ضمانت / کفالت کلی کا وجود، اور

٦ ...: مجبوریوں اور کسمپرسی کی صورت میں اگر خریدار کسی واجب الادا قسط کی ادائیگی میں کوتاہی برتے، تو قرقی کا حق یعنی بائع بلا مداخلت خریدار فروخت شدہ شے کی بازیابی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

٧ ...: شرحِ نفع کے تعین میں من مانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

ا

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بفرضِ محال یہ سرمایہ کار کمپنیاں اور مالیاتی ادارے ان شروطِ فاسدہ میں کسی قسم کی تحریف کی خدمت سر انجام دے بھی لیں، یاکم از کم ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی خاطر ان کا رُخ موڑلیں یاپہلوبدل لیں تب بھی مستہلک (صارف) کے استحصال کے لئے ان کی یہ کاوش اور سعی رُکاوٹ ثابت نہ ہو گی۔ علاوہ ازیں اگر اسلامی تعلیمات ان نیم تعیشاتی سامان کے استعمال کو صراحتاًناجائز قرار نہیں دیتیں تب بھی معاشیاتِ اسلام اس قسم کی بیعات کو رواج دینا پسند نہیں کرتی، اور اس کی نظر میں یہ اچھوتا اور انوکھاقسم کااستحصالِ صارف، مستحسن نہیں قرار پاتا۔

آنجناب کی خدمتِ اقدس میں قسطوں کے کاروبار کے سلسلے میں مندرجہ بالا معروضات ارسالِ خدمت ہیں، التماس ہے کہ قرآنِ حکیم، سنتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ و فتاویٰ اور ائمہ وفقہاء کی آراء و تصریحات کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔

جواب: ماشاء اللہ! آپ نے خوب تفصیل سے بیع بالاقساط کے بارے میں معلومات جمع کی ہیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ تاہم جو مسئلہ میں نے بالاختصار کہا تھا وہ اس تفصیل کے بعد بھی اپنی جگہ صحیح اور دُرست ہے، یعنی: ”قسطوں پر خرید و فروخت جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرطِ فاسد نہ ہو، اگر کوئی شرطِ فاسد لگائی گئی تو یہ معاملہ فاسد ہو گا۔“

مثلاً: یہ شرط کہ جب تک خریدار تمام قسطیں ادا نہ کر دے وہ اس چیز کا مالک نہیں ہو گا، یہ شرط فاسد ہے، بیع کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مشتری کو مالکانہ قبضہ دیا جائے، خواہ قیمت نقد ادا کی گئی ہو یا اُدھار ہو، اور اُدھار کی صورت میں یکمشت ادا کرنے کا معاہدہ ہو یا بالاقساط، ہر صورت میں مشتری کا قبضہ مالکانہ قبضہ تصوّر ہو گا، اور اس کے خلاف کی شرط لگانے سے معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس معاملے کو بیع اور اِجارہ سے مرکب کرنا غلط ہے، البتہ اُدھار رقم کی وصولی کے لئے ضمانت طلب کرنے کی شرط صحیح ہے۔ اور یہ شرط بھی صحیح ہے کہ اگر مقرّرہ وقت پر ادا نہ کی گئی تو بائع کو خریدار کی فلاں چیز فروخت کر کے اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہو گا، تاہم یہ ضرور ہے کہ اس کے قرضے سے زائد رقم اسے واپس کر دی جائے۔ رہی یہ بات کہ قسطوں پر جو چیز دی جائے اس کی قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے تو اس معاملے کو شریعت نے فریقین کی صوابدید پر چھوڑا ہے، اگر خریدار محسوس کرتا ہے کہ قسطوں کی صورت میں اسے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے گا تو وہ اس خریداری سے اجتناب کر سکتا ہے، تاہم استحصال کی صورت میں جس طرح گورنمنٹ کو قیمتوں پر کنٹرول کا حق ہے، اسی طرح بیع بالاقساط کی قیمت پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے، چونکہ

بالاقساط خریداری عوام کے لئے سہل ہے، اس لئے قطعی طور پر اس پر پابندی لگادینا مصلحتِ عامہ کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیع بالاقساط اگر قواعدِ شرعیہ کے ماتحت اور شروطِ فاسدہ سے مبرا ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔

قسط رُکنے پر قسط پر دی ہوئی چیز واپس لے لینا جائز نہیں

سوال: میری بیوی میرے بیٹے کو اس کی مرضی کے مطابق قسطوں پر سامان فروخت کرنے کی دُکان کھلوانے کے حق میں ہیں، جبکہ میں اس کاروبار کے خلاف ہوں، کیونکہ اس کاروبار میں زبانی طور پر گاہک سے کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تم کو قسطوں پر دی جاتی ہے تاکہ تم کو فائدہ پہنچے اور تم آسانی سے ایک بڑی چیز کے مالک بن جاؤ، اور کاغذات میں کرایہ دار لکھا جاتا ہے۔ قسطیں رُکنے کی صورت میں چیز واپس لے لی جاتی ہے۔ میری بیوی کا کہنا ہے کہ جب بہت سے لوگ اس کاروبار کو کر رہے ہیں تو پھر مولانا صاحب سے دریافت کیوں کرتے ہو؟ ملک میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوچکا ہے، میرا خیال ہے کہ خریدی ہوئی چیز نقص کی بنا پر تو واپس ہو سکتی ہے، مگر فروخت کی ہوئی چیز واپس نہیں ہوتی، واجبات کی ادائیگی کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ اس مسئلے میں آپ کی رائے اسلامی شریعت کے مطابق کیا ہے؟

جواب: قسطوں پر چیز دینا تو جائز ہے، مگر اس میں یہ دو خرابیاں جو آپ نے لکھی ہیں، قابلِ اصلاح ہیں۔ ایک خریدار کو "کرایہ دار" لکھنا، دُوسرا قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں چیز واپس کرلینا۔ یہ دونوں باتیں شرعاً جائز نہیں۔ اس کے بجائے کوئی ایسا طریقہ کار تجویز کیا جانا چاہئے کہ قسطوں کی ادائیگی کی بھی ضمانت مل سکے اور شریعت کے خلاف بھی نہ ہو۔

قسطوں کا مسئلہ

سوال: "الف" ایک عدد سوزوکی، ویگن، بس یا ٹرک نقد رقم ادا کرکے خرید لیتا ہے، اس کے پاس "ب" اس گاڑی کی خریداری کے لئے آتا ہے، "ب" یہ گاڑی "الف" سے قسطوں میں خریدنا چاہتا ہے، جس کے لئے "الف" "ب" سے مندرجہ ذیل شرائط کا طلب گار ہوتا ہے:

ا …: ۱۰ ہزار روپیہ نقد لوں گا، (یہ مختلف گاڑیوں کی قیمت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے)، بقایا رقم دو ہزار روپے ماہوار قسطوں میں لوں گا۔ گاڑی کی اصل منڈی کی قیمت ۴۵ ہزار روپے ہے، میں دس ہزار منافع لوں گا، یعنی "ب" نے ۴۵ ہزار روپے کے بجائے ۵۵ ہزار روپے ادا کرنا ہیں (دس ہزار نقد دینے کے علاوہ قسطوں میں ۴۵ ہزار روپے ادا کرے گا)، اس صورت میں منافع جو کہ ۱۰

ہزار روپے ہے، اس میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے، مثلاً: نقد رقم ۱۵ ہزار دی جائے یا قسط فی ماہ کے حساب سے دو ہزار روپے بڑھایا گھٹادی جائے۔

۲ ...: گاڑی خواہ جل جائے، چوری ہوجائے، "ب" نے ہر حالت میں یہ رقم تمام کی تمام ادا کرنی ہے۔

۳ ...: اگر "ب" کسی وجہ سے تین ماہ لگاتار قسطیں ادا نہ کرسکا تو "الف" کو حق حاصل ہے کہ وہ گاڑی اپنے قبضے میں لے لے اور "ب" کو کچھ بھی نہ ادا کرے۔

بعض وقت یہ صورت بھی ہوجاتی ہے کہ "ب" کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ گاڑی نقد میں فروخت کردیتا ہے اور "الف" کو ماہوار قسط ادا کرتا رہتا ہے۔ بعض حالات میں گاڑی موجود نہیں ہوتی اور "الف"، "ب" سے کچھ رقم نقد لے لیتا ہے اور وہ رقم اپنی رقم میں شامل کرکے "ب" کو گاڑی دیتا ہے، یا نقد رقم دے دیتا ہے، اور "ب" گاڑی خرید لیتا ہے (مثلاً: ۴۵ ہزار روپے کی گاڑی کے لئے ۳۵ ہزار روپے "الف" دے دیتا ہے، اور ۱۰ ہزار روپے "ب" اپنی طرف سے ڈالتا ہے)۔

مولانا صاحب! کئی احباب اس کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، قسطوں کی صورت میں مہنگا بیچنا کیا یہ سود تو نہیں ہے؟

جواب:... یہاں چند مسائل ہیں:

۱ ...: نقد چیز کم قیمت خرید کر آگے اس کو زیادہ داموں پر قسطوں پر دینا جائز ہے۔

۲ ...: جس شخص نے قسطوں پر وہ چیز خرید لی، وہ اس کا مالک ہوگیا، اور قسطوں کی رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہوگئی، اس لئے اگر وہ چاہے تو اس چیز کو آگے فروخت کرسکتا ہے، نقد قیمت پر بھی اور اُدھار پر بھی۔

۳ ...: قسطوں پر خرید لینے کے بعد اگر خدانخواستہ گاڑی کا نقصان ہوجائے تو یہ نقصان خریدار کا ہوگا، قسطوں کی رقم اس کے ذمہ بدستور واجب الادا رہے گی۔

۴:... یہ شرط کہ: "اگر کسی وجہ سے وہ تین ماہ کی قسطیں ادا نہ کرسکا تو "الف" گاڑی اپنے قبضے میں لے لے گا، اور اس کی اداشدہ قسطیں سوختہ ہوجائیں گی" یہ شرط شرعاً غلط ہے۔ "الف" کو یہ تو حق ہے کہ اپنی قسطیں قانونی ذرائع سے وصول کرلے، لیکن وہ گاڑی کو اپنے قبضے میں لینے کا مجاز نہیں اور نہ اداشدہ قسطوں کو ہضم کرنے کا مجاز ہے۔

مکان رہن رکھ کر رقم بطور قرض لینا

سوال: بارہا سنتے آئے ہیں کہ سود لینے والا اور سود دینے والا دونوں جہنمی ہیں، اور برابر کی سزا کے مستحق بھی۔ جاننا یہ چاہتا ہوں کہ حقیقتاً دونوں ہی برابر کے سزاوار ہیں؟ جبکہ بعض اوقات انسان اپنی کسی بہت بڑی مجبوری کے باعث سود پر قرض لینے پر آمادہ ہوتا ہے، پھر سالوں اپنی تنگ دستی اور معاشی بدحالی کے باوجود سود کی رقم ادا کرتا رہتا ہے، تو کیا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے بھی رحم کی کوئی گنجائش نہیں؟ دُنیا میں اس ذہنی اذیت کو اُٹھانے کے بعد بھی جہنم ہی اس کا مقدر ہے؟ رہن بھی سود کی ایک قسم ہے، ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ باقاعدہ سود پر قرضے فراہم کرتے ہیں اور یہی ان کا کاروبار ہے۔ انہیں پیشہ ور سود خور کہتے ہیں، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کاروبار سود پر قرضے فراہم کرنا تو نہیں لیکن تعلقات کی بنا پر وہ رہن رکھ کر قرضہ دے دیتے ہیں اور پھر اس رہن سے حاصل ہونے والی رقم خود کھاتے ہیں۔ اس صورت میں بھی دونوں فریق برابر کے سزاوار ہیں؟ میں نے اشد ضرورت اور بے حد مجبوری کے باعث اپنے مکان کا ایک حصہ ایک صاحب کے پاس رہن رکھ کر اس جگہ کی مالیت کا نصف حصہ قرض وصول کیا ہے، اور اَب میں انہیں یہ رقم دیتے ہوئے خوش نہیں اور سخت معاشی بدحالی کا شکار ہوں، تو کیا اس صورت میں بھی میں برابر کا سزاوار ہوں؟ جبکہ میں رہن ادا کرتے کرتے فاقوں کی نوبت کو پہنچ گیا ہوں۔ جب سے میں نے قرض لیا ہے اور سود ادا کر رہا ہوں میں نے محسوس کیا ہے کہ میں مالی لحاظ سے پستی میں گرتا جارہا ہوں، روپے میں برکت نہیں رہی، کاروبار خراب سے خراب تر ہوتا جارہا ہے، کیا سود دینے سے گھر کی برکات جاتی رہتی ہیں؟ اس کے علاوہ شب و روز اپنے جہنمی ہونے کا غم کھائے جارہا ہے۔

جواب: سود دینا اور لینا دونوں حرام ہیں، اور رہن کی جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ بھی حرام ہے۔ آپ نے سود پر قرض لے کر غضبِ الٰہی کو دعوت دی ہے، اب اس کا علاج سوائے توبہ و اِستغفار کے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مکان کا کچھ حصہ فروخت کرکے آپ سود و قرض سے نجات حاصل کرلیں؟

سوال: میں نے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنی پنشن کی رقم اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرض حاصل کرکے ۱۲۰ گز پلاٹ پر مکان تعمیر کیا ہے۔ ۳۵ سال کرایہ کے مکان میں گزارنے کے بعد اپنا ذاتی مکان رکھنے کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس قرض کی ادائیگی ماہانہ قسطوں میں پندرہ سال کے عرصے میں مکمل ہوگی اور ماہانہ قسط کے لحاظ سے جو کل رقم پندرہ سال میں ادا ہوگی وہ وصول شدہ قرضے سے کم و بیش ڈیڑھ گنا زیادہ ہوگی، یعنی مبلغ ۶۵ ہزار روپے قرض کے تقریباً ۹۷ ہزار ہوجائیں گے۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ایک سرکاری ادارہ ہے اور حالیہ سرکاری پالیسی کے مطابق اب یہ ادارہ تعمیر شدہ مکان کی ملکیت میں شراکت کی بنیاد پر بلاسودی قرضہ دیتا ہے، اور پندرہ سال کے عرصے میں جو زائد رقم وصول کرتا ہے وہ غالباً اس وقت کی روپے کی قیمت کے

بموجب ہے کیونکہ جدید معیشت میں افراطِ زَر کا رُجحان ایک مُسلّمہ پہلو ہے، جس کے تحت قیمتوں میں عدم استحکام ایک عالمگیر مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ہمارے روپے کی قیمت کم ہوتی جاتی ہے اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مثلاً: آج سے ۱۵ سال یعنی ۱۹۶۸ء کے اقتصادی حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں تمام اشیاء کی قیمتوں میں آج کی نسبت زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا، ایسی صورت میں اس زائد رقم کو پندرہ سال بعد کی قیمت کے بموجب منافع شمار کرنے کے بجائے ''سود'' گردانتا کہاں تک صحیح ہے؟ لیکن میں نے جب قرضے کے اس مسئلے کو ہمارے ایک کرم فرما مولوی صاحب (جو ایک مستند عالمِ دِین ہیں) کے سامنے رکھا تو انہوں نے بلاتوقف فرمایا کہ: ''آپ نے سودی قرض لے کر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے، اور یہ کہ آپ اپنے پنشن کے پیسے سے جتنا اور جیسا بھی مکان بنتا، بنالیتے اور گزارہ کرتے، محض بچوں کی خاطر یہ قرض لے کر جہنم نہ خریدتے۔'' تو جناب سے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ الف:... آیا ملکیت میں شراکت کی بنیاد پر بلاسودی قرضہ لے کر میں گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں؟ ب:... آیا اپنے بچوں کو ایک صاف ستھرا مکان اور ماحول مہیا کرنے کی کوشش کرنا ایک مسلمان کے لئے ممنوع ہے؟ اور کیا محض محدود وسائل کی بنا پر اسے اپنے اَبتر حالات پر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے اور اپنا معیارِ زندگی جائز ذرائع سے بہتر کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے؟ ج:... آیا متذکرہ بالا صورت کے باوجود بھی فنانس کارپوریشن کا یہ قرض سودی قرض ہی شمار ہوگا اور اس سے مکان بنانا ایک مسلمان کے لئے حرام ٹھہرے گا؟

جواب: جی ہاں! یہ قرض بھی سودی قرض ہی ہے۔ بہرحال آپ لے چکے ہیں تو اَب خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے توبہ واِستغفار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ تأویلات کے ذریعہ چیز کی حقیقت نہیں بدلتی، نہ کسی حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ معاملہ کسی بندے کے ساتھ نہیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے، اور خدا تعالیٰ کے سامنے غلط تأویلیں نہیں چلیں گی، بلکہ جرم کی سنگینی میں اور بھی اضافہ کریں گی۔

رقم اُدھار دینا اور واپس زیادہ لینا

سوال: ایک صاحب کو ۱۹۵۱ء میں ۲۵ روپے اُدھار دیئے، انہوں نے ۱۹۹۳ء میں ۲۵ روپے ادا کئے، اگر وہ مجھے ۲۵ روپے ۱۹۵۱ء میں ادا کردیتے تو میں اس سے ۳ماشے سونا خرید سکتا تھا، کیونکہ اس وقت سونا ایک سو روپے فی تولہ تھا، اب مجھے ۳ماشے سونا خریدنے کے لئے ایک ہزار روپے چاہئیں، کیونکہ آج کل سونا۴ ہزار روپے فی تولہ ہے۔ اگر میں ان ۲۵ روپوں کا سونا خریدنے جاؤں تو دُکان دار

منہ نہیں لگائے گا، بلکہ دماغ کی خرابی بتلائے گا۔ اگر میں قرض دار سے ایک ہزار روپے مانگتا تو وہ مجھے سود کھانے کا طعنہ دیتا۔ بتایئے اس قسم کے لین دین میں کیا کیا جائے کہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہو؟

جواب: میں تو یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ روپے کے بدلے روپے لئے جائیں ورنہ سود کا دروازہ کھل جائے گا، روپے قرض دیتے وقت مالیت کا تصوّر کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا، ورنہ روپے کے بجائے سونے کا قرض لیا دیا جاتا۔ بہرحال دُوسرے اہلِ علم سے دریافت کرلیں۔

سونے کے قرض کی واپسی کس طرح ہونی چاہئے؟

سوال: میرے ایک دوست "الف" نے پندرہ سال قبل یعنی ۱۹۶۹ء میں ایک شخص "ب" سے پندرہ تولے سونا بطور قرض لیا تھا، کیونکہ "ب" ایک سنار ہے، لہٰذا نقد رقم اس نے نہیں دی، "الف" نے وہ سونا اس وقت تقریباً ۱۳۰۰۰ روپے میں فروخت کیا، اب پندرہ سال کے بعد "ب" نے (جو اس وقت ملک سے باہر چلا گیا تھا، واپسی پر) "الف" سے اپنا پندرہ تولے سونا واپس طلب کیا، "الف" نے کہا: "اس کو میں نے اس وقت ۱۳۰۰۰ روپے میں فروخت کیا تھا، لہٰذا اب تم مجھ سے مبلغ ۱۳۰۰۰ روپے لے لو" مگر "ب" کا کہنا ہے کہ مجھے یا وہ ۱۵ تولے سونا واپس کرو یا موجودہ قیمت ادا کرو۔ فقہِ حنفیہ کی روشنی میں جواب سے جلد نوازیں کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟ ویسے اس وقت ۱۵ تولے سونے کی قیمت تقریباً ۲۲۵۰۰ روپے بنتی ہے، اُمید ہے کہ جواب سے جلد نوازیں گے۔

جواب: جتنا سونا وزن کرکے لیا تھا، اتنا ہی واپس کرنا چاہئے، قیمت کا اعتبار نہیں۔

فیکٹری سے سودی قرضہ لینا جائز نہیں

سوال: فیکٹری میں قرضے دیئے جاتے ہیں، جن میں موٹر سائیکل، پنکھا، ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ دیا جاتا ہے، اور اس پر چار فی صد سود کے نام سے ہماری تنخواہ سے منہا کیا جاتا ہے۔ آیا اس کا لینا دُرست ہے؟

جواب: یہ سودی قرضہ ہوا، اس کا لینا جائز نہیں۔

مکان بنانے کے لئے سود پر قرضہ لینا ناجائز ہے

سوال: میرے پاس ایک پلاٹ ہے اور اس کو بنوانے کے لئے کوئی راستہ نہیں، میرے پانچ بچے ہیں، حکومت لون دے رہی ہے، ساٹھ ہزار دے کر اَسّی ہزار وصول کرے گی، تو کیا میں لون لے کر مکان بنوالوں، یہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ جس طرح ”سود“ کا لینا منع و حرام ہے، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، حکومت جو بیس ہزار زائد لے رہی ہے، یہ سود ہے، لہٰذا یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے۔

ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرض لے کر مکان بنانا

سوال: پہلے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سود کی بنیاد پر قرض دیتی تھی، لیکن اب وہ مضاربت یعنی شراکت کی بنیاد پر قرض دیتی ہے۔ اس کے ذریعے پہلے ہی سے طے کر لیا جاتا ہے کہ مکان کا کرایہ کیا ہوگا؟ نصف کرایہ کارپوریشن لیتی ہے اور نصف مالکِ مکان۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ مکان کا کرایہ کبھی ملتا ہے، کبھی نہیں، کبھی مکان خالی رہتا ہے اور کرایہ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے، لیکن کارپوریشن برابر وہی مقرّر کردہ کرایہ کا نصف لیتی ہے۔ کیا یہ سود نہیں؟ بلکہ یہ سود سے بھی بدتر ہے، کیونکہ ”سود“ کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت سود ہے۔ اس طرح ناواقف لوگ سود جیسے عظیم گناہ میں ملوّث ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنی رائے سے جلد از جلد آگاہ کریں، بڑی مہربانی ہوگی۔

جواب: میں نے جہاں تک غور کیا، کارپوریشن کا یہ معاملہ سود ہی کے تحت آتا ہے۔ اس معاملے کی پوری حقیقت دیگر محقق علماء سے بھی دریافت کر لی جائے۔

قرض کی رقم سے زائد لینا

سوال: کافی عرصہ پہلے میں نے اپنے والد بزرگوار سے بطور قرض دس ہزار روپے کی رقم لے کر اپنے مکان کا بقیہ حصہ تعمیر کرایا، اس خیال سے کہ اسے کرائے پر دے کر قرض بھی اُتار لوں گا اور کچھ آسرا رقم کا مجھے بھی ہوگا، اور پھر میں نے وہ مکان ۴ سو روپے ماہانہ کرائے پر دے دیا۔ اور دو سو روپے ماہانہ والد صاحب کو دیتا رہا اور باقی دو سو روپے ماہانہ میں نے بینک میں جمع کئے۔ اس نیت سے کہ جمع ہونے پر ان کے دس ہزار روپے لوٹاؤں گا۔ اب قصہ مختصر یہ کہ دس ہزار روپے پورے ہونے کو ہیں تو والد صاحب کہتے ہیں کہ میرے پیسے کب دوگے؟ میں نے کہ اب تو بس تھوڑی مدّت باقی رہ گئی ہے، رقم جمع ہو جائے تو دے دیتا ہوں، تو والد صاحب بولے کہ: ”وہ تو میری رقم سے پیدا کیا ہوا پیسہ ہے، یوں بولو کہ مجھ سے لی ہوئی رقم کب دوگے“ یعنی ان کا ارادہ یہ ہے کہ جو دو سو ماہانہ وصول کیا وہ بھی، اور جو دو سو جمع کئے وہ بھی سب ان کی رقم سے پیدا ہوا۔ اس طرح ان کو مل جائے گا پندرہ ہزار روپیہ، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ دس ہزار میرا قرض بھی دو، یعنی انہوں نے دس ہزار سے پچیّس ہزار بنالیا۔

جواب: آپ جتنی رقم ادا کر چکے ہیں، ان کے قرض کا اتنا حصہ ادا ہو چکا ہے، باقی رقم ادا کر دیجئے۔ ان کا صرف دس ہزار روپے قرضہ ہے، اس سے زائد لینا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔

قرض پر منافع لینا سود ہے

سوال: بعض لوگ ہم سے چیزوں کے علاوہ نقد رقم ۵۰ یا ۱۰۰ روپے یا اس سے کم یا زیادہ روپے بھی اُدھار لیتے ہیں، چیزوں پر تو تقریباً ہمیں ۱۵ یا ۲۰ فیصد منافع مل جاتا ہے، لیکن نقد پیسے دینے سے ہمیں کوئی منافع نہیں ملتا، حالانکہ یہ نقد دی ہوئی رقم بھی ہمیں مہینے یا دو مہینے بعد ملتی ہے، یا اس سے بھی دیر سے ملتی ہے۔ اگر ہم اس پر کوئی منافع لیں تو کیا یہ منافع سود میں شمار ہو گا یا ہمارے لئے جائز ہو گا؟

جواب: نقد رقم، اُدھار پر دینا قرضِ حسنہ کہلاتا ہے، اس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ مگر اس پر زائد رقم منافع کے نام سے وصول کرنا سود ہے، اور یہ حلال نہیں۔ مسلمان کو ہر معاملہ دُنیا کے نفع کے لئے ہی نہیں کرنا چاہئے، آخرت کے نفع کے لئے بھی تو کچھ کرنا چاہئے، سو کسی ضرورت مند کو قرضِ حسنہ دینا آخرت کا نفع ہے، اس پر بہت سا اَجر و ثواب ملتا ہے۔

قرضے کے ساتھ مزید کوئی اور چیز لینا

سوال: مجھ سے میرے چچا نے دس ہزار روپے نقد وصول کئے ہیں اور کہا ہے کہ ایک سال کے بعد آپ کو دس ہزار روپے واپس کروں گا، اور اس کے ساتھ پچیّس من چاول بھی۔ کیا مجھ کو پیسے اور اناج دونوں لینا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جب آپ اپنا دس ہزار کا قرضہ واپس لے لیں تو اس پر مزید کوئی چیز لینا سود ہے، یعنی حلال نہیں ہے۔

قرض کی واپسی پر زائد رقم دینا

سوال: میرا بھائی میرے سے قرض دس روپیہ لے لیتا ہے، اور واپسی پر مجھے خوشی سے پندرہ دیتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ کہیں سود تو نہیں ہے؟

جواب: اگر زائد روپے بطور معاوضہ کے دیتا ہے تو سود ہے، اور اگر ویسے ہی اپنی طرف سے بطور انعام و احسان کے دیتا ہے تو پھر بعد میں کسی اور موقع پر دے دیا کرے۔

قرض دیتے وقت دُعا کی شرط لگانا

سوال: اگر کسی کو قرض اس شرط پر دیا جائے کہ رقم کی ادائیگی کے وقت تک میرے حق میں دُعا کرتے رہو، تو کیا یہ بھی سود میں شمار ہوگا اور اس کی دُعا قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب: جس کو قرض دیا جائے دُعا تو وہ خود ہی کرے گا، بہر حال دینے والے کو دُعا کی شرط لگانا غلط اور اس کے ثواب کو غارت کرنے والا ہے، البتہ یہ سود نہیں۔ یعنی دُعا کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

قومی قرضوں کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: مقروض پر قرضے کا زبردست بوجھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، جب تک آپ کو اللہ نے وسعت نہ دی تھی، بعد میں اس کا قرض اپنے ذمہ لے کر آپ نمازِ جنازہ ادا کرتے تھے۔

ہماری قوم پر اربوں ڈالر کا قرض ہے، جو قوم کے نام پر ورلڈ بینک سے لیا گیا ہے، اس کی اصل اور سود جو اَربوں روپے بنتا ہے ہر فرد پر واجب ہے، اور یہ قرض مع اصل اور سود ہر شخص پر واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت یہ قرض پریذیڈنٹ، پرائم منسٹر، فنانس منسٹر اور اس کے عملے کے کھاتے میں ڈالا جائے یا مرنے والے کے رشتہ دار اصل قرض بغیر سود حکومتِ وقت کو ادا کردیں تاکہ وہ ورلڈ بینک کو ادا کرسکیں؟ کیا مقروض حالت میں نمازِ جنازہ ہوگی، جس کی ذمہ داری کوئی نہ لے؟ اب تک جو لوگ بلاواسطہ حکومتی قرض کی حالت میں مرے ہیں، کیا بخشے جائیں گے؟ بہت سے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ سوال پوچھتے ہیں، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔

جواب: قومی قرضے افراد کے ذمے نہیں، بلکہ حکومت کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی مسئولیت براہِ راست افراد سے نہیں۔ جس حکومت نے یہ قرضے لئے ہیں، اسی سے اس کی مسئولیت ہوگی، مگر چونکہ حکومت، عوام کی نمائندگی کرتی ہے اس لئے غیر اختیاری طور پر عوام پر بھی ان قرضوں کے اثرات پڑتے ہیں، اگرچہ افراد گناہگار نہیں۔

نام پتا نہ بتانے والے کی مالی امداد کیسے واپس کریں؟

سوال: گزارش ہے کہ کچھ عرصہ قبل میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آگیا تھا جو کہ دُوسرے شہر میں ہوا تھا۔ اس میں ایک صاحب نے میری مالی امداد کی تھی، میرے بے حد اصرار پر بھی انہوں نے اپنا نام و پتا نہیں بتایا تھا، اس وقت سے اب تک میں ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ آپ بتائیں کہ میں اس رقم کو کیسے واپس کروں اور اس کا قرآن و حدیث میں کیا حکم ہے؟

جواب: جب ان صاحب نے اپنا نام و پتا نہیں بتایا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نیت اس رقم کو واپس لینے کی نہیں تھی۔ اس لئے واپس کرنے کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دے رکھی ہے تو اتنی رقم ان صاحب کی طرف سے صدقہ کر دیجئے۔

نامعلوم ہندوؤں کا قرض کیسے ادا کریں؟

سوال آج سے تقریباً ۴۰ سال قبل ہمارا ہندو سیٹھ جن سے کاروباری لین دین کا معاملہ تھا، وہ ہندو، تقسیمِ پاکستان کے وقت یہاں سے ہندوستان چلے گئے، وہ ہندو سیٹھ بغیر اپنا ایڈریس بتائے یہاں سے چلے گئے۔ پریشانی یہ ہے کہ ان کا کچھ روپیہ ہمارے پاس رہ گیا، بطور قرض۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ ان کی کتنی رقم ہماری طرف ہوتی ہے؟ وہ ہندو جب چلے گئے تو انہوں نے وہاں سے ہمارے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھا، نہ ہی اپنا کوئی پتا، ٹھکانا ہمیں بتایا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہندو اگر زندہ ہوں تو ان کی رقم انہیں لوٹا دُوں، اگر وہ زندہ نہیں تو ان کے جو وارث ہیں انہیں وہ رقم واپس کر دُوں، مگر پریشانی یہ ہے کہ نہ ہی وہ رقم مجھے یاد ہے، نہ ان کا ٹھکانا معلوم ہے۔ اب آپ مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ اب اس سلسلے میں کیا کروں؟ خدانخواستہ اس رقم کی آخرت میں مجھ سے پکڑ ہوگی، میں تو ایمان داری سے ان کی رقم لوٹانے کو تیار ہوں، ان ہندوؤں کی تعداد آٹھ یا دس ہے۔

جواب: رقم کتنی ہے؟ اس کا تو اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے، تخمینہ لگایئے کہ تقریباً اتنی ہوگی، جتنی رقم سمجھ میں آئے اتنی رقم کسی ضرورت مند کو دے دیں اور اپنے ذمہ سے بوجھ اُتارنے کی نیت کرلیں۔

سود کی رقم قرض دار کو قرض اُتارنے کے لئے دینا

سوال: سود کے پیسے اگر ہمارے پاس ہوں تو کیا ہم ان پیسوں سے قرض دار کو قرض ادا کرنے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ پیسے صرف مسجد وغیرہ میں بیت الخلا پر ہی لگائے جاسکتے ہیں؟

جواب: سود کے پیسوں سے اپنا قرض ادا کرنا جائز نہیں، نہ ان کو مسجد یا اس کے بیت الخلا میں لگایا جائے، بلکہ جس طرح ایک قابلِ نفرت اور گندی چیز سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے، اس خیال سے یہ سود کے پیسے کسی محتاج کو بغیر نیتِ ثواب دے دیئے جائیں۔ سوال میں جس قرض دار کے بارے میں پوچھا گیا ہے اگر وہ واقعی محتاج ہے تو اس کو قرض ادا کرنے کے لئے سودی رقم دینا جائز ہے۔

فلیٹ کی تکمیل میں وعدہ خلافی پر جرمانہ وصولنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: میں نے ایک صاحب سے ایک عدد فلیٹ خریدا تھا، انہوں نے مجھ سے پوری رقم لے لی ہے، انہوں نے ایک تاریخ طے کرکے وعدہ کیا تھا کہ اس مقرّرہ تاریخ تک فلیٹ مکمل کردُوں گا، میں نے اس وقت ان کو یہ کہا تھا کہ یہ بات مشکل ہے، چنانچہ میں نے ان سے یہ بات کہی کہ اگر اس تاریخ تک آپ یہ فلیٹ مجھے مکمل کرکے نہ دیں گے تو آپ پر جرمانہ ہونا چاہئے۔ طے یہ پایا تھا کہ اگر اس تاریخ تک قبضہ نہ دیا تو اس علاقے میں اتنے بڑے فلیٹ کا جو کرایہ ہوگا ادا کروں گا۔ چنانچہ فلیٹ ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے اور میں نے ان سے اس کا کرایہ مبلغ دو ہزار روپے لینا شروع کردیا ہے۔ بعض دوستوں نے یہ بات بتائی کہ یہ رقم سود بن جاتی ہے۔ براہِ کرم فتویٰ دیں کہ اگر واقعتاً یہ رقم سود ہے تو میں ان سے کرایہ نہ لوں۔

جواب: جب بیچنے والے نے حسبِ وعدہ مقرّرہ مدّت میں مکان خریدار کے حوالے نہیں کیا تو بروقت مکان نہ دینے کی صورت میں باہمی جرمانے کا طے کرلینا دُرست نہیں ہے۔ خریدار اگر چاہے تو اس معاملے کو ختم کرسکتا ہے، لیکن زائد مدّت کے عوض جرنامہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ مکمل فلیٹ مقرّرہ مدّت میں نہ ملنے کی صورت میں جرمانہ لینا (خواہ نام "کرایہ" وغیرہ کوئی بھی تجویز کرلیں) سود ہے اور جو وصول کیا ہے وہ بھی مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔

ایفائے عہد یا نقضِ عہد؟

سوال: "الف" نے "ب" سے یہ کہہ کر قرض لیا کہ اگلے ماہ کی پہلی تاریخ کو دے دُوں گا، لیکن اتفاقاً اس پہلی تاریخ کو ہفتہ واری چھٹی تھی، لہٰذا دفتر تنخواہ بند ہونے کی وجہ سے پہلی کو "الف" وہ قرضہ ادا نہ کرسکا۔ آپ بتلائیں کہ اس کا وعدہ پورا ہوا یا نقضِ عہد کا مرتکب ہوا؟

جواب: چونکہ فریقین کے ذہن میں یہ تھا کہ پہلی تاریخ کو تنخواہ ملنے پر قرضہ ادا ہوگا، اس لئے اس تاریخ کو دفتر بند ہونے کی وجہ سے اگر ادائیگی نہ ہوسکی تو اگلے دن کردے، یہ وعدہ خلافی کا مرتکب اور گنہگار نہ ہوگا، حدیث شریف میں ہے:

"اذا وعد الرجل أخاه ومن نیتہ أن یفی لہ، فلم یف ولم یجیئ المیعاد فلا اثم علیہ۔" (مشکوٰۃ شریف ص:۴۱۶، بروایت ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ:... "جب آدمی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ تھی کہ وہ اس وعدے کو پورا کرے گا، لیکن (کسی عذر کی وجہ سے) نہ کرسکا اور وعدے پر نہ آسکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔"

ادائیگی کا وعدہ کرتے وقت ممکنہ رُکاوٹ بھی گوش گزار دیں

سوال: کاروباری لین دین کے مطابق ہمیں یہ معلوم ہو کہ فلاں دن ہم کو پیسے بازار سے ملیں گے، دُکان دار کے وعدہ کے مطابق ہم کسی دُوسرے فرد سے وعدہ کرلیں کہ ہم آپ کو کل یا پرسوں پیسے ادا کردیں گے، اگر سامنے والا دُکان دار وعدہ خلافی کرے کسی بھی بنا پر، تو ہم اپنے کئے ہوئے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتے، اب اگر ہم نے جس سے وعدہ کیا ہو، اسے موجودہ صورتِ حال بتادیں تو وہ یقین نہ کرے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم کچھ اور وجہ بیان کردیں تاکہ وہ ناراض بھی نہ ہو، کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب غلط بیانی تو ناجائز ہی ہوگی، خواہ مخاطب اس سے مطمئن ہی ہوجائے، اس کے بجائے اس سے وعدہ کرتے وقت ہی یہ وضاحت کردی جائے تو مناسب ہے کہ فلاں شخص کے ذمہ میرے پیسے ہیں اور فلاں وقت کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے، اس سے وصول کرکے آپ کو دُوں گا۔ الغرض جہاں تک ممکن ہو وعدہ خلافی اور غلط بیانی سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

”التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء۔“(مشکوٰۃ شریف ص:۲۴۳، بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ:... ”سچا، امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”التجار يحشرون يوم القيامة فجارًا، الا من اتقٰى وبر وصدق۔“(مشکوٰۃ شریف ص:۲۴۴، بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ:... ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی اور سچ بولا۔“

قرض واپس نہ کرنے اور نااتفاقی پیدا کرنے والے چچا سے قطع تعلق

سوال میرے چچا نے میرے والد سے تقریباً ۱۰ سال قبل تقریباً ایک لاکھ روپے کا مال اس صورت میں لیا کہ فلاں فلاں دُکان دار کو دینا ہے، جب اس سے رقم مل جائے گی تو ادائیگی کردیں گے۔ اس سے قبل بھی یہ سلسلہ کرتے رہے اور رقم لوٹا دیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ کچھ عرصہ گزرنے پر رقم نہیں ملی، والد محترم نے تقاضا کیا تو چچا نے نقصان کا بہانہ بنادیا اور یکمشت اور فوری ادائیگی پر معذرت کی۔ آخر ۸ سال کا عرصہ گزر گیا، اس عرصے میں والد محترم نہ صرف خود اس کا تقاضا کرتے رہے بلکہ مجھ سے بھی تقاضا کرایا، مگر چچا خراب حالات اور مختلف بہانے کرتے رہے۔ آج سے ۲ سال قبل والد محترم کا انتقال ہوگیا، جب میں نے رقم کا مطالبہ کیا تو پہلے انہوں نے بالکل انکار کیا کہ انہوں نے کوئی رقم نہیں دینی۔ آخر میرے یاد دِلانے پر انہوں نے کہا: ”ہاں کچھ حساب تو ہے، اور ثبوت مہیا کریں، مگر اتنی لمبی رقم نہیں ہے۔“ کبھی کہتے: ”تمہارے والد نے مجھ سے رقم لے لی ہے“ کبھی کچھ، کبھی کچھ بہانے کرتے رہے ہیں۔

میں نے خاندان کے کچھ بزرگوں کو اس معاملے کو حل کرانے کے لئے کہا تو انہوں نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: ”کوئی اس معاملے میں نہ بولے۔“ چچا کے حالات بالکل ٹھیک ہیں، نہ صرف اب، بلکہ پہلے سے بھی ٹھیک ہیں۔ چچا نہ صرف لین دین کے معاملے میں ہی صحیح نہیں بلکہ عام گھریلو معاملات میں بھی میانہ روی نہیں کرتے۔ خاندان میں اور دُوسرے افراد کو ورغلانا اور ہمارے بہن بھائیوں میں بھی نااتفاقی پیدا کرنے میں اعلیٰ کردار ادا کر رہے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں چچا سے قطع تعلق کر لیا جائے؟

جواب اگر یہاں نہیں دیتے تو قیامت میں دینا پڑے گا۔ جہاں تک قطع تعلق کی بات ہے، زیادہ میل جول نہ رکھا جائے، لیکن سلام دُعا، عیادت اور جنازے میں شرکت وغیرہ کے حقوق منقطع نہ کئے جائیں۔

قرض ادا کردیں یا معاف کرالیں

سوال: غالباً ۷۰-۱۹۶۹ء میں، میں نے اپنے ایک اسکول ٹیچر سے ایک رسالہ جس کی قیمت اس وقت صرف ۷۰ پیسے تھے، اُدھار خریدا لیکن اس کی رقم ادا نہ کی۔ اگلے ماہ ان سے اور ایک رسالہ اس وعدے پر اُدھار خریدا کہ دونوں کے پیسے اکٹھے دے دُوں گا، اور پھر تیسرے ماہ ان سے ایک اور رسالہ اُدھار خرید لیا، اس وعدے کے ساتھ کہ تینوں کے پیسے اکٹھے چند روز میں ادا کر دُوں گا۔ لیکن وہ دن آج تک نہیں آیا ہے۔ ان تینوں رسالوں کی مجموعی قیمت دو روپے دس پیسے تھی۔ اس کے کوئی ایک سال بعد ان محترم اُستاد نے ان پیسوں کا تقاضا بھی کیا، لیکن میں نے پھر بہانہ بنا دیا، اور آج تک یہ اُدھار ادا نہیں کرسکا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میں ان رسالوں کی قیمت انہیں ادا کرنا چاہتا ہوں، یہ تحریر فرمائیں کہ جبکہ اس بات کو تقریباً ۱۹ برس گزر چکے ہیں، مجھے اصل رقم جو دو روپے دس پیسے بنی تھی وہی ادا کرنا ہوگی یا زیادہ؟ اگر زیادہ تو کس حساب سے؟ میں نے ایک حدیث مبارک سنی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ: ”جس شخص نے دُنیا میں کسی سے قرض لیا اور واپس نہ کیا، تو قیامت کے دن اسے صرف ۲ پیسے کے بدلے اس کی سات سو مقبول نمازوں کا ثواب دینا پڑے گا۔“

جواب: ان تینوں رسالوں کی قیمت آپ کے ذمہ واجب الادا ہے، اپنے اُستادِ محترم سے مل کر یا تو معاف کرالیں یا جتنی قیمت وہ بتائیں، ان کو ادا کردیں۔ دو پیسے والی جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے، یہ تو کہیں نہیں دیکھی، البتہ قرض اور حقوق کا معاملہ واقعی بڑا سنگین ہے، آدمی کو مرنے سے پہلے ان سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔

بیٹا باپ کے انتقال کے بعد نادہند مقروض سے کیسے نمٹے؟

سوال: میرے والد محترم سے ایک شخص نے کچھ رقم بطور قرض لی، اس کے عوض اپنا کچھ قیمتی سامان بطور زَرِ ضمانت رکھوادیا، مقرّرہ میعاد پوری ہونے پر جب وہ شخص نہیں آیا تو والد محترم نے مجھ سے کہا کہ: "فلاں شخص ملے تو اس سے رقم کی وصولی کا تقاضا کرنا اور اس کی امانت یاد دِلانا۔" کئی مرتبہ وہ شخص ملا، میں نے والد محترم کا پیغام دیا، مگر ہر مرتبہ جلد ہی ملاقات کا بہانہ کر دیتا۔ اسی اثنا میں میرے والد محترم کا انتقال ہو گیا، اس کے کچھ عرصہ بعد وہ شخص ملا، میں نے والد محترم کے انتقال کا بتایا اور اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، اس شخص نے کہا وہ رقم نہیں دے سکتا، اسے یہ رقم معاف ہی کر دی جائے اور اس کی امانت اس کو واپس دے دی جائے۔ اپنی موت اور اس کی امانت کی حفاظت کی کوئی گارنٹی نہ ہونے کے ڈَر سے میں نے اس کی امانت اس کے حوالے کر دی۔

۱ ...: کیا میں صحیح کیا؟

۲ ...: کیا میں والد محترم کی طرف سے اس قرض دار کو رقم معاف کر سکتا ہوں؟

۳ ...: یا کوئی اور طریقہ ہو تو تحریر فرمائیں۔

جواب: آپ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی رقم وارثوں کے نام منتقل ہو گئی، آپ اگر اپنے والد کے تنہا وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں، تو آپ معاف کر سکتے ہیں، اور اگر دُوسرے وارث بھی ہیں تو اپنے حصے کی رقم تو خود معاف کر سکتے ہیں اور دُوسرے وارثوں سے معاف کرنے کی بات کر سکتے ہیں (بشرطیکہ تمام وارث عاقل و بالغ ہوں)۔

رہن کا منافع استعمال کرنا

سوال: ہمارے علاقے میں رہن کی رسم بہت عام ہے، جس کو بعض علماء نے جائز کر دیا ہے، اس کے تین طریقے ہیں:

۱ ...: فرض کیا "الف" نے "ب" سے ۱۰ ہزار روپے قرض لیا، "ب" نے اس کے بدلے "الف" کی زمین رہن رکھ لی، اب "ب"، "الف" کی زمین کی فصل اس وقت تک کھاتا رہے گا جب تک کہ "الف" پورے دس ہزار روپے واپس نہ کر دے۔

۲ ...: اس طریقے میں "ب"، "الف" کو ۱۰ فیصد سالانہ مالیہ دے گا۔

۳ ...: اس طریقے میں "ب"، "الف" کو فصل کے تقریباً نصف مالیت کی رقم دے گا، یا اپنی رقم میں سے کٹائے گا۔

جناب مولانا! ایک بات یہ کہ اگر محنت، بیج اور بیل "الف" کے ہوں، یا محنت، بیج اور بیل "ب" کے ہوں تو کیا اثر پڑے گا؟

جناب! آپ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کریں تاکہ ان لوگوں کو آپ کا فتویٰ دِکھایا جائے۔

جواب: رہن رکھی ہوئی چیز کا مالک، رہن رکھوانے والا ہے، اور اس کے منافع اور پیداوار بھی اسی کی ملکیت ہے۔ جس شخص کے پاس یہ چیز رہن رکھی گئی ہے، نہ وہ رہن کی چیز کا مالک ہے اور نہ اس کی پیداوار کا، بلکہ یہ ساری چیزیں اس کے پاس امانت ہیں۔ جب مالک قرض کی رقم ادا کرے گا، یہ ساری چیزیں اس سے وصول کرلے گا، مرتہن کا رہن کے منافع اور اس کی پیداوار کا کھانا سود ہے جو شرعاً حرام ہے۔

نوکری کے لئے رشوت دینے اور لینے والے کا شرعی حکم

سوال: رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں، لیکن بعض معاشرتی بُرائیوں کے پیشِ نظر رشوت لینے والا خود مختار ہوتا ہے اور زبردستی رشوت طلب کرتا ہے، اور رشوت دینے والا، دینے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کا کام روک دیا جاتا ہے، کیونکہ بعض کام ہیں جس کے بغیر اس معاشرے میں نہیں رہ سکتا۔ اور بعض لوگ نوکریاں دِلانے کے لئے بھی رشوت لیتے ہیں، اور کیا نوکری حاصل کرنے والا شخص جو رشوت دے کر نوکری حاصل کرتا ہے تو کیا اس کا کمایا ہوا رزق حلال ہوگا؟ کیونکہ ایسا شخص بھی خوشی سے رشوت نہیں دیتا، تو ان حالات میں لینے والا اور رشوت دینے والا ان دونوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: رشوت لینے والا تو ہر حال میں "فی النار" کا مصداق ہے، اور رشوت دینے والے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ دفعِ ظلم کے لئے رشوت دی جائے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے۔ رشوت دے کر جو نوکری حاصل کی گئی ہو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص اس ملازمت کا اہل ہے اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اسے ٹھیک انجام دیتا ہے تو اس کی تنخواہ حلال ہے، (گو رشوت کا وبال ہوگا)، اور اگر وہ اس کام کا اہل ہی نہیں تو تنخواہ بھی حلال نہیں۔

دفعِ ظلم کے لئے رشوت کا جواز

سوال: آپ نے ایک جواب میں لکھا ہے کہ دفعِ مضرّت کے لئے رشوت دینا جائز ہے، حالانکہ رشوت لینے اور دینے والا دونوں ملعون ہیں، پھر آپ نے کیوں جواز کا قول فرمایا ہے؟

جواب: رشوت کے بارے میں جناب نے مجھ پر جو اعتراض کیا تھا، میں نے اعترافِ شکست کے ساتھ اس بحث کو ختم کردینا چاہا تھا، لیکن آنجناب نے اس کو بھی محسوس فرمایا، اس لئے مختصراً پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر اس سے شفانہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ میں اس سے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں۔

جناب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ رشوت قطعی حرام ہے، خدا اور رسول نے راشی اور مرتشی دونوں پر لعنت کی ہے، اور اس پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ لیکن جناب کو معلوم ہے کہ اضطرار کی حالت میں مردار کی بھی اجازت دے دی جاتی ہے، کچھ یہی نوعیت رشوت دینے کی ہے۔ ایک شخص کسی ظالم خونخوار کے حوالے ہے، وہ ظلم دفع کرنے کے لئے رشوت دیتا ہے، فقہائے اُمت اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "اُمید ہے کہ اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا" اور یہی میں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس پر عام حالات کا قانون نافذ نہیں ہوسکتا، اس لئے رشوت لینا تو ہر حال میں حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے، اور رشوت دینے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جلبِ منفعت کے لئے رشوت دے، یہ حرام ہے، اور یہی مصداق ہے ان احادیث کا جن میں رشوت دینے پر وعید آئی ہے۔ اور دُوسری صورت یہ کہ دفعِ ظلم کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو، اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ: "اُمید ہے کہ مؤاخذہ نہ ہوگا"، اس صورت پر جناب کا یہ فرمانا کہ: "میں اللہ اور رسول کے مقابلے میں فقہاء کی تقلید پر زور دے رہا ہوں" بہت ہی افسوس ناک الزام ہے۔ اسی لئے میں نے لکھا کہ: "آپ ماشاء اللہ خود "مجتہد" ہیں، مجتہد کے مقابلے میں مقلد بے چارہ کیا کرسکتا ہے؟" آپ کا یہ فرمانا کہ: "عوام علمائے کرام پر اعتماد کرتے ہیں، مگر ان میں خلوص چاہئے" بجا ہے، لیکن جناب نے تو بے اعتمادی کی بات کی تھی، جس پر مجھے اعترافِ شکست کرنا پڑا۔

کیا رشوت دینے کی خاطر رشوت لینے کے بھی عذرات ہیں؟

سوال: ایک سوال کرنے والے نے آپ سے پوچھا کہ: "ایسے موقع پر جبکہ اپنا کام کرانے کے لئے (ناحق) پیسے ادا کئے بغیر کام نہ ہو رہا ہو تو پیسے دے کر اپنا کام کرانا جبکہ کسی دُوسرے کا حق بھی نہ مارا گیا ہو، رشوت ہے کہ نہیں؟" آپ نے جواب میں فرمایا ہے کہ: "دفعِ ظلم کے لئے رشوت دی جائے تو توقع ہے کہ گرفت نہیں ہوگی، گو کہ رشوت لینا ہر حال میں حرام ہے، یعنی رشوت لینا ہر حال میں حرام ہے، لیکن ایسی مجبوری ہو تو دینے والا رشوت دے دے اور اُمید رکھے کہ یہ گناہ معاف ہوجائے گا۔"

رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، اور دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی خبر دی گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اسے حلال، اور جس کو حلال کیا ہے، اسے حرام نہ کیا کرو۔ آپ عالمِ دِین ہیں، آپ مجھ سے زیادہ ان باتوں کا علم اور شعور رکھتے ہیں، اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بحالتِ مجبوری رشوت دینے سے اس گناہ کی گرفت سے بچنے کی اُمید کی جاسکتی ہے، تو پھر کئی دیگر جرائم کے ارتکاب کا جواز پیدا ہوسکتا ہے، مثلاً: کوئی شخص بیروزگاری کی حالت میں چوری کرے تاکہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے تو اس کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ چوری کے گناہ اور سزا سے بچ جائے گا۔ اسی طرح جھوٹ بولنے کے بغیر زیادہ نقصان

کا خطرہ ہو تو ضرور تاً جھوٹ بولنے کی معافی بھی ہو سکتی ہے۔ شدید جذبات سے مغلوب ہو کر زنا کے مرتکب ہونے والے سے بھی رعایت ہو سکتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ میرے محترم! غور فرمایئے، رشوت جیسے قطعی حرام فعل میں رعایت دینے سے بات کہاں تک پہنچ جاتی ہے؟

علاوہ ازیں آپ کے فتوے سے قارئین پر کیا اثر ہو گا؟ اس پر بھی نگاہ فرمایئے، یہ تو عیاں ہے کہ لوگ مجبور ہو کر رشوت دیتے ہیں، ورنہ حکام یا دفتروں کے پھیرے لگاتے رہو، کام نہیں ہوتا۔ رضا و رغبت سے کوئی رشوت نہیں دیتا۔ دُوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کے معاشی اور معاشرتی حالات ایسے ہیں کہ رشوت لینے والے بھی کسی حد تک مجبوری ہی سے لیتے ہیں۔ آپ کے فتوے کا عوام پر یہ اثر ہو گا کہ وہ چند ایک نیک دِل حضرات جو رشوت دینا قطعی حرام سمجھ کر اس کی مدافعت کا حوصلہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ جان کر کہ مجبوری اور تکلیف (جسے آپ نے "ظلم" کہا ہے) سے بچنے کی صورت میں رشوت دے دینے اور اس گناہ کی سزا سے بچ جانے کی توقع ہے، اب اپنی مٹھی آسانی سے ڈھیلی کر دیں گے۔؟

مولانا صاحب! اس رشوت کے عذاب کا جو قوم پر مسلط ہے، آپ نے اندازہ لگایا ہے؟ رشوت کے ہاتھوں سارا نظامِ حکومت درہم برہم ہو گیا ہے، قرآن و کتاب کی حکمرانی ایک بے معنی سی بات بن کر رہ گئی ہے، عدل و انصاف کا اس سے گلا گھونٹا جا رہا ہے، رزقِ حلال کا حصول جو مسلمان کے ایمان کو قائم رکھنے کا تنہا ذریعہ ہے، ایک خواب و خیال بن چکا ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان والوں کے معاشرے میں یہودیت (سرمایہ پرستی) فروغ پا رہی ہے۔ کیا رشوت ان جرائم کے اثرات سے کم ہے جن کی حد قرآنِ کریم نے مقرّر فرمائی ہے؟ آج رشوت کے بُرے اثرات کا نفوذ ان جرائم سے بھی کہیں زیادہ ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ رشوت کو بھی روکنے کے اقدامات اسی سنجیدگی سے کئے جائیں۔ یہی نہیں بلکہ عوام کے دِل و دِماغ میں بٹھایا جائے کہ حرام کی کمائی اور مسلمان ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ ساتھ ہی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ قرآنِ کریم کے معاش کے متعلق اَحکام کے نفاذ کو اوّلیت دی جائے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سادہ اور درویشانہ زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنایا جائے۔ اُمید ہے آپ مجھے اس تلخ نوائی کے لئے معاف فرمائیں گے اور ایک دردمند دِل کی آواز سمجھ کر اسے درخورِ اعتنا سمجھیں گے۔؟

جواب: آپ کا خط ہمارے معاشرے کے لئے بھی اور حکومت اور کارکنان کے لئے بھی لائقِ عبرت ہے۔ اور میں نے جو مسئلہ لکھا ہے کہ: "مظلوم اگر دفعِ ظلم کے لئے رشوت دے کر خونخوار درندوں سے اپنی گردن خلاصی کرائے تو توقع ہے کہ اس پر گرفت نہ

ہو گی" یہ مسئلہ اپنی جگہ دُرست ہے۔ آخر مظلوم کو کسی طرح تو دادرسی کا حق ملنا چاہئے، عام حالات میں جو رشوت کا لین دین ہوتا ہے، یہ مسئلہ اس سے متعلق نہیں۔

انتہائی مجبوری میں رشوت لینا

سوال: کچھ دن قبل میری ملاقات اپنے ایک کلاس فیلو سے ہوئی جو کہ موجودہ وقت میں آزاد کشمیر کے ایک جنگل میں فارسٹر کی حیثیت سے ملازم ہے، میں نے اس سے رشوت کے سلسلے میں جب بات کی تو اس نے جو کہانی سنائی کچھ یوں تھی:

میری بیسک تنخواہ ۳۲۵ روپے ہے، کل الاؤنس وغیرہ ملاکر مبلغ چار سو روپے ماہوار تنخواہ بنتی ہے، میں جس جنگل میں تعینات ہوں وہ میرے گھر سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے، میرا آنے جانے کا کرایہ، میری بیوی، بچے جن کی کل تعداد سات ہے، ان کے کھانے پینے کا انتظام، کپڑا جوتے، علاج معالجہ، مہمان، غرض یہ کہ دُنیا میں جو کچھ بھی نظام ہے وہ جائز طریقے سے مجھے چلانا پڑتا ہے، اور پھر میرے جنگل میں دورے پر آنے والے جنگلات کے افسران جس میں ایف ڈی اور رینجر صاحب اور دیگر افسران یہاں تک کہ صدر آزاد کشمیر بھی سال میں ایک مرتبہ دورہ کرتے ہیں، اب ان سب لوگوں کے دورے کے دوران جتنا بھی خرچہ ہوتا ہے وہ اس علاقے کے فارسٹر اور پٹواری کے ذمے ہوتا ہے جو کہ کبھی دو تین ہزار سے کم نہیں ہوتا، اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں اور پٹواری یہ تین ہزار کہاں سے دیں گے، اگر رشوت نہیں لیں گے؟ یہ سوال اس نے مجھ سے کیا تھا۔ جواب آپ دیں کہ آیا ان حالات میں رشوت لینا کیسا ہے؟

جواب: رشوت لینا تو گناہ ہے، باقی یہ شخص کیا کرے؟ اس کا جواب تو افسرانِ بالا ہی دے سکتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ملازمین کو اتنی تنخواہ ضرور دی جائے جس سے وہ اپنے بال بچوں کی پرورِش کر سکیں، اور ان پر اضافی بوجھ بھی، جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے، نہیں ڈالنا چاہئے۔

رشوت کی رقم سے اولاد کی پرورِش نہ کریں

سوال: رشوت آج کل ایک بیماری کی صورت اختیار کر گئی ہے، اور اس مرض میں آج کل ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ میرے والد صاحب بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ میں انٹر کا طالب علم ہوں اور مجھے اس بات کا اب خیال آیا کہ میرے والد صاحب میری پڑھائی لکھائی پر، میرے کھانے وغیرہ پر جو کچھ خرچ کر رہے ہیں، وہ سب رشوت سے ہے۔ آپ مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ

مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں والد صاحب کی حرام کمائی سے پڑھتا لکھتا رہوں، کھاتا پیتا رہوں؟ یا میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں اور محنت کر کے اپنی گزر اوقات کروں یا کوئی اور راستہ اختیار کروں؟

جواب: اگر آپ کے والد کی کمائی کا غالب حصہ حرام ہے تو اس میں سے لینا جائز نہیں، آپ اپنے والد صاحب کو کہہ دیجئے کہ وہ آپ کو جائز تنخواہ کے پیسے دیا کریں، رشوت کے نہ دیا کریں۔

شوہر کا لایا ہوا رشوت کا پیسہ بیوی کو استعمال کرنے کا گناہ

سوال: اگر شوہر رشوت لیتا ہو اور عورت اس بات کو پسند بھی نہیں کرتی ہو، اور اس کے ڈَر سے منع بھی نہیں کر سکتی تو کیا اس کمائی کے کھانے کا عورت کو بھی عذاب ہو گا؟

جواب: شوہر اگر حرام کا روپیہ کما کر لاتا ہے تو عورت کو چاہئے کہ پیار محبت سے اور معاملہ فہمی کے ساتھ شوہر کو اس زہر کے کھانے سے بچائے، اگر وہ نہیں بچتا تو اس کو صاف صاف کہہ دے کہ: "میں بھوکی رہ کر دن کاٹ لوں گی، مگر حرام کا روپیہ میرے گھر نہ لایا جائے، حلال خواہ کم ہو میرے لئے وہی کافی ہے۔" اگر عورت نے اس دستور العمل پر عمل کیا تو وہ گناہگار نہیں ہو گی، بلکہ رشوت اور حرام خوری کی سزا میں صرف مرد پکڑا جائے گا، اور اگر عورت ایسا نہیں کرتی بلکہ اس کا حرام کا لایا ہوا روپیہ خرچ کرتی ہے تو دونوں اکٹھے جہنم میں جائیں گے۔

رشوت کی رقم سے کسی کی خدمت کر کے ثواب کی اُمید رکھنا جائز نہیں

سوال: میرے ایک افسر ہیں، جو اپنے ماتحت کی خدمت میں حاتم طائی سے کم نہیں، کسی کو اس کی لڑکی کی شادی پر جہیز دِلاتے ہیں، کسی کو پلاٹ اور کسی کو فلیٹ بُک کرا دیتے ہیں، وہ یہ سب اپنے حصے کی رشوت سے کرتے ہیں اور خود ایمان دار ہیں۔ آپ سے مذہب کی رُو سے دریافت کرنا ہے کہ کیا ان کو ان تمام خدمات کے صلے میں ثواب ملے گا اور ان کا ایمان باقی رہے گا؟

جواب: رشوت لینا حرام ہے، اور اس حرام روپے سے کسی کی خدمت کرنا اور اس پر ثواب کی توقع رکھنا بہت ہی سنگین گناہ ہے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ حرام مال پر ثواب کی نیت کرنے سے ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ آپ کے حاتم طائی کو چاہئے کہ رشوت کا روپیہ اس کے مالک کو واپس کر کے اپنی جان پر صدقہ کریں۔

رشوت کی رقم نیک کاموں پر خرچ کرنا

سوال:	اگر کوئی شخص رشوت لیتا ہے اور اس رشوت کی کمائی کو کسی نیک کام میں خرچ کرتا ہے، مثلاً: کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرتا ہے، تو کیا اس شخص کو اس کام کا ثواب ملے گا؟ اگرچہ ثواب و عذاب کے بارے میں خدا تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا، مگر خدا اور رسول کے اَحکام و طریقوں کی روشنی میں اس کا جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔

جواب:	رشوت کا پیسہ حرام ہے، اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: ”آدمی حرام کما کر اس میں سے صدقہ کرے، وہ قبول نہیں ہوتا“ حضراتِ فقہاء نے لکھا ہے کہ مالِ حرام میں صدقے کی نیت کرنا بڑا ہی سخت گناہ ہے، اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص گندگی جمع کر کے کسی بڑے آدمی کو ہدیہ پیش کرے، تو یہ ہدیہ نہیں گا بلکہ اس کو گستاخی تصوّر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں گندگی جمع کر کے پیش کرنا بھی گستاخی ہے۔

کمپنی کی چیزیں استعمال کرنا

سوال 1:	اگر کوئی شخص جس کمپنی میں کام کرتا ہو، وہاں سے کاغذ، پنسل، رجسٹر یا کوئی ایسی چیز جو آفس میں اس کے استعمال کی ہو، گھر لے جائے اور ذاتی استعمال میں لے آئے، کیا یہ جائز ہے؟

سوال 2:	یا آفس میں ہی اسے ذاتی استعمال میں لائے۔

سوال 3:	گھر میں بچوں کے استعمال میں لائے۔

سوال 4:	آفس کے فون کو ذاتی کاروبار، یا نجی گفتگو میں استعمال کرے۔

سوال 5:	کمپنی کی خرید و فروخت کی چیزوں میں کمیشن وصول کرنا۔

سوال 6:	آفس کے اخبار کو گھر لے جانا وغیرہ۔

جواب:	سوال نمبر ۵ کے علاوہ باقی تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ اگر کمپنی کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، بلکہ چوری اور خیانت ہے۔ سوال نمبر ۵ کا جواب یہ ہے کہ ایسا کمیشن وصول کرنا رشوت ہے، جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

کالج کے پرنسپل کا اپنے ماتحتوں سے ہدیے وصول کرنا

سوال: میں ایک مقامی کالج میں پرنسپل ہوں، میرے ماتحت بہت سے لیکچرار، کلرک اور عملہ کام کرتا ہے۔ وہ لوگ مجھے وقتاً فوقتاً تحفے دیتے رہتے ہیں، جن میں برتن، مٹھائیوں کے ڈَبے، بڑے بڑے کیک اور مختلف جگہوں کی سوغات میرے لئے لاتے ہیں، جن میں پاکستان کے مختلف شہروں کی چیزیں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ایڈمیشن کے وقت لوگوں کے والدین کافی مٹھائیوں کے ڈَبے لاتے ہیں اور میں خاموشی سے لے کر رکھ لیتا ہوں۔ میرے گھر والے اور رشتہ دار یہ چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں نہیں لینی چاہئیں کیونکہ یہ رشوت کا معزّز طریقہ ہے۔ جو چیزیں وہ لوگ اپنی خوشی سے مجھے بڑا سمجھ کر دے جاتے ہیں، بتایئے میں لوں یا انکار کردُوں؟ میری بیوی بھی یہ کہتی ہے کہ یہ چیزیں اپنی خوشی سے لاتے ہیں، لینا ہمارا فرض ہے، ہم ان سے مانگتے نہیں۔ آپ جواب ضرور دیں۔

جواب: جو لوگ ذاتی تعلق و محبت اور بزرگداشت کے طور پر ہدیہ پیش کرتے ہیں وہ تو ہدیہ ہے، اور اس کا استعمال جائز اور صحیح ہے۔ اور جو لوگ آپ سے آپ کے عہدے کی وجہ سے منفعت کی توقع پر مٹھائی پیش کرتے ہیں، یعنی آپ نے ان کو اپنے عہدے کی وجہ سے نفع پہنچایا ہے یا آئندہ اس کی توقع ہے، یہ رشوت ہے، اس کو قبول نہ کیجئے، نہ خود کھایئے، نہ گھر والوں کو کھلایئے۔ اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر آپ اس عہدے پر نہ ہوتے، یا اس عہدے سے سبکدوش ہوجائیں تو کیا پھر بھی یہ لوگ آپ کو ہدیہ دیا کریں گے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ ہدیے بھی رشوت ہیں، اور اگر ان ہدیوں کا آپ کے منصب اور عہدے سے کوئی تعلق نہیں تو یہ ہدیے آپ کے لئے جائز ہیں۔

ا ِنکم ٹیکس کے محکمے کو رشوت دینا

سوال: اِنکم ٹیکس کا محکمہ خصوصاً اور دیگر سرکاری محکمے بغیر رشوت دیئے کوئی کام نہیں کرتے، جائز کام کے لئے بھی رشوت طلب کرتے ہیں، اگر رشوت نہ دی جائے تو ہر طرح سے پریشان کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی کا جینا دوبھر ہوجاتا ہے، مجبوراً آدمی رشوت دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اب گناہ کس پر ہوگا؟ دینے والے پر بھی، یا صرف لینے والے پر؟ (یہاں پر واضح کردُوں کہ کوئی بھی شخص اپنی جائز اور محنت کی آمدنی سے رشوت دینے کے لئے خوش نہیں، بلکہ مجبور ہوکر دینے پر تیار ہونا پڑتا ہے، بلکہ مجبور کیا جاتا ہے)۔

جواب: رشوت اگر دفعِ ظلم کے لئے دی گئی ہو تو اُمید کی جاتی ہے کہ دینے والے کے بجائے صرف لینے والے کو گناہ ہوگا۔

محکمہ ٔفوڈ کے راشی افسر کی شکایت افسرانِ بالا سے کرنا

سوال: میں ایک دُکان دار ہوں، ہمارے پاس ”کے ایم سی“ کی طرف سے فوڈ انسپکٹر پسی ہوئی چیزیں لیبارٹری پر چیک کرانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ ہم میں کچھ دُکان دار ایسے بھی ہیں جو ملاوٹ کر کے اشیاء فروخت کرتے ہیں اور فوڈ انسپکٹر کو ہر ماہ کچھ رقم رشوت کے طور پر دیتے ہیں۔ اب جو دُکان دار ملاوٹ نہیں کرتے، ان کی اشیاء میں نادانستہ طور پر مٹی کے ذرّات یا کوئی اور چیز مکس ہو جاتی ہے جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتی اور لیبارٹری میں پتا چل جاتا ہے اور سیمپل فیل ہو جاتا ہے۔ کیا اس صورت میں ہمیں انسپکٹر صاحب کو ماہانہ رقم دینا چاہئے کہ نہیں؟

جواب: کیا یہ ممکن نہیں کہ ایسے راشی افسر کی شکایت حکامِ بالا سے کی جائے؟ رشوت کسی بھی صورت میں دینا جائز نہیں۔

ٹھیکے دار کا افسران کو رشوت دینا

سوال: میں سرکاری ٹھیکے دار ہوں، مختلف محکموں میں پانی کی ترسیل کی لائنیں بچھانے کے ٹھیکے ہم لیتے ہیں، ہم جو ٹھیکے لیتے ہیں وہ باقاعدہ ٹینڈر فارم جمع کرا کے مقابلے میں حاصل کرتے ہیں، مقابلہ یوں کہ بہت سے ٹھیکے دار اس ٹھیکے کے لئے اپنی اپنی رقم لکھتے ہیں اور بعد میں ٹینڈر سب کے سامنے کھولے جاتے ہیں، جس کی قیمت کم ہوتی ہے، سرکار اسے ٹھیکہ دے دیتی ہے۔ اس کام میں ہم اپنا ذاتی حلال کا پیسہ لگاتے ہیں اور سرکار نے پانی کے پائپوں کا جو معیار مقرّر کیا ہے وہی پائپ لیتے ہیں جو کہ محکمے سے منظور شدہ کمپنی سے خریدا جاتا ہے، اور جو قسم محکمے والے مقرّر کرتے ہیں، وہی خریدتے ہیں۔ ہم اپنے طور پر کام ایمان داری سے کرتے ہیں، مگر چند ایک چھوٹی چیزیں مثلاً پائپ جوڑنے والا آلہ جس کی موٹائی محکمے والے ۱۰ اِنچ مقرّر کرتے ہیں، وہ ہم پانچ اِنچ موٹائی کا لگا دیتے ہیں۔ اس سے لائن کی مضبوطی میں فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے ساتھ مجبوری یہ ہے کہ محکمے کے افسران جو کہ اس کام پر مأمور ہوتے ہیں ان کو ہمیں لازماً افسران کے عہدوں کے مطابق ٹینڈر کی قیمت کے ۲ فیصد سے ۵ فیصد تک پیسے دینے پڑتے ہیں، جبکہ وہ سرکاری ملازم ہیں اور محکمے سے تنخواہ لیتے ہیں، اور جو پیسے وہ ہم سے لیتے ہیں وہ سرکار کے خزانے میں نہیں بلکہ ان کی جیبوں میں جاتے ہیں۔ اگر ہم انہیں یہ پیسے نہ دیں تو وہ کام میں رُکاوٹ ڈالتے ہیں، اور اگر ہم سو فیصد کام صحیح کریں جب بھی اس میں نقص نکال کر ہمارے پیسے رُکوا دیتے ہیں اور آئندہ کے لئے کاموں میں رُکاوٹ ڈال دیتے ہیں۔ آپ سے گزارش یہ ہے کہ آپ یہ بتایئے کہ ہماری یہ آمدنی حلال ہے کہ نہیں؟ کیونکہ اگر ہم افسران کو پیسہ نہ دیں تو وہ ہماری سو فیصد ایمان داری کے باوجود ہمارے کام بند کرا دیتے ہیں اور ہمارے بل رُکوا دیتے ہیں۔ کام شروع سے ہم اپنے ذاتی پیسوں سے کرتے ہیں، اور تکمیل کے دوران سرکار ہمیں کچھ ادائیگی کرتی رہتی ہے، جبکہ رقم کا بڑا حصہ ہمارا ذاتی پیسہ ہوتا ہے۔

جواب: رشوت ایک ایسا ناسور ہے جس نے پورے ملک کا نظام تلپٹ کرر کھا ہے، جن افسروں کے منہ کو یہ حرام خون لگ جاتا ہے وہ ان کی زندگی کو بھی تباہ کر دیتا ہے اور ملکی انتظام کو بھی متزلزل کر دیتا ہے، جب تک سرکاری افسروں اور کارندوں کے دِل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے دن کے حساب و کتاب اور قبر کی وحشت و تنہائی میں ان چیزوں کی جواب دہی کا احساس پیدا نہ ہو، تب تک اس سرطان کا کوئی علاج نہیں کیا جاسکتا۔ آپ سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ان کتوں کو ہڈی ڈالنے سے پرہیز کریں، اور جہاں بے بس ہو جائیں وہاں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

ٹھیکے داروں سے رشوت لینا

سوال: میں بلڈنگ ڈپارٹمنٹ میں سب انجینئر ہوں، ملازمت کی مدّت تین سال ہوگئی ہے، ہمارے یہاں جب کوئی سرکاری عمارت تعمیر ہوتی ہے تو ٹھیکے دار کو ٹھیکے پر کام دے دیا جاتا ہے، اور ہم ٹھیکے دار سے ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپے کمیشن لیتے ہیں، جس میں سب کا حصہ ہو جاتا ہے (یعنی چپراسی سے لے کر چیف انجینئر تک)، اس میں ۲ فیصد حصہ میرا بھی ہوتا ہے، ایک لاکھ پر دو ہزار، یہ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس وقت میرے زیر نگرانی ۲۰ لاکھ کا کام ہے اور ہر ماہ ۴ لاکھ کے بل بن جاتے ہیں، اس طرح ۸ ہزار روپے تنخواہ کے علاوہ مجھ کو مل جاتے ہیں، جبکہ تنخواہ صرف ۷۰۰ اروپے ہے۔ ٹھیکے دار حضرات کام کو دیئے ہوئے شیڈول کے مطابق نہیں کرتے، اور ناقص مٹیریل استعمال کرتے ہیں۔ سیمنٹ، لوہا وغیرہ گورنمنٹ کے دیئے ہوئے معیار کے مطابق نہیں لگاتے، حتیٰ کہ بہت سی اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کا صرف کاغذات پر اندراج ہوتا ہے اور درحقیقت جائے وقوع پر اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لیکن ہم لوگوں کو غلط اندراج کرنا پڑتا ہے اور غلط تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ جب ہم کسی منصوبے کا اسٹیٹمنٹ بناتے ہیں تو اس کو پہلے سپرنٹنڈنگ انجینئر کے پاس لے جانا پڑتا ہے، جہاں پر سائٹ انچارج سے اس کو پاس کرانے کے لئے آفیسر اور اسٹاف کو کام کی نسبت سے کمیشن دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد وہ فائل چیف انجینئر کے آفس میں جاتی ہے، وہاں اس کو بھی کام کی نسبت سے کمیشن دینا پڑتا ہے۔ اور اس کا ایک اُصول بنایا ہوا ہے، اس کے بغیر اسٹیٹمنٹ پاس نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے ہم لوگوں کو بھی ٹھیکے داروں سے مجبوراً کمیشن لینا پڑتا ہے، ورنہ ہم اگلے مراحل میں ادائیگی کہاں سے کریں؟

ٹھیکے دار اس کمی کو پورا کرتا ہے خراب مال لگا کر اور کام میں چوری کر کے، جس کا ہم سب کو علم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طرح ہم جھوٹ، بددیانتی، رشوت، سرکاری رقم (جو کہ درحقیقت عوام کی ہے) میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کو بُرا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ میرا دِل اس عمل سے مطمئن نہیں ہے۔ براہِ کرم میری سرپرستی فرماویں کہ آیا میں کیا کروں؟ کیا دُوسروں کو ادا

کرنے کے لئے کمیشن لے لوں اور اس میں سے اپنے پاس بالکل نہ رکھوں؟ یا کچھ اپنے پاس بھی رکھوں؟ یا ملازمت چھوڑ دُوں؟ کیونکہ مذکورہ بالا حالات میں سارے غلط اُمور کرنا پڑتے ہیں۔

جواب: جن قباحتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان کی اجازت تو نہ عقل دیتی ہے نہ شرع، نہ قانون نہ اخلاق، اگر آپ ان لعنتوں سے نہیں بچ سکتے تو اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ نوکری چھوڑ دیجئے، اور کوئی حلال ذریعۂ معاش اپنایئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آپ نوکری چھوڑ دیں گے تو بچوں کو کیا کھلائیں گے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دُوسری جگہ حلال ذریعہ معاش تلاش کرنے کے بعد ملازمت چھوڑیئے، پہلے نہ چھوڑیئے۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ہمت سے کام لے کر اس بُرائی کے خلاف جہاد کیجئے اور رشوت کے لینے اور دینے سے انکار کر دیجئے۔ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے محکمے کے تمام شریکِ کار افسرانِ بالا سے لے کر ماتحتوں تک آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔

آپ کے افسر آپ کے خلاف جھوٹے سچے الزامات عائد کر کے آپ کو برخاست کرانے کی سعی کریں گے۔ اس کے جواب میں آپ اپنے مندرجہ بالا خط کو سنوار کر مع ثبوتوں کے صفائی نامہ پیش کر دیجئے، اور اس کی نقول صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، صوبائی حکومت کے اَربابِ اقتدار اور ممبران قومی و صوبائی اسمبلی وغیرہ کو بھیج دیجئے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کا محکمہ آپ کو نوکری سے الگ کر دے گا، لیکن پھر اِن شاء اللہ آپ پر زیادہ خیر و برکت کے دروازے کھلیں گے۔ اگر آپ محکمے کی ان زیادتیوں سے کسی بڑے اَربابِ حل و عقد کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی نوکری بھی نہیں جائے گی، البتہ آپ کو کسی غیر اہم کام پر لگا دیا جائے گا اور آپ کو ۱۷۰۰ روپے میں گزر اوقات کرنی پڑے گی، جس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ آپ خالی وقت میں کوئی کام کر سکیں۔ تو میرے عزیز! جس طرح آپ ہزاروں میں سے ایک ہیں جو مجھ کو ایسا تقوے والا خط لکھ سکتے ہیں، اسی طرح کسی نہ کسی کو اس اندھیر نگری میں حق کی آواز اُٹھانی ہے، اللہ کی مدد آپ کے شاملِ حال ہو اور ہم خیال بندے آپ کی نصرت کریں۔

دفتری فائل دِکھانے پر معاوضہ لینا

سوال: میں ایک دفتر میں ملازم ہوں، ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی فائل دیکھنے آتا ہے کہ میری فلاں فائل ہے، وہ نکل جائے، یا میری فائل نمبر یہ ہے، اگر دِکھا دیں تو بہت مہربانی ہوگی، اور یہ کہ یہ چیز اس میں سے ٹائپ کر کے مجھے دے دیں، ہمارے سینئر کلرک ان سب باتوں کو پورا کر دیتے ہیں۔ وہ شخص سینئر صاحب کو کچھ رقم دے دیتا ہے، ہمارے سینئر صاحب اس میں

ا

سے ہمیں بھی دیتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ رشوت تو نہ ہوئی؟ اور اگر ہوئی تو بھی تو اس کی ذمہ داری ہمارے سینئر کلرک پر آئے گی یا ہم پر؟ اگر اس مسئلے کا حل بتادیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔

جواب: فائل نکلوانے، دِکھانے اور ٹائپ کرنے کی اگر سرکار کی اُجرت مقرّر ہے، تو اس اُجرت کا وصول کرنا صحیح ہے (اور اس کا مصرف وہ ہے جو قانون میں مقرّر کیا گیا ہو)، اس کے علاوہ کچھ لینا رشوت ہے اور گناہ میں وہ سب شریک ہوں گے جن جن کا اس میں حصہ ہو گا۔

کسی ملازم کا ملازمت کے دوران لوگوں سے پیسے لینا

سوال: کسی ملازم کو تنخواہ کے علاوہ ملازمت کے دوران کوئی شخص خوش ہو کر کچھ پیسے دے تو کیا وہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ان سے مانگتے نہیں ہیں، اور نہ ہم کسی کا دِل دُکھاتے ہیں، تو وہ رشوت نہیں ہے۔ اب آپ کتاب و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ وہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر کام کرنے کا معاوضہ دیتے ہیں تو رشوت ہے، خواہ یہ مانگے یا نہ مانگے، اگر دوستی یا عزیزداری میں ہدیہ دیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔

بخوشی دی ہوئی رقم کا سرکاری ملازم کو استعمال کرنا

سوال: میں جس فرم میں ملازم ہوں، وہاں اشیاء کی نقل و حرکت کے لئے ٹرانسپورٹرز سے معاہدہ ہے، جن کا کرایہ حکومت سے منظور شدہ ہوتا ہے اور انہیں ماہانہ ادائیگی کی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ان کے کرایوں کے نرخ میں اضافہ کر دیا گیا، لیکن منظوری میں تأخیر کی وجہ سے اس دوران کا حساب کر کے ان کو بقایا جات ادا کئے گئے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت ادائیگی کے بل ادا کئے گئے، لوگوں نے ان سے مٹھائی کا مطالبہ شروع کر دیا، جس پر انہوں نے رضامندی ظاہر کی، لیکن ان سے کہا گیا کہ ہمیں کچھ رقم دے دی جائے جس سے ہم پانچ چھ افراد پارٹی (لنچ یا ڈنر) کر سکیں۔ ان سے یہ رقم وصول کی گئی اور اس وقت یہ صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ یہ پیسے کسی اور ضمن میں نہیں بلکہ آپ کی خوشی سے مٹھائی کے طور پر لئے جا رہے ہیں۔ جس پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ نہیں ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں۔ ایک ٹرانسپورٹر نے اچھی خاصی رقم دی جسے تین افراد نے آپس میں تقسیم کر لیا اور باقی وصول ہونے والی رقم سے چار پانچ مرتبہ لنچ کیا گیا۔ برائے مہربانی آپ یہ وضاحت کر دیں کہ یہ رقم کھانا جائز ہے جبکہ کھانے والے حضرات یہ بھی

چاہتے ہیں کہ یہ آفس میں افسرانِ بالا کو یا اور لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہو، جبکہ اس میں کسی اور منفعت کو دخل نہیں، ہمارا ادارہ ایک نجی ادارہ ہے۔

جواب: اس قسم کی شیرینی جو سرکاری اہل کاروں کو دی جاتی ہے، رشوت کی مد میں آتی ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ یہ شیرینی نہیں بلکہ زہر ہے۔

رشوت لینے والے سے تحائف قبول کرنا

سوال: ایک شخص جو کہ ساتھی ہے یا رشتہ دار ہے، نماز روزے کا پابند ہے، یعنی اَحکامِ خداوندی بجالاتا ہے، وہ ایسے محکمے میں کام کرتا ہے جہاں لوگ کام کے عوض روپیہ دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود مانگتا نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ سلسلہ شروع سے چل رہا ہے اس لئے لوگ اس کو بھی بلاتے ہیں یا خود لاکر دیتے ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس رقم سے خود، اس کے علاوہ دوستوں، رشتہ داروں کو تحفہ اور اس کے علاوہ نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے، آیا اس کا یہ دیا ہوا تحفہ یا نیک کاموں میں لگانا کہاں تک جائز ہے؟ مثال کے طور پر اگر اس نے کسی دوست یا رشتہ دار کو تحفے میں کپڑا دیا جبکہ واپسی کرنا دِل کو توڑنا ہے، جو کہ اسلام نے منع کیا ہے، اور اس کو یہ بات معلوم نہیں کہ یہ کپڑا جائز کمائی کا نہیں ہے، تو آیا اس کپڑے کو پہن کر نماز ہو جائے گی اور نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب: کام کے عوض جو روپیہ اس کو دیا جاتا ہے وہ رشوت ہے، اس کا لینا اس کے لئے جائز نہیں، اگر بعینہٖ اسی رقم سے کوئی چیز خرید کر وہ کسی کو تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز نہیں، اور اگر اپنی تنخواہ کی رقم سے یا کسی اور جائز آمدنی سے تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا دُرست ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ تحفہ جائز آمدنی کا ہے یا ناجائز کا؟ تو اگر اس کی غالب آمدنی صحیح ہے تو تحفہ لے لینا دُرست ہے، ورنہ احتیاط لازم ہے، اور اگر اس کی دِل شکنی کا اندیشہ ہو تو اس سے تو لے لیا جائے مگر اس کو استعمال نہ کیا جائے، بلکہ بغیر نیتِ صدقہ کے کسی محتاج کو دے دیا جائے۔

کیلنڈر اور ڈائریاں کسی ادارے سے تحفے میں وصول کرنا

س... آج کل کیلنڈر اور ڈائریاں تقسیم کرنے کا رواج عام ہے، اصل میں تو یہ ایک عام اشتہار بازی ہے، مگر یہ چیزیں صرف متعلقہ اشخاص کو دی جاتی ہیں، مثلاً: اگر ایک پارٹی کسی بڑے مالی ادارے یا گورنمنٹ کو کوئی مال فراہم کرتی ہے تو سال کے شروع میں وہ خرید

کے شعبے کے افراد کو ڈائری یا کیلنڈر تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔ کیا اس قسم کا تحفہ قبول کرنا ان افراد کو جائز ہے جو کہ کسی ادارے کے خرید کے شعبے میں ملازم ہیں؟ ہمیں یہ ڈَر ہے کہ کہیں یہ رشوت وغیرہ میں تو نہیں آتے۔

جواب: اگر یہ ڈائریاں ایسی کمپنی یا ادارے کی جانب سے شائع کی گئی ہوں جن کی آمدنی شرعاً جائز ہے، تو ان کا لینا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

رکشا، ٹیکسی ڈرائیور یا ہوٹل کے ملازم کو کچھ رقم چھوڑ دینا یا اُستاد، پیر کو ہدیہ دینا

سوال: ہمارے معاشرے میں کارکنان کو طے شدہ اُجرت کے علاوہ کچھ رقم دینے کا رواج ہے، مثال کے طور پر رکشا و ٹیکسی کے میٹر کی رقم کے علاوہ اکثر ریز گاری بچتی ہے، وہ نہ تو رکشا، ٹیکسی ڈرائیور دینا چاہتا ہے اور نہ مسافر لینا چاہتا ہے، اور وہ رقم نذرانہ، شکرانہ یا بزبان انگریزی "ٹپ" تصوّر کی جاتی ہے۔ ہم یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ڈرائیور حضرات جو رقم واجب کرایہ سے زائد لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس سے بڑھ کر مرید، پیر کو، شاگرد، اُستاذ کو، ہوٹل میں کھانا کھانے والا، بیرے کو دیتا ہے، آپ شرعی طور پر فرمائیں کیا یہ رقم خیرات ہے؟ دینے والے کو اس کا ثواب ملے گا؟ لینے والے کا جائز حق ہے؟

جواب: اگر یہ زائد رقم خوشی سے چھوڑ دی جائے تو لینے والے کے لئے حلال ہے۔ اور اپنے بزرگوں کو ہدیہ یا چھوٹوں کو تحفے کے طور پر جو چیز برضا و رغبت دی جائے وہ بھی جائز ہے۔

مجبوراً رشوت دینے والے کا حکم

سوال: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔ اگرچہ اس بارے میں بہت سی اور احادیث بھی ہوں گی۔ پاکستان میں ٹریفک پولیس اور ڈرائیور حضرات کے درمیان یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ گاڑیوں سے ماہوار رشوت لیتے ہیں، بعض جگہ جب بھی کسی چوک میں گاڑی مل جائے تو روک کر روپے لیتے ہیں۔ اگر ان کو گاڑی کے کاغذات بتادیئے جائیں، کاغذ مکمل ہونے کی صورت میں پھر بھی وہ کوئی نہ کوئی الزام لگادیتے ہیں۔ مثلاً: "گاڑی کا رنگ دُرست نہیں ہے، تم تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہو۔" اگر ان کو رشوت ۳۰ یا ۵۰ روپے نہ دیئے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ چالان کرو اور ہم گورنمنٹ کو فیس دیں گے تو وہ چالان سلپ پر اتنی دفعات لگادیتے ہیں کہ جب ہم مجسٹریٹ کے سامنے جاتے ہیں تو وہ ۵۰۰، ۱،۰۰۰ روپے تک جرمانہ کرتا ہے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ایک ماہ تک لائسنس کا بھی یا گاڑی کے کاغذات کا بھی پتا نہ چلے، یہ کام وہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو

آئندہ روپے آرام سے دیئے جائیں۔ پھر ایک ڈرائیور مجبوری سے ۳۰ یا ۵۰ روپے دے دیتا ہے اور اس کے عوض وہ اوور لوڈ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ گاڑی کے کاغذ نہیں رکھتے کہ کاغذ ہوتے ہوئے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ میرا اس بیان سے مقصد یہ نہیں کہ ہم جرم کرتے رہیں اور روپے دیتے رہیں، بلکہ اگر کسی کا کوئی جرم ہے اور وہ روپے بھی دیتا ہے تو اسلام میں اس کا کیا مقام ہے؟ اگر سب کچھ دُرست ہونے کے باوجود صرف رشوت اس لئے دی جائے کہ وہ ناجائز تنگ کریں گے اور زیادہ روپے دینے پڑیں گے، کیا اس حدیث کی روشنی میں ڈرائیور اور پولیس والا دونوں کے لئے بس وہ حدیث ہوگی، یعنی دونوں کا جرم برابر کا ہوگا؟

جواب: کوئی کام غیر قانونی تو حتی الوسع نہ کیا جائے، اس کے باوجود اگر رشوت دینی پڑے تو لینے والے اپنے لئے جہنم کا سامان کرتے ہیں، دینے والا بہر حال مجبور ہے، اُمید ہے کہ اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اور اگر غیر قانونی کام کے لئے رشوت دی جائے تو دونوں فریق لعنت کے مستحق ہیں۔

ملازمین کے لئے سرکاری تحفہ جائز ہے

سوال: "جنگ" اخبار میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے کالم میں آپ نے جو جواب "تحفہ یا رشوت" کے سلسلے میں شائع کیا ہے، اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ادارے میں ملازم ہے اور اپنے کام میں وہ بھرپور محنت کرتا ہے تو ادارہ اس کی خدمات سے خوش ہو کر اگر اسے اضافی تنخواہ یا کوئی تحفہ دیتا ہے تو یہ رشوت میں شامل نہیں ہوگا، حالانکہ اگر یہ اسی عہدے پر قائم نہیں ہوتا تو یقیناً نہیں ملتا، کیونکہ اسے اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن اب چونکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ محنت اور خلوص سے کام کر رہا ہے اور انتظامیہ اس کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام دیتی ہے تو یہ رشوت میں شامل نہیں ہوگا، کیونکہ اسلام ہمیشہ محنت کشوں کی حوصلہ افزائی کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ کام کرنے کا جذبہ بڑھتا ہے بلکہ انسان مزید بُرائیوں سے بھی بچتا ہے، لہٰذا مجھ گنہگار کی ناقص رائے ہے کہ آپ مزید اپنے اعلیٰ علمی تجربوں کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: حکومت کی طرف سے جو کچھ دیا جائے، اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ مگر سرکاری ملازم لوگوں کا کام کرکے ان سے جو "تحفہ" وصول کرے وہ رشوت ہی کی ایک صورت ہے۔ ہاں! اس کے دوست احباب یا عزیز و اقارب تحفہ دیں تو وہ واقعی تحفہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ گورنمنٹ یا انتظامیہ اپنے ملازمین کو جو کچھ دیتی ہے، خواہ تنخواہ ہو، بونس ہو، یا انعام ہو، وہ سب جائز ہے۔

فیکٹری کے مزدوروں سے مکان کا نمبر خریدنا

سوال: ہم ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں، فیکٹری کے قانون کے مطابق سب لوگوں کو نمبروار رہائشی مکان ملتے ہیں، لیکن بہت سے ضرورت مند جس کا نمبر آجاتا ہے اسے پیسے دے کر اس کا نمبر خرید لیتے ہیں اور مکان الاٹ ہو جاتا ہے، آیا یہ جائز ہے؟

جواب: کسی شخص کا نمبر نکل آنا ایسی چیز نہیں کہ اس کی خرید و فروخت ہو سکے، اس لئے پیسے دے کر نمبر خریدنا جائز نہیں، اور جس شخص نے پیسے لے کر اپنا نمبر دے دیا اس کے لئے وہ پیسے حلال نہیں ہوں گے، بلکہ ان کا حکم رشوت کی رقم کا ہو گا۔

امانت کی رقم اگر چوری ہو جائے تو شرعی حکم

سوال: ایک شخص جب بیرونِ ملک سے اپنے وطن جانے لگا تو اپنے دوست کے پاس کچھ رقم رکھ دی کہ جب پھر آئے گا تو رقم لے لے گا۔ دوبارہ وہ بیرونِ ملک نہ جا سکا اور دوست کی کئی بار یاددہانی کے باوجود اس شخص نے رقم نہیں منگائی۔ دریں اثنا اس کے دوست کا بریف کیس جس میں اس شخص کی رقم رکھی تھی، چوری ہو گیا۔ آپ بتائیں کیا ان حالات میں اس کے دوست پر پوری رقم واجب الادا ہے؟

جواب: امانت کی رقم اگر اس نے بعینہٖ محفوظ رکھی تھی اور اس کی حفاظت میں غفلت نہیں کی تھی تو اس کے ذمہ اس رقم کا ادا کرنا لازم نہیں۔ لیکن اگر اس نے امانت کی رقم بعینہٖ محفوظ نہیں رکھی بلکہ اسے خرچ کر لیا، یا اپنی رقم میں اس طرح ملا لیا کہ دونوں کے درمیان امتیاز نہ رہا، یا اس کی حفاظت میں غفلت کی تو ادا کرنا لازم ہے۔

امانت کی رقم کی گمشدگی کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال: ایک تقریب میں زید نے بکر کے پاس ایک چیز رکھوائی کہ تقریب کے خاتمے پر لے لے گا، مگر بکر سے وہ کھو گئی، کیا زید، بکر سے اس چیز کی آدھی یا پوری قیمت لینے کا حق دار ہے؟

جواب: جس شخص کے پاس امانت کی چیز رکھی ہو اگر وہ اس کی بے پروائی کی وجہ سے گم نہیں ہوئی تو اس سے قیمت وصول نہیں کی جا سکتی۔

کسی سے چیز عاریتاً لے کر واپس نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے

سوال: ہمارے قریب ایک آدمی ہے، وہ جس کسی کی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس سے دیکھنے کے لئے لیتا ہے، پھر واپس نہیں کرتا۔ کیا یہ اس کے لئے جائز ہے؟

جواب: جو چیز کسی سے مانگ کر لی جائے وہ لینے والے کے پاس امانت ہوتی ہے، اس کو واپس نہ کرنا امانت میں خیانت ہے، اور خیانت گناہِ کبیرہ ہے۔

جو آدمی امانت سے انکار کرتا ہو اس پر حلف لازم ہے

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی تھی، وہ شخص امانت کے وجود سے انکار کرتا ہے، حلف لینے سے بھی انکاری ہے، کلامِ پاک کا حلف ناجائز کہتا ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

جواب: جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی، اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو شرعاً اس کے ذمہ حلف لازم ہے، پس یا تو وہ مدعی کی چیز اس کے حوالے کردے، یا حلف اُٹھائے، اور جن مسلمانوں کو اس کی خبر ہو انہیں بھی مظلوم کی مدد کرنی چاہئے، ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

امانت کی رقم اگر چوری ہو جائے تو شرعی حکم

سوال: ایک شخص جب بیرونِ ملک سے اپنے وطن جانے لگا تو اپنے دوست کے پاس کچھ رقم رکھ دی کہ جب پھر آئے گا تو رقم لے لے گا۔ دوبارہ وہ بیرونِ ملک نہ جاسکا اور دوست کی کئی بار یاد دہانی کے باوجود اس شخص نے رقم نہیں منگائی۔ دریں اثنا اس کے دوست کا بریف کیس جس میں اس شخص کی رقم رکھی تھی، چوری ہوگیا۔ آپ بتائیں کیا ان حالات میں اس کے دوست پر پوری رقم واجب الادا ہے؟

جواب: امانت کی رقم اگر اس نے بعینہٖ محفوظ رکھی تھی اور اس کی حفاظت میں غفلت نہیں کی تھی تو اس کے ذمہ اس رقم کا ادا کرنا لازم نہیں۔ لیکن اگر اس نے امانت کی رقم بعینہٖ محفوظ نہیں رکھی بلکہ اسے خرچ کرلیا، یا اپنی رقم میں اس طرح ملالیا کہ دونوں کے درمیان امتیاز نہ رہا، یا اس کی حفاظت میں غفلت کی تو ادا کرنا لازم ہے۔

امانت کی رقم کی گمشدگی کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال: ایک تقریب میں زید نے بکر کے پاس ایک چیز رکھوائی کہ تقریب کے خاتمے پر لے لے گا، مگر بکر سے وہ کھوگئی، کیا زید، بکر سے اس چیز کی آدھی یا پوری قیمت لینے کا حق دار ہے؟

جواب: جس شخص کے پاس امانت کی چیز رکھی ہو اگر وہ اس کی بے پروائی کی وجہ سے گم نہیں ہوئی تو اس سے قیمت وصول نہیں کی جاسکتی۔

کسی سے چیز عاریتاً لے کر واپس نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے

سوال: ہمارے قریب ایک آدمی ہے، وہ جس کسی کی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس سے دیکھنے کے لئے لیتا ہے، پھر واپس نہیں کرتا۔ کیا یہ اس کے لئے جائز ہے؟

جواب: جو چیز کسی سے مانگ کر لی جائے وہ لینے والے کے پاس امانت ہوتی ہے، اس کو واپس نہ کرنا امانت میں خیانت ہے، اور خیانت گناہِ کبیرہ ہے۔

جو آدمی امانت سے انکار کرتا ہو اس پر حلف لازم ہے

سوال: سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی تھی، وہ شخص امانت کے وجود سے انکار کرتا ہے، حلف لینے سے بھی انکاری ہے، کلامِ پاک کا حلف ناجائز کہتا ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

جواب: جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی، اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو شرعاً اس کے ذمہ حلف لازم ہے، پس یا تو وہ مدعی کی چیز اس کے حوالے کر دے، یا حلف اُٹھائے، اور جن مسلمانوں کو اس کی خبر ہو انہیں بھی مظلوم کی مدد کرنی چاہئے، ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

مانگے کی چیز کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کو کوئی چیز کچھ عرصے کے لئے (مدّت مقرّر نہیں ہے) مستعار دی جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد (چیز کی واپسی نہ ہونے کی صورت میں) دونوں فریقین کی مرضی سے اس چیز کا کچھ ماہانہ معاوضہ مقرّر کر لیا جائے، بعد میں معاوضہ بھی وصول نہ ہو اور آخر کار ایک طویل عرصہ بعد تنگ آکر مستعار دینے والا شخص چیز سے مکمل طور پر اپنی دستبرداری کا اعلان کر دے، (یاد رہے کہ یہ اعلان ہر طرف سے مایوسی کے بعد ہو، جبکہ نہ تو چیز کی واپسی کی اُمید ہو اور نہ ہی معاوضہ وصول ہونے کی) اس صورت میں ماہانہ معاوضہ کی رقم قرض میں شمار کی جائے گی (دستبرداری کے اعلان کے وقت تک کی رقم) یا اس کے حصول سے مایوس ہو جانا چاہئے؟ دُوسری بات یہ کہ ماہانہ معاوضہ اس وقت سے شمار کیا جائے جس وقت چیز مستعار دی گئی تھی یا اس وقت سے جب معاوضہ طے کیا گیا۔

جواب: کسی سے جو چیز مانگ کر لی جائے اس کا واپس کرنا واجب ہے، اور جو شخص اس کی واپسی میں لیت و لعل کرے وہ خائن اور غاصب ہے، اس کے لئے اس چیز کا استعمال حرام ہے۔

۲ …: فریقین کی رضامندی سے اگر اس کا کچھ معاوضہ طے ہو جائے تو یہ بیع ہو گی اور طے شدہ شرط کے مطابق اس کا ادا کرنا لازم ہو گا۔

۳ …: معاوضہ کی جتنی قسطیں ادا ہو گئیں وہ تو چیز کے اصل مالک کے لئے حلال ہیں۔ اور دستبرداری کے اعلان کا مطلب اگر یہ تھا کہ بقیہ قسطیں معاف کر دی گئیں، تو معاف ہو گئیں، ورنہ اس کے ذمہ واجب الادا ہوں گی۔

۴ …: جتنا معاوضہ فریقین کی رضامندی سے طے ہو، صحیح ہے، اس لئے سوال کا یہ حصہ مبہم ہے کہ "ماہانہ معاوضہ اس وقت سے شمار کیا جائے"۔

افیون کا کاروبار کیسا ہے؟

سوال: عرض یہ ہے کہ میرا ایک دوست جو کہ پشاور کا رہنے والا ہے، وہ کہتا ہے کہ پشاور میں افیون کا کاروبار عام ہے، اور وہاں کے مولوی صاحبان بھی کہتے ہیں کہ افیون حرام نہیں ہے، اور وہاں بہت سے لوگ افیون کا کاروبار کرتے ہیں۔ آپ براہِ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا افیون حرام ہے یا نہیں؟ اور اگر حرام ہے تو اس کو دوا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج… افیون کا استعمال دوا میں جائز ہے، اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اسی مقصد کے لئے ہو، مثلاً: اگر کسی خاص آدمی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ اس سے ہیروئن بناتا ہے تو پھر اس کو نہیں فروخت کرنا چاہئے۔

ویزے کے بدلے زمین رہن رکھنا

سوال 1: زید اور بکر کے درمیان اسٹامپ پر یوں معاہدہ ہوا کہ زید، بکر کے بیٹے کو دُبئی میں نوکری کے لئے ایک ویزا دُبئی سے خرید کر بکر کو دیں گے، اور ایک قطعہ زمین ویزے کی قیمت کے بدلے میں زید کو دی اور اس کا غلہ مقرّرہ مقدار زید کو دیتا ہے۔ زید نے بکر کے بیٹے کو ویزا بھی دیا اور نوکری کا انتظام بھی کر دیا، لیکن اب تک زمین میں بکر کا کسان کام کرتا ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ مقرّرہ مقدار زید کو دیتا ہے۔ اسٹامپ مذکور میں ہے کہ دو سال کے بعد ویزے کی قیمت ادا کر کے بکر، زید سے دستبردار ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں غلہ یا چاول زید کو لینا جائز ہو گا یا نہیں؟ سود ہونے کا کوئی اندیشہ تو نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

سوال 2: مذکورہ بالا صورت میں زید نے اپنی جیب سے چھ ہزار درہم سے ویزا خریدا اور بکر نے اس قیمت کو دو سال میں ادا کرنے کا جو عہد کیا، وہ کس طرح جائز ہو گا؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب 1: پہلی صورت رہن کی ہے، یعنی ویزے کے بدلے زید کے پاس دو سال کے لئے زمین رہن رکھی گئی، رہن کی زمین کا منافع قرض کے بدلے وصول کرنا سود ہے، پس زید کے لئے اس زمین کا منافع حلال نہیں۔

جواب 2: جتنی قیمت زید نے ویزے کی ادا کی ہے، اتنی قیمت مقرّرہ تاریخ کو ادا کر دی جائے، اگر زید قیمت کے بدلے غلہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اور غلے کی مقدار جو بھی فریقین کے درمیان طے ہو جائے صحیح ہے۔

اُجرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال: ہمارے معاشرے میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ غیروں کی اندھی تقلید میں ہر اس نئی چیز کو اپنانے سے پہلے اسے اپنے دِینی اُصولوں کی کسوٹی پر پَرکھنا بھول جاتا ہے۔ جسے ہمارے معاشرے ہی کی خراب ذہنیت "فیشن" کا خوبصورت لبادہ پہنا کر ہمیں غلط راستوں پر چلانے کے لئے پیش کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے اندر اچھائی اور بُرائی میں تمیز کرنے کا شعور ختم ہوتا جارہا ہے، اور بُرائیاں اب اچھائیاں بن کر سامنے آنے لگی ہیں۔ لیکن ہمارے اندر اپنے دِینی اُصولوں کے احترام اور ان پر سختی سے عمل کرنے کا جذبہ موجود ہو تو اس احتسابی عمل کی بدولت ہم آج بھی بہت سی بُرائیوں اور فضول لتوں سے بچے رہ سکتے ہیں۔

"ٹپ"، "بخشش" یا "اُوپر کی آمدنی" بھی ایک وبائی اور فضول لت ہے، جس کا مطلب کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقرّرہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دینا ہے۔ اب تک تو اسے فضول خرچی اور معیوب سمجھا جاتا تھا، مگر اب بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اسے رسم کا نام دے کر معاشرے میں اس کے باعزّت نفاذ کی کوششیں کی جانے لگی ہیں۔ کچھ لوگوں کی نظر میں یہ معاشرتی شان اُونچی کرنے کا جواز ہو، مگر ایسے لوگوں کی تعداد بھی یقیناً کم نہ ہوگی جو اسے پہلے ہی سے بگڑے ہوئے معاشرے کو مزید بگاڑنے کا سبب قرار دیں گے۔ ہوٹل کی "ٹپ"، سرکاری دفاتر میں رُکے ہوئے کام کرانے کا "نذرانہ"، "انعام" یا "رشوت"، کسی بڑے آدمی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تحفے تحائف کے تبادلے، رکشا، ٹیکسی والوں کے علاوہ خوانچہ فروشوں سمیت مختلف شعبوں میں اپنی طے شدہ اُجرت سے زائد پیسے وصول کرنے کے رواج کو کسی شک و شبہ کی گنجائش کے بغیر بُرائیوں اور گناہوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ دِینی ہدایات کو فراموش کرتے ہوئے آج خود مسلمان اسے اپنا حق اور معاشرتی ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔ دراصل ان بُرائیوں کے محرک وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دِلوں میں "اُوپر کی آمدنی" کا تصوّر پختہ گھر بنالیتا ہے، اور ان کی حوصلہ افزائی وہ لوگ کرتے ہیں جن کے ہاں ناجائز دولت کی ریل پیل ہوتی ہے، وہ ناجائز کماتے ہیں اور ناجائز دے دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی حرکتوں سے ایک تو غرباء افلاس کی چکی میں بُری طرح پس جاتے ہیں اور دُوسرے معاشرے کی تباہی کا سامان الگ پیدا ہوتا ہے۔

جواب: کسی شخص کو اس کے مقرّرہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا تو شرعاً جائز بلکہ مستحب ہے، لیکن یہاں چند چیزیں قابلِ لحاظ ہیں:

۱ …: لینے والوں کو اپنے مقرّرہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہئے۔

۲ …: اگر کوئی شخص انعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے، نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔

۳ …: جو چیز حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتی ہے، مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے، اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں۔ اس لئے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ صرف پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں، ان کو دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائقِ ترک ہو جائے گا۔

بنجر زمین کی ملکیت

سوال: سنا ہے بنجر زمین جس آدمی نے آباد کی ہو، وہ اس کے لئے حلال ہے، کاغذاتِ مال میں ملکیت کا کوئی وزن نہیں ہے۔

جواب: یہ مسئلہ اس بنجر زمین کا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اور اس کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے، جس بنجر زمین کے مالک موجود ہوں اس کا ہتھیا لینا جائز نہیں۔

مزدوروں کا بونس، مالک خوشی سے دے تو جائز ہے

سوال: مزدوروں کو بونس لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مالک خوشی سے دے تو جائز ہے۔

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: ایک باپ اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے، یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی، تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہئے؟ کیونکہ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھا سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہوگا یا صرف باپ ہی کو ہوگا؟ اس بارے میں قرآن و سنت کے مطابق تفصیل سے بیان فرمائیے۔

جواب: بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہگار ہوں گے، لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہئے، البتہ والدین کی خدمت و اکرام میں کوئی کمی نہ کریں، اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو اس کو بھی پورا کیا کریں۔

کھلے پیسے ہوتے ہوئے کہنا: "نہیں ہیں"

سوال: میں دُکان دار ہوں، لوگ کھلے پیسے لینے آتے ہیں، ذاتی ضرورت کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ: "نہیں ہیں" کیا یہ جھوٹ میں شمار تو نہ ہو گا؟ تو کیا کہنا چاہئے؟

جواب: جھوٹ نہ بولا جائے، کسی مناسب تدبیر سے عذر کر دیا جائے۔

سفر میں گاہکوں کے لئے گراں فروش ہوٹل سے ڈرائیور کا مفت کھانا

سوال: کراچی، حیدرآباد اور بعض دیگر مقامات پر بس والے ہوٹلوں پر بسیں روکتے ہیں اور مسافر ان ہوٹلوں پر کھانا کھاتے، مشروبات پیتے ہیں، اور عام ریٹ سے ہوٹل والے زیادہ رقم لیتے ہیں، جبکہ ڈرائیور، بس کا عملہ یا ان کا مہمان بھی کھانے میں شریک ہوتا ہے، اور ان سے رقم نہیں لی جاتی، تو آیا یہ کھانا ڈرائیور اور دیگر عملے کے لئے حلال ہے یا حرام؟

جواب: اگر ہوٹل والے ڈرائیور اور اس کے مہمان کو بوجہ واقفیت اور دوستی اور احسان کے بدلے کے طور پر مفت کھانا کھلاتے ہیں تو جائز ہو گا، اگر اس لئے کھلاتے ہیں کہ وہ گاڑی وہاں کھڑی کریں تاکہ وہ گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول کریں تو جائز نہیں۔

ایک ملک کی کرنسی سے دُوسرے ملک کی کرنسی تبدیل کرنا

سوال: بعض مرتبہ ہم لوگ ایک ملک کی کرنسی (ڈالر یا ریال) لیتے ہیں اور اس کے بدل میں دُوسرے ملک کی کرنسی (روپے) وغیرہ دیتے ہیں، تو کیا اس میں بھی اسی وقت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جائز کی کیا صورت ہو گی؟

جواب: اس میں معاملہ نقد کرنا ضروری ہے۔

محصول چنگی نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: محصول چنگی لینا دینا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص مال چھپا کر لے گیا تو اس کے لئے وہ مال کیسا ہے؟ اور کیا چنگی ٹھیکے دار کو اس کی شکایت لگانا چاہئے؟

جواب: محصول چنگی شرعاً جائز نہیں، اگر مال و آبرو کا خطرہ نہ ہو تو نہ دی جائے۔

شاپ ایکٹ کی شرعی حیثیت اور جمعۃ المبارک کے دن دُکان کھولنا

سوال: عرض یہ ہے کہ اسلامی مسائل کے بارے میں آپ کے کالم میں برابر پڑھتا ہوں، اور آج مجھے بھی ایک مسئلہ درپیش ہے۔ میں نے کئی علماء سے سنا ہے کہ ”جمعۃ المبارک کے دن مسلمانو! تم پاک صاف ہو کر مسجد میں جاؤ اور نماز ادا کرو، اور نماز کے بعد تم زمین پر رزق کی تلاش میں پھیل جاؤ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ تجارت اچھا پیشہ ہے اور اپنے پیشے میں امانت اور دیانت سے محنت کرو اور رزق کماؤ۔“ اب مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں ایک قانون ہے، جسے شاپ ایکٹ کا قانون کہتے ہیں، اس قانون کے تحت رات ۸ بجے کے بعد دُکان کھولنا یا زیادہ محنت کرنا یا جمعۃ المبارک کے دن (نمازِ جمعہ سے پہلے یا نمازِ جمعہ کے بعد) دُکان کھولنا جرم ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ کیا اسلام میں رات ۸ بجے کے بعد دُکان کھولنا یا زیادہ محنت کرنا یا جمعۃ المبارک کے دن (علاوہ نمازِ جمعہ کے) دُکان کھولنا جائز ہے یا جرم ہے؟

شاپ ایکٹ کے ایک صاحب مجھے سال بھر سے اس سلسلے میں پریشان کر رہے ہیں اور میرے اُوپر جرمانے کرتے ہیں۔ آپ کو اس مسئلے کو آسانی سے سمجھنے کے لئے میں یہ وضاحت کردُوں کہ ہماری دُکان محلے میں ہے، ہم اسی پلاٹ میں رہتے بھی ہیں، ہماری دُکان میں کوئی ملازم نہیں ہے۔ ہم دو بھائی مل کر دُکان کرتے ہیں، ساتھ ہی تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ میں ”بی کام“ کا طالب علم ہوں اور ہمارا ذریعہ معاش بھی یہی دُکان ہے، والد صاحب اور والدہ صاحبہ فوت ہوچکے ہیں۔ ہم سب چھوٹے بھائی بہن ساتھ ہی رہتے ہیں، ان حالات کی بنا پر کبھی دُکان دیر تک کھلی رکھنی پڑتی ہے اور کبھی جمعۃ المبارک کو کھولنے کی نوبت آجاتی ہے۔ دُوسرے محلے میں دُکان داری بھی چھٹی کے دنوں یا رات ۹ یا ۱۰ بجے تک ہوتی ہے۔ ابھی ۲۱ / دسمبر کو جمعہ کے دن محرّم کا چاند ختم ہونے کی وجہ سے میں دُکان کی صفائی کر رہا تھا کہ پھر شاپ ایکٹ والے صاحب آگئے اور دُکان کھولنے پر میرا چالان کردیا۔ جبکہ میں نے انہیں بتایا کہ میں صفائی کر رہا ہوں، لیکن وہ نہیں مانے۔ لہٰذا میں مجبور ہو کر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ اس مسئلے کی وضاحت کریں کہ شاپ ایکٹ کا قانون، اسلامی نظریے سے صحیح ہے یا غلط؟

جواب: نمازِ جمعہ کی اَذان سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک خرید و فروخت جائز نہیں۔ اس کے علاوہ دُکان کھولنے میں شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم میں صاف ارشاد ہے کہ جب نماز ادا ہوچکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرو۔ رہا وہ قانون جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، تو ہمارے ملک میں جہاں اور بے شمار قوانین غیر اسلامی ہیں، انہیں میں اس کو بھی شامل سمجھئے۔

رکشا، ٹیکسی والے کا میٹر سے زائد پیسے لینا

سوال: کیا رکشا و ٹیکسی والوں کے لئے جائز ہے کہ میٹر جو کرایہ بتاتے ہیں مثلاً ۲۰/ ۴، ۸۰/ ۸، یا ۴۰/ ۱۳ روپے وغیرہ، مگر ان کو: ۵، ۱۰ یا ۱۵ روپے دے دو تو وہ سب جیب میں ڈال لیتے ہیں اور بقایا واپس نہیں کرتے۔ کیا ان زائد پیسوں کو صدقہ، خیرات یا زکوٰۃ سمجھ کر چھوڑ دینا چاہئے؟ مہربانی فرما کر جواب شائع فرمائیں تاکہ وہ لوگ جو ناجائز لینا یا دینا گناہ سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ گناہ کر رہے ہیں یا نہیں؟

جواب: اصل اُجرت تو اتنی ہی بنتی ہے جتنی میٹر بتائے، زائد پیسے کرایہ دار واپس لے سکتا ہے، لیکن اس معاملے میں لوگ زیادہ کد و کاوش نہیں کرتے، اگر روپے سے اُوپر کچھ پیسے ہو جائیں تو پورا روپیہ ہی دے دیتے ہیں۔ پس اگر کوئی خوشی سے چھوڑ دے تو رکشا، ٹیکسی والوں کے لئے حلال ہے، اور اگر کوئی مطالبہ کرے تو واپس کرنا ضروری ہے۔

سوال: بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ رکشا والا میٹر سے زیادہ پیسے مانگتا ہے، کیا میٹر سے زیادہ پیسے اس کے لئے حلال ہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ رکشا، ٹیکسی والے نے سفر شروع کرنے سے پہلے ہی وضاحت کر دی ہو کہ وہ اتنے پیسے میٹر سے زیادہ لے گا، یہ تو اس کے لئے حلال ہیں، اور سواری کو اختیار ہے کہ ان زائد پیسوں کو قبول کرے یا اس کے ساتھ نہ جائے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ منزل پر پہنچنے کے بعد زائد پیسے مانگے، یہ جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں گویا معاہدہ میٹر پر چلنے کا تھا، معاہدے کے خلاف کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔

اسمگلنگ کرنے والے کو کپڑا فروخت کرنا

سوال: اگر کوئی اسمگلنگ کرنے کے لئے کپڑا خریدنا چاہے تو دُکان دار کو وہ کپڑا فروخت کرنا چاہئے کہ نہیں؟ اگر فروخت کر دیا تو اس سے ملنے والی رقم حلال ہے یا حرام؟

جواب: اسمگلنگ قانوناً منع ہے، اگر دُکان دار کو معلوم ہو کہ یہ اس کپڑے کی اسمگلنگ کرے گا تو اس کو نہیں دینا چاہئے، تاہم اگر دے دیا تو منافع شرعاً حلال ہے۔

اِنعام کی رقم کیسے دیں؟

ا

سوال: کارخانے میں کاریگروں کو ہر نصف ماہ کے بعد کارخانے کے مال کی پیداوار بطورِ انعام حصہ رسدی نقد رقم دی جاتی ہے، کچھ کاریگر صاحبان کام چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے اِنعام کی رقم بہت عرصے سے لینے نہیں آئے، نہ ان کا کوئی پتا ہے، وہ نقد رقم امانتاً موجود ہے، اس کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: اِنعام وہ کہلاتا ہے جس کے نہ ملنے پر شکایت نہ ہو، اور نہ وہ حقِ واجب کی حیثیت رکھتا ہو۔ کارکنوں کو جو اِنعام کی رقم دی جاتی ہے اگر اس کی یہی حیثیت ہے تو جن صاحبان کو رقم نہیں دی گئی ان کے حصے کی رقم کارخانے والوں کی ہے، وہ جو چاہیں کریں۔ اور اگر اس کا نام "اِنعام" بس یونہی رکھ دیا گیا ہے، ورنہ وہ دراصل حقِ واجب کی حیثیت رکھتا ہے، تب بھی جو ملازم کارخانہ چھوڑ کر چلے گئے وہ اس کے مستحق نہیں، کیونکہ اس اِنعام کے لئے تاریخ مقرّر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس تاریخ کو ملازم ہوں گے وہ اِنعام کے مستحق ہوں گے۔ اس لئے جن کارکنوں نے اس مقرّرہ تاریخ سے پہلے کارخانہ چھوڑ دیا ان کا استحقاق ختم ہوگیا۔ البتہ اگر ملازم نے خود کارخانہ نہ چھوڑا ہو بلکہ کارخانہ دار نے اس کو نکال دیا ہو تو وہ اس اِنعام کا مستحق ہے، اور کارخانہ دار کا فرض ہے کہ ملازم کو سبکدوش کرتے ہوئے اس کے حصے کا یہ اِنعام بھی دے۔

کسی مشتبہ شخص کو ہتھیار فروخت کرنا

سوال: جو شخص گناہ کی نیت سے مال خریدنا چاہے، مثلاً: اسمگلنگ کے لئے کپڑا وغیرہ، یا کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی ہتھیار خریدنا چاہے تو دُکان دار کو ایسی اشیاء فروخت کرنے پر جو منافع ہوگا وہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی ایسے شخص کو ہتھیار دینا جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہ کسی کو ناحق قتل کرے گا، یہ تو جائز نہیں، بیچنے والا بھی گنہگار ہوگا، لیکن بیع صحیح ہے۔

دھمکیوں کے ذریعے صنعت کاروں سے زیادہ مراعات لینا

سوال: آج کل ٹریڈ یونینوں کا زمانہ ہے، اور ملازمین (بڑے اداروں کے) اپنے جائز اور ناجائز مطالبات بلیک میل کرکے منوالیتے ہیں۔ اگر صنعت کار، تاجر وغیرہ ان کے مطالبات نہ مانیں تو ان کا کاروبار بند ہوجاتا ہے۔ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر سے یہ بتائیں کہ بلیک میلنگ اور دھمکیوں سے بے شمار مراعات حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا وہ حرام کے زُمرے میں نہیں آتیں؟

جواب: ناجائز خواہ مزدوروں کی طرف سے ہو یا مالکان کی طرف سے، وہ تو ناجائز ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ ہم میں نہ تو محاسبۂ آخرت کی فکر باقی رہی ہے، نہ حلال و حرام کا امتیاز۔ مزدور چاہتا ہے کہ اسے محنت نہ کرنی پڑے مگر اُجرت اسے دُگنی چوگنی ملنی چاہئے۔

کارخانہ دار یہ چاہتا ہے کہ مزدور کام کرتا رہے مگر اسے اُجرت نہ دینی پڑے۔ جس طرح کارخانہ دار کی طرف سے مزدور کی محنت کا معاوضہ ادا نہ کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر مزدور ٹھیک کام نہیں کرتا یا زبردستی ناجائز مراعات حاصل کرتا ہے تو اس کی روزی بھی حرام ہے، اور قیامت کے دن اس کا محاسبہ بھی ہوگا کہ تم نے فلاں شخص کا کتنا کام کیا اور اس سے کتنی اُجرت وصول کی؟

کاروبار کے لئے ملک سے باہر جانا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: اگر کسی مسلمان کا ملک میں جائیداد یا گزر بسر کے لئے دو تین لاکھ روپے بینک بیلنس ہو اور وہ مزید پیسے کے لالچ میں اپنے ملک، خاندان اور بیوی بچوں سے دُور رہ کر نوکری کرے تو معلوم کرنا ہے کہ شریعت میں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ بھی بتاؤں کہ ہم لوگ سال کے بعد ڈیڑھ مہینے کی چھٹی پر ملک آسکتے ہیں۔؟

جواب: آپ کی تحریر میں دو مسئلے غور طلب ہیں:

اوّل:... یہ کہ جس شخص کے پاس اپنی گزر بسر کے بقدر ذریعۂ معاش موجود ہو کیا اس کو اسی پر قناعت کرنی چاہئے یا طلبِ مزید میں مشغول ہونا چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حلال ذریعہ سے طلبِ مزید میں مشغول ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ فرائضِ شرعیہ سے غفلت نہ ہو، لیکن اگر قناعت کرے اور اپنے اوقات کو طلبِ مزید کے بجائے آخرت کے بنانے میں صرف کرے تو افضل ہے۔

دوم:... یہ کہ کیا طلبِ مزید کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر باہر ملک جانا دُرست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے، ماں باپ، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا اس کے ذمہ ہے، اگر وہ اپنا حق معاف کرکے جانے کی اجازت دے دیں تو دُرست ہے، ورنہ نہیں۔ اور اجازت و رضامندی بھی صرف زبان سے نہیں بلکہ واقعی اجازت ضروری ہے۔ میرے علم میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ لوگ جوان نوبیاہتا بیویوں کو چھوڑ کر پردیس چلے گئے، پیچھے بیویاں گناہ میں مبتلا ہوگئیں۔ خود ہی فرمائیے! کہ اس ظلم و ستم کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اگر نوعمر بیویوں کو چھوڑ کر انہیں باہر بھاگنا تھا تو اس غریب کو کیوں قید کیا تھا؟

اساتذہ کا زبردستی چیزیں فروخت کرنا

سوال: "الف" ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہے، ہر سال شروع ہونے پر اپنے اسکول میں طالب علموں کو ڈرائنگ اور خوشخطی کی کتابیں جبراً اور لازمی فروخت کرتا ہے، جبکہ محکمۂ تعلیم کی جانب سے وہ ایسا نہیں کرسکتا، اور اس کا کمیشن اپنے اساتذہ میں برابر برابر تقسیم کردیتا ہے، اور اس پر دلیل یہ دیتا ہے کہ یہ تو کاروباری نفع ہے۔ کیا وہ صحیح کہتا ہے؟

جواب: اگر کوئی طالب علم اس سے اپنی خوشی سے خریدے تب تو ٹھیک ہے، مگر زبردستی ناجائز ہے۔

آیاتِ قرآنی واسمائے مقدسہ والے لفافے میں سودا دینا

سوال: آج کل دُکان دار اپنا سودا سلف ایسے لفافوں اور کاغذوں میں ڈال کر دیتے ہیں جن پر آیاتِ قرآنی اور اسمائے مقدسہ درج ہوتے ہیں، ان کے لئے شریعت کی رُو سے کیا حکم ہے؟ کیا ان کی روزی حلال ہے؟

جاب: اس سے روزی تو حرام نہیں ہوتی، مگر ایسا کرنا گناہ ہے۔

کرفیو یا ہڑتال میں اسکول بند ہونے کے باوجود پوری تنخواہ لینا

سوال: کراچی میں آئے دن کرفیو اور ہڑتال کی وجہ سے اسکول بند ہو جاتے ہیں، میں ایک پرائیویٹ اسکول کی معلمہ ہوں، اسکول بند ہونے کے باوجود مجھے تنخواہ پوری مل جاتی ہے۔ آپ سے پوچھنا ہے کہ یہ پیسہ جائز ہے؟ جبکہ اس کے علاوہ میرا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔

جواب: اس میں کوتاہی آپ کی طرف سے نہیں، اس لئے آپ کی تنخواہ حلال ہے۔

کتابوں کے حقوق محفوظ کرنا

سوال: آج کل عام طور پر کتابوں کے مصنّفین اپنی کتابوں کے حقوق محفوظ کراتے ہیں، کیا اس طرح سے حقوق محفوظ کرانا شرعی طور پر صحیح ہے؟ جبکہ حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دِین نے اپنی کتابوں کے حقوق محفوظ نہیں کرائے۔

جواب: ہمارے اکابر حقِ طبع محفوظ کرانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

سوزوکی والے کا چھٹیوں کے دنوں کا کرایہ لینا

سوال: ہمارے دوست کی سوزوکی وین ہے، بچوں کو اسکول لے جاتے ہیں اور لاتے ہیں، ہر مہینے کرایہ لیتے ہیں، اب اسکول میں دو ماہ کی چھٹیاں ہو رہی ہیں، ان دو ماہ کا کرایہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: اگر اسکول والے بخوشی تعطیل کے زمانے کا کرایہ بھی دیں تو جائز ہے۔

مدرسہ کی وقف شدہ زمین کی پیداوار کھانا جائز نہیں

سوال: ہمارے شہر کرنال (انڈیا) میں ایک آدمی جو لاوارث تھا، اس نے اپنی زمین مدرسہ عربیہ میں دے دی تھی، اور وہ آدمی (انڈیا میں) فوت ہو گیا تھا۔ وہ مدرسہ پاکستان میں بھی ابھی تک چلتا آرہا ہے، اب جو آدمی جگہ دے گیا تھا اس کی اولاد میں سے تقریباً

۱

۸ ویں پشت سے ایک آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ ہمارے دادا نے اس مدرسہ کے لئے جگہ دی تھی، یہ مدرسہ ہمارا ہے، اس کے اندر کسی کا حق نہیں۔ وہ آدمی جبراً اس مدرسہ کی آمدنی کھا رہا ہے، بہانہ یہ بنایا ہوا ہے کہ مدرسہ میں، میں پڑھاتا ہوں، لیکن مدرسہ میں وہ ہفتے میں ایک یا دو دن حاضر رہتا ہے، بچے ایک دُوسرے کا سبق سنتے ہیں۔ ایک تو وہ شہر والوں کے ساتھ جھگڑتا ہے، دُوسرے بچوں کی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ آیا وہ آدمی جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے دادا کا مدرسہ ہے، اس میں کسی کا حق نہیں، کیا یہ دُرست ہے؟ کیونکہ ہمارے شہر کے قریب کوئی ایسا بڑا مدرسہ نہیں ہے کہ جہاں بچے جاکر تعلیم حاصل کریں، اور جو رقبہ اس آدمی نے دیا تھا، تقریباً ۵۰ ایکڑ رقبہ ہے، اگر شہر والے مل کر اس کو مدرسے سے نکال دیں تو کیا شرعاً کوئی ممانعت تو نہیں؟

جواب: اس شخص کا مدرسہ پر کوئی حق نہیں، شہر والوں کو چاہئے کہ اس کو نکال دیں اور مدرسہ کا انتظام کسی معتبر آدمی کے ہاتھ میں دیں۔ اس شخص کا مدرسہ کی وقف زمین کی پیداوار کھانا بھی جائز نہیں۔

زبردستی مکان لکھوالینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: میرے دوست نے اپنی اہلیہ کو بعض غیرشرعی ناپسندیدہ حرکتوں پر مسلسل تنبیہ کی، لیکن اس کی اہلیہ نے ان حرکات کو ترک کرنے کے بجائے شوہر کے ساتھ نفرت و حقارت اور خصومت کا رویہ اختیار کیا اور ان حرکتوں پر اصرار کرتی رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد ہمارے دوست نے اپنی اہلیہ کو ایک طلاق دے دی۔ اس پر ان کی اہلیہ اور اہلیہ کے رشتہ دار بے حد خفا ہوگئے اور ان کی اہلیہ نے مزید دو طلاقیں مانگ لیں، جو کہ ہمارے دوست نے دے دیں۔ پھر کسی بہانے سے ہمارے دوست کے سسرال والوں نے اپنے گھر بلالیا اور وہاں ان کے سسر صاحب اور سالے صاحب نے نہایت بے رحمی سے پٹائی کی، شدید پٹائی کے سبب ہمارے دوست حواس باختہ ہوگئے، پھر سالے صاحب نے اپنے ایک دوست کے پاس حبسِ بے جا میں ان کے گھر پر رکھوادیا، پھر صبح کو کورٹ میں لے جاکر زبردستی ڈرادھمکاکر اپنا مکان بچوں کے نام ہبہ کرنے کے کاغذات پر دستخط کروالئے۔ ہمارے دوست نے جو غیرمتوقع شدید پٹائی کے سبب ذہنی طور پر ماؤف ہوچکے تھے کاغذات پر دستخط کردیئے (بسبب خوف کے)۔

۱…: اگر شوہر شرعی طور پر مطمئن ہوکر بیوی کو طلاق دے دے تو سسر صاحب اور سالے صاحب کا بے دردی سے طلاق دینے پر مارنا پیٹنا شرعاً جائز ہے؟

جواب… شرعاً ناجائز اور ظلم ہے۔

۲ ...: کیا ایسا ہبہ شرعاً جائز ہے یا کہ ہمارے دوست شرعاً اپنا مکان واپس لینے کے حق دار ہیں؟

جواب: ...اگر یہ شخص حواس باختہ تھا تو ہبہ صحیح نہیں ہوا، اور جو کچھ کیا گیا یہ ہبہ نہیں بلکہ غصب ہے۔

اپنی شادی کے کپڑے بعد میں فروخت کر دینا

سوال: میں نے تقریباً دو سال پہلے شادی کے لئے ہاتھ کے کام والے کپڑے بنوائے تھے، ان میں سے کافی کپڑے ابھی تک بند پڑے ہیں، اگر میں کچھ سالوں بعد ان کو مارکیٹ کی قیمت پر بیچ دُوں تو یہ منافع میرے لئے جائز ہے؟ جبکہ ایسے کپڑوں کی قیمتیں دن بدن بڑھتی رہتی ہیں، اور کچھ سالوں بعد ان کو بیچنے سے یا اگر کسی باہر کے ملک بکواؤں جہاں ہاتھ کا کام بہت مہنگا ہے تو مجھے ان کپڑوں پر منافع ہوگا، یعنی جس قیمت پر میں نے ان کو بنوایا اس سے زیادہ قیمت مجھے مل سکے گی بیچنے میں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اسلام کی رُو سے کیا اس منافع سے میں زکوٰۃ وغیرہ ادا کرسکتی ہوں؟

ج... یہ منافع جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسکول کی چیزوں کی فروخت سے اُستاد کا کمیشن

سوال: ایک اسکول میں ایک ہیڈ ماسٹر صاحب اسکول میں فروخت ہونے والی اشیاء مثلاً: ڈرائنگ، شرح کی کتابیں، اسکول بیج، رپورٹ کارڈ وغیرہ سے جو کمیشن حاصل ہوتا ہے، خود نہیں لیتے بلکہ یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ میرا کمیشن دیگر اساتذہ میں بانٹ دیا جائے، کیا موصوف کا یہ کہنا صحیح ہے؟

جواب: موصوف کا یہ طرزِ عمل لائقِ رشک اور لائقِ تقلید ہے۔

بچی ہوئی سرکاری دواؤں کا کیا کریں؟

سوال: میرے خاوند ملازم پیشہ ہیں، جن کو محکمے کی طرف سے میڈیکل کی سہولت ہے، اور جو دوائیں ہمیں ملتی ہیں، وہ پیکنگ میں ہوتی ہیں، کچھ تو وقتی طور پر یعنی بیماری کے دوران کھائی جاتی ہیں، باقی بچ جاتی ہیں، جو کہ ہمارے پاس کافی جمع ہو جاتی ہیں۔ ان کا ہم کیا کریں؟ کیا کیمسٹ کو دے کر کوئی دُوسری اشیاء فنس یا ٹوتھ پاؤڈر وغیرہ لے سکتے ہیں، کیا یہ شرعاً جائز ہوگا؟ کیونکہ میں صوم و صلوٰۃ کی بہت پابند ہوں، بہت مشکور ہوں گی۔

جواب: محکمے کی طرف سے جو دوائیں ملتی ہیں ان کو آپ استعمال کر سکتی ہیں، مگر ان کو فروخت کرنے یا ان سے دُوسری اشیاء کا تبادلہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں، جو زائد ہوں وہ محکمے کو واپس کر دیا کیجئے۔ اور اگر ان کی واپسی ممکن نہ ہو تو ضرورت مند محتاجوں کو دے دیا کریں، یا کسی خیراتی شفاخانے میں بھجوا دیا کریں۔

فیکٹری لگانے کے لائسنس کی خرید و فروخت

سوال: کپڑا بنانے کی فیکٹری لگانے کے لئے حکومت سے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، حکومت ہر فیکٹری کو مشینوں کی تعداد کے لحاظ سے درآمدی لائسنس دیتی ہے، یہ لائسنس دھاگے کی درآمد کے لئے ہوتا ہے، چھوٹے فیکٹری مالکان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ خود دھاگہ درآمد کر سکیں۔ حکومت جو درآمدی لائسنس دیتی ہے ہم چھوٹے مالکان فیکٹری اس کو بازار میں فروخت کر دیتے ہیں، بڑے بڑے سرمایہ دار اس درآمدی پرمٹ پر دھاگہ درآمد کرتے ہیں، اور یہ دھاگہ بازار میں فروخت ہوتا ہے اور مختلف ہاتھوں میں ہوتا ہوا یہ دھاگہ ہماری فیکٹریوں میں آجاتا ہے اور اس سے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان درآمدی لائسنس کو فروخت کرنے سے جو روپیہ ہم کو ملتا ہے وہ حرام ہے یا حلال؟

جواب: درآمدی لائسنس مال نہیں ہے بلکہ ایک حق ہے، اس لئے اس کی فروخت مشتبہ ہے، اس سے احتراز و اجتناب بہتر ہے۔

بینک کے تعاون سے ریڈیو پر دِینی پروگرام پیش کرنا

سوال: ریڈیو سے ایک پروگرام "روشنی" کے عنوان سے نشر ہوتا ہے، جو زیادہ تر شاہ بلیغ الدین کی آواز میں ہوتا ہے، لیکن اس پروگرام کے بعد بتایا جاتا ہے کہ یہ پروگرام آپ کی خدمت میں فلاں بینک کے تعاون سے پیش کیا گیا ہے۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا سود کا کاروبار کرنے والے ادارے کے ذریعے ایسے پروگرام وغیرہ نشر کرنا ٹھیک ہیں؟ کیونکہ سود حرام ہے۔

جواب: حرام کا مال کسی نیک کام میں خرچ کرنا دُرست نہیں، بلکہ دُہرا گناہ ہے۔

امانت کی حفاظت پر معاوضہ لینا

سوال: میرے پاس لوگ پیسے جمع کراتے ہیں اور میں جمع کرتا ہوں، لینے دینے میں بھول بھی ہوتی ہے، اس کے علاوہ کافی بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے، اس پر اگر دو روپیہ فی سیکڑہ لیا جائے تو یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ برائے مہربانی مطلع فرماویں۔

جواب: لوگ آپ کے پاس بطور امانت کے رقمیں جمع کراتے ہیں، جتنی رقم جمع کرائیں اتنی ہی رقم واپس کرنا ضروری ہے، بھول چوک اور ادائیگی میں نزاع نہ ہونے کے لئے حساب کتاب رکھنا بھی ضروری ہے، اور بصورت وفات ورثاء کو امانتیں ادا کرنے میں بھی

سہولت رہے گی۔ البتہ اگر پہلے سے طے کرلیا جائے کہ فیصد اتنے روپے اتنی مدّت تک بغرض حفاظت (سنبھالنے کی) اتنی اُجرت ہو گی، یہ اُجرت لینا دُرست ہے، لیکن اس صورت میں اگر رقم ضائع ہوگئی تو ضمان لازم آئے گا۔ الغرض امانت رکھی ہوئی رقم پر فی سیکڑہ دو روپے لینا جائز نہیں، سود ہے۔ اس سے پہلے جن جن سے اس طرح لے چکے ہیں، انہیں بھی ان کی رقم واپس کرنا ضروری ہے۔

ٹی وی کے پروگرام نیلام گھر میں شرکت

س... ٹی وی میں بعض پروگرام ”نیلام گھر“ قسم کے اِنعام دینے والے ہوتے ہیں، ایسے پروگرام بہت مقبول ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پروگرام میں لوگ ٹکٹ خرید کر شامل ہوتے ہیں اور کچھ سوالات کے عوض ان کو ان کی خرچ کی ہوئی رقم سے کچھ زیادہ مل جاتا ہے، اور کچھ لوگوں کو کم اور کچھ لوگ بغیر کچھ لئے واپس چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ دُرست ہے؟ اس میں جوا کا عنصر تو نہیں؟

جواب: میں اس میں شمولیت ہی کو جائز نہیں سمجھتا، رقم لینے دینے کا کیا سوال!

پرائی چیز مالک کو لوٹانا ضروری ہے

سوال: آج سے کئی سال قبل میرے ایک عزیز جو کہ اسلامی ملک سے تشریف لائے تھے لہٰذا وہ اپنے ساتھ سامان وغیرہ بھی لائے، اس سامان میں ایک چیز ایسی بھی تھی جس کو دِکھانے کی غرض سے میں اپنے گھر لے گیا، لیکن اتفاق کی بات ہے کہ فوراً ہی ہمارے درمیان اختلافات نے جنم لیا جو کہ جاری ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ جن صاحب سے میں نے یہ چیز لی تھی انہوں نے مجھ پر الزام تراشی کی، جبکہ میری نیت بالکل صاف تھی اور ہے۔ اور ان کی یہ چیز ابھی تک ویسے ہی پڑی ہے جیسا کہ آج سے تقریباً ۸، ۹ سال قبل میں نے ان سے لی تھی۔ محض ان کی الزام تراشی اور اپنے غصّے کی حالت میں (جبکہ غصہ حرام ہے) میں انہیں ان کی چیز واپس نہیں کرسکا (اللہ معاف کرے)، نہ ہی اس چیز کے بارے میں، میں نے کسی کو بتایا اور نہ کسی کو دِکھایا۔ اب یہ بوجھ اُٹھایا نہیں جاتا، میں چاہتا ہوں کہ اسے کہیں صرف کردُوں جبکہ میری خواہش ہے کہ اس کی قیمت غریبوں میں ادا کرکے اپنے پاس رکھ لوں، کیا ایسا ممکن ہے؟

یا پھر یہ چیز کسی کو دے دُوں، یا پھر کسی اسلامی جگہ پر رکھ دُوں، (لیکن میں اس عمل کو بہتر نہیں سمجھتا جبکہ میں جانتا ہوں کہ جس کا جو مال، حق ہو، اسے ہی ملنا چاہئے)، لیکن مجبوری یہ ہے کہ اب میں اس شخص کو یہ چیز واپس نہیں کرسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اب وہ ہم سے کہیں دُور رہتا ہے۔ دُوسرا یہ کہ اگر میں انہیں ان کی چیز واپس کردُوں تو یہ میری بدنامی کا باعث بنتی ہے، اور پھر نہ جانے مجھے

کتنے الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا میں اس عمل سے بچنا چاہتا ہوں۔ اب آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسا حل بتادیں کہ میں شرمندگی سے بچ جاؤں، جبکہ اس کی چیز اب اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

جواب: اس چیز کا نہ صدقہ کرنا جائز ہے، نہ خود اس کا استعمال کرنا ہی جائز ہے، اس کو مالک کے پاس لوٹانا فرض ہے۔ اگر یہاں کی ذِلت وبدنامی گوارا نہیں تو قیامت کے دن کی ذِلت وبدنامی اور اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں دینے کے لئے تیار رہئے۔

ہوٹل کی ”ٹپ“ لینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: میں ایک ہوٹل میں بیرا ہوں، جہاں ہمیں تنخواہ کے علاوہ ہر روز ”ٹپ“ (بخشش) ملتی ہے، جو گاہک اپنی مرضی سے ہمیں خوش ہوکر دے دیتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ ”ٹپ“ ہمارے لئے حلال ہے یا حرام؟ ذرا تفصیل سے جواب دیجئے گا تاکہ میں اپنے دُوسرے ساتھیوں کو بھی بتاسکوں۔

ج... جو لوگ اپنی خوشی سے دے دیں ان سے لینا حلال ہے، مگر اس کو حق سمجھنا، اس کا مطالبہ کرنا، اور جو نہ دے اس کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔

آزاد عورتوں کی خرید وفروخت

س... عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں اندرونِ سندھ وبلوچستان میں وہ بنگالی عورتیں جو دلالوں کے ذریعے مکر وفریب میں پھنس کر بنگلہ دیش سے پاکستان لائی جاتی ہیں، ان عورتوں میں کچھ بالغ ونابالغ کنواری عورتیں بھی ہوتی ہیں، کچھ لاوارث (طلاق شدہ) اور شادی شدہ بھی ہوتی ہیں، جن کو دلال جبراً یا مجبوراً دیہات میں لاوارث کی حالت میں چھوڑ کر لوگوں کے یہاں نکاح میں دے جاتے ہیں، کیا شرعی لحاظ سے بنگالی یا غیر بنگالی اس قسم کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کاروبار کو حرام قرار دیں اور فتویٰ بھی شائع کریں تاکہ لوگ آئندہ یہ کاروبار ختم کردیں اور خریدنے والوں کو بھی شرعی تنبیہ کریں تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک شرعی فرمان اور ہدایت ہو، اور خصوصاً مولوی حضرات کو بھی گزارش کریں کہ وہ آئندہ اس قسم کے نکاحوں کے عمل سے گریز کریں۔

جواب: آزاد عورتوں کی خرید وفروخت (جس کو عرفِ عام میں ”بردہ فروشی“ کہا جاتا ہے) شرعاً حرام ہے، اور جو لوگ اس گندے کاروبار میں ملوّث ہیں وہ انسانیت کے دُشمن، شیطان کے ایجنٹ اور معاشرے کے مجرم ہیں۔ ایسی عورتیں جو ان ظالموں کے چنگل میں

ہوں اگر کوئی شخص ان کو رہائی دِلانے کے لئے ان سے شرعی طریقے پر نکاح کرلیتا ہے تو نکاح صحیح ہے۔ شرط یہ ہے کہ عورت اگر عاقلہ وبالغہ ہو تو نکاح اس کی رضامندی سے ہوا ہو، اور اگر لڑکی نابالغ ہے تو اس کا نکاح اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ جوان نہ ہوجائے۔ جوان ہونے کے بعد اس کی رضامندی سے نکاح کیا جائے تو نکاح ہوجائے گا۔

شرط پر گھوڑوں کا مقابلہ کرانے والے کی ملازمت کرنا

سوال: ریس میں دوڑنے والے گھوڑوں کی خدمت کرنا، ان کی دیکھ بھال کرنا یا کسی ایسے ادارے میں ملازمت کرنا جس کے زیر انتظام ریس کے گھوڑے دوڑتے ہوں، شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

ج... شرط پر گھوڑوں کا مقابلہ حرام ہے، اور اس کی ملازمت بھی ناجائز ہے۔

اسپانسر اسکیم کے ڈرافٹ کی خریداری

سوال: آج کل ریگولر اسکیم اور اسپانسر شپ اسکیم کے تحت حج درخواستیں جمع ہوتی ہیں، اسپانسر شپ میں جو حج کے لئے جانا چاہے تو باہر کسی ملک سے ۴۵ ہزار روپے کا ڈرافٹ منگاکر جمع کرائے۔ بعض حضرات یہ ڈرافٹ جو بھی حج پر جانا چاہے اس سے کچھ رقم زائد لے کر اس کے نام سے منگاکر دیتے ہیں۔ آج کل یہ ڈرافٹ ۴۹،۵۰۰ روپے کا مل رہا ہے۔ صورت یہ ہے کہ اسپانسر شپ اسکیم کے تحت جانے والے حاجیوں کی بڑی تعداد اسی طرح زائد رقم خرچ کرکے ڈرافٹ لے کر حج پر جاتی ہے۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اس طرح زائد رقم دے کر ڈرافٹ لینا جائز ہے؟ جو لوگ باہر سے ڈرافٹ منگاکر دیتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ یہ آپ زائد رقم کیوں لے رہے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کرنسی کا فرق ہے، غیرملک میں جب ڈرافٹ بنتا ہے تو کرنسی میں اتنا فرق آجاتا ہے۔ اور کچھ نفع وہ بھی رکھتے ہوں گے۔ اگر یہ صورت ناجائز ہو تو اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ حکومت یہ ڈرافٹ پاکستانی روپے کے بجائے باہر کی کرنسی مثلاً: ڈالر، پاؤنڈ، ریال وغیرہ میں لے لے؟ اس طرح اگر پاکستانی روپے دے کر باہر کی کرنسی کا ڈرافٹ لیا جائے گا تو وہ سود کے زُمرے میں تو نہیں آئے گا؟ اس وقت جو ڈرافٹ ملتا ہے وہ پاکستانی روپے میں ہوتا ہے، جبکہ ادائیگی بھی پاکستانی روپے میں ہوتی ہے۔ اسپانسر شپ اسکیم کو لوگ یوں بھی ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں ریگولر اسکیم کے برعکس مکہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ میں حکومت کی طرف سے لازمی رہائش کی شرط نہیں ہوتی، جبکہ ریگولر اسکیم میں حج پر جانے والوں کے لئے لازمی رہائش کی شرط ہوتی ہے، اور لازمی رہائش میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

جواب: زیادہ پیسے دے کر کم پیسے کا ڈرافٹ لینا تو سود ہے، البتہ ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دُوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ ہر طرح جائز ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ، اس لئے بہتر شکل تو یہ ہے کہ حکومت ریالوں یا ڈالروں کا ڈرافٹ لیا کرے، یا پھر یہ شکل کی جائے کہ ڈرافٹ کے لئے تو اتنی ہی رقم لی جائے جتنے کا ڈرافٹ ہے، اور زائد رقم ایجنٹ حضرات اپنے محنتانہ کے طور پر الگ لیا کریں۔

فیکٹری مالکان اور مزدوروں کو باہم افہام و تفہیم سے فیصلہ کرلینا چاہئے

سوال: ایک فیکٹری کے اوقات صبح آٹھ بجے تا شام ساڑھے چار بجے تھے، یونین اور مالکان کے درمیان طے پایا کہ اوقات بڑھاکر ۸ تا ۵ بج کر ۱۰ منٹ کر دیئے جائیں، اور جمعہ کے علاوہ ایک جمعرات چھوڑ کر دُوسری جمعرات چھٹی ہوا کرے، یعنی ماہ میں کل چھ چھٹیاں ہوں۔ پھر یہ بات بھی طے پائی کہ ہر ماہ کی پہلی اور تیسری جمعرات کو چھٹی ہوا کرے گی، یہ بات اس لئے طے کرلی کہ جھگڑا نہ ہو کہ کون سی جمعرات کو چھٹی ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا اس وقت کسی کو خیال نہیں آیا کہ کسی ماہ میں پانچ جمعراتیں بھی آسکتی ہیں، کمپنی کہتی ہے کہ ہم تو صرف پہلی اور تیسری جمعرات کو چھٹی دیں گے، ہم پانچ جمعراتوں کے مسئلے کے ذمہ دار نہیں۔ حالانکہ اس صورت میں اس ماہ کے اوقاتِ کار دُوسرے مہینوں سے زیادہ ہوجائیں گے، حساب سے تو یہی ہونا چاہئے کہ ایک جمعرات کو کام ہو اور ایک کو نہ ہو، تب ہی اوقاتِ کار صحیح رہتے ہیں، مگر کمپنی کے مالکان اس بات کو نظرانداز کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق سے اس سال ایک سے زیادہ مہینوں میں پانچ جمعراتیں آرہی ہیں، مثلاً: اسی ماہِ مئی میں پانچ جمعراتیں آرہی ہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی عدل و انصاف کا فیصلہ تحریر فرمائیں تاکہ مالکان جو خود بھی بڑے مذہبی ہیں، عنداللہ گنہگار نہ ہوں اور مزدور بھی حق سے زیادہ نہ لیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ اگر جمعرات کو سرکاری چھٹی آجائے تو اس کے عوض مزدوروں کو الگ چھٹی ملنی چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ وہ چھٹی تو انہیں بہرحال ملتی، اور یہ جو جمعرات کی چھٹی ہے یہ تو وہ روزانہ چالیس منٹ فالتو کام کرکے کما رہے ہیں۔ یہ تو بہرحال فالتو گھنٹوں کی مناسبت سے ان کو ملنی ہی چاہئے، اس سلسلے میں عدل و انصاف کا فیصلہ تحریر فرمائیں۔

جواب: طرفین کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رُوح کو ملحوظ رکھتے ہوئے عدل و انصاف کا تقاضا ہے یہ ہے کہ اگر کسی مہینے میں پانچویں جمعرات آئے تو اس دن کارکنوں کو آدھی چھٹی ملنی چاہئے، اور اگر آدھی چھٹی فیکٹری کے حق میں نقصان دہ ہو تو اُصول یہ طے کرلینا چاہئے کہ ایک جمعرات چھوڑ کر دُوسری جمعرات چھٹی ہوگی، اور کلینڈر دیکھ کر چھٹی کے دنوں کا چارٹ لگادینا چاہئے تاکہ اختلاف و نزاع کی نوبت نہ آئے۔ دُوسرے مسئلے میں فریقین کے درمیان چونکہ کوئی بات طے نہیں ہوئی اس لئے اس میں عرفِ عام کو دیکھا جائے گا۔ اگر عام کمپنیوں کا دستور یہی ہے کہ ایسی صورت میں الگ دن کی چھٹی ملا کرتی ہے تو اسی کو طے شدہ سمجھنا چاہئے، اور

اگر نہیں ملا کرتی تو اس صورت میں بھی نہیں ملنی چاہئے۔ اور اگر اس سلسلے میں کوئی لگا بندھا دستور نہیں ہے تو یہ معاملہ کارکنوں اور کمپنی والوں کو باہمی افہام و تفہیم سے طے کرلینا چاہئے۔ اور آپ نے چھٹی کے حق میں جو دلیل لکھی ہے وہ اپنی جگہ معقول اور وزنی ہے۔

جعل سازی سے گاڑی کا الاؤنس حاصل کرنا اور اس کا استعمال

سوال: ہم ایک سرکاری ادارے میں ملازم ہیں، ہمارا ادارہ اپنے ملازمین میں سے صرف افسران کو تنخواہ کے علاوہ کچھ خصوصی رقم جن کو الاؤنسز کہا جاتا ہے، دیتا ہے۔ ان الاؤنسز میں سے ایک "کار الاؤنس" کہلاتا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جس افسر کو یہ الاؤنس دیا جارہا ہے اس کے پاس اپنی گاڑی ہو، جو خود اس کے استعمال میں ہو اور گاڑی کے کاغذات ادارے میں جمع کرائے گئے ہوں۔ جس افسر کے پاس گاڑی نہ ہو اس کو آنے جانے کا خرچ جس کو "کنوینس الاؤنس" کہا جاتا ہے، ملتا ہے، جو کار الاؤنس کے مقابلے میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ کچھ دھوکے باز ملازمین گاڑی خرید کر اس کے کچھ کاغذات جمع کرادیتے ہیں اور بعد میں گاڑی بیچ دیتے ہیں، جبکہ کار الاؤنس جاری رہتا ہے۔ اگر کسی وقت انکوائری کا خطرہ محسوس ہوا تو دُوسری گاڑی خرید کر یا کسی عزیز کی گاڑی دِکھادی۔ اس قسم کے ناجائز کام وہ حضرات بھی انجام دینے میں شامل ہیں جو نیک اور نمازی کہلاتے ہیں۔ ہم آپ سے قرآن و سنت کی روشنی میں موٴدّبانہ طور پر یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس طریقے سے حاصل کی گئی رقم حلال اور جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

جواب: جعل سازی اور فراڈ سے جو رقم حاصل کی گئی وہ حلال کیسے ہوگی؟ ایسے افسران تو اس لائق ہیں کہ ان کو معطل کردیا جائے۔

سوال: جو رقم ماضی میں حاصل ہوچکی، وہ اداروں کو واپس کرنا ہوگی یا توبہ کرلینے سے گزارہ ہوجائے گا؟

جواب: توبہ بھی کریں، اور رقم بھی واپس کریں۔

سوال: ہم یہ سمجھ کر کہ یہ دُنیاوی معاملہ ہے، دِین سے اس کا کیا واسطہ، ان میں سے کوئی نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز ادا کرتے رہیں؟

جواب: اگر ناواقفی کی وجہ سے کیا تھا اور معلوم ہونے پر توبہ کرلی اور رقم بھی واپس کردی تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، ورنہ نہیں۔

ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو کس طرح قابلِ استعمال بنایا جاسکتا ہے؟

سوال: ایک شخص نے ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کی ہے، اس گھر میں جو کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت سے خرید اگیا ہو، یا بنوایا گیا ہو، اس شخص کا اور گھر کے دیگر افراد کا نماز پڑھنا، تلاوتِ کلامِ پاک اور دیگر عبادات واذکار کرنا کیسا ہے؟ نیز گھر کے باہر کے افراد جن میں دوست احباب وغیرہ شامل ہیں ان کا ان اعمال کا ادا کرنا کیسا ہے جبکہ ان کو اس بارے میں علم ہو یا محض شک ہو؟

سوال: اگر بعد میں یہ شخص اپنی ان ناجائز حرکتوں پر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس ناجائز دولت سے حاصل شدہ گھر، دیگر جائیدادوں اور املاک و نقدی وغیرہ کا کیا کرے؟ جبکہ اس کے پاس رہنے کا انتظام بھی نہیں ہے، تو کیا وہ شخص بحالتِ مجبوری اس گھر میں رہ سکتا ہے؟

سوال: اسی طرح اس شخص سے جس کی کمائی ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہے، کوئی ضرورت مند شخص قرض لے سکتا ہے، جبکہ قرض لینے والے کو اس بارے میں علم ہے یا علم نہ ہو، یا محض شک ہو۔ واضح کریں کہ ناجائز آمدنی جن میں چوری، رشوت، ڈاکا، فریب وغیرہ شامل ہیں، مندرجہ بالا مسائل میں سب کا حکم ایک ہی ہے یا مختلف ہے؟

جواب: ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہے کہ چوری، ڈاکا، رشوت وغیرہ کے ذریعہ جو دولت کمائی گئی، یہ شخص اس دولت کا مالک نہیں، جب تک اصل مالکوں کو اتنی رقم واپس نہ کردے یا معاف نہ کرالے۔ جس "ناجائز آمدنی" کا تعلق حقوق العباد سے ہو، اس کی مثال مردار اور خنزیر کی سی ہے کہ کسی تدبیر سے بھی اس کو پاک نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے پاک کرنے کی بس دو ہی صورتیں ہیں، یا وہ چیز مالک کو ادا کردی جائے یا اس سے معاف کرالی جائے۔ تیسری کوئی صورت نہیں۔ ایسی ناجائز آمدنی کو نہ آدمی کھا سکتا ہے، نہ کسی کو کھلا سکتا ہے، نہ صدقہ دے سکتا ہے، نہ کسی کو ہدیہ دے سکتا ہے، نہ قرض دے سکتا ہے۔

غلط اوور ٹائم لینے اور دِلانے والے کا شرعی حکم

سوال: میں محکمۂ دِفاع میں ملازمت کرتا ہوں، ہمارے دفتری اوقات صبح ساڑھے سات بجے تا دوپہر دو بجے تک مقرّر ہیں، حکومت کی طرف سے ڈیڑھ بجے سے آدھ گھنٹے کا وقت نمازِ ظہر کے لئے وقف ہے، دو بجے کے بعد جو حضرات ڈیڑھ دو گھنٹے دفتر کا کام کرتے ہیں ان کو از رُوئے قانون ۳ روپے یومیہ معاوضہ دیا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں متعلقہ افسر صاحب کو تصدیق کرنا ہوتی ہے کہ فلاں فلاں صاحب نے فلاں فلاں دن ۲ بجے کے بعد دفتر کا کام کیا ہے، لہٰذا اس طرح کچھ حضرات جو افسر صاحب کے منظورِ نظر ہوتے ہیں پورے مہینے کا اوور ٹائم کا معاوضہ ستر پچھتّر روپے ماہوار تک حاصل کرلیتے ہیں۔ اب غور اور حل طلب بات یہ ہے کہ ہمارے دفتر میں اتنا زیادہ کام نہیں ہوتا جس کے لئے لیٹ بیٹھنا پڑے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر دیانت داری سے کام لیا جائے تو

روزانہ اوسط تین گھنٹے سے زیادہ کسی بھی صاحب کے پاس کام نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اوور ٹائم کا سوال، لہٰذا یہ سراسر دروغ گوئی ہے۔ ماشاء اللہ تصدیق کنندہ افسر صاحب ظاہری طور پر بڑے ہی نیک ہیں، کبھی کبھی نمازِ ظہر کی اِمامت بھی کرواتے ہیں، اس پر طرّہ یہ کہ جھوٹا تصدیق نامہ کرنے کو بھی کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں بقول ان کے کہ اگر واقعی یہ نیک کام ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس مصلحت کے تحت یہ نیکی صرف مخصوص حضرات کے ساتھ ہی کی جاتی ہے اور باقی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور یہ ساری کاغذی کارروائی انتہائی خفیہ طور سے کی جاتی ہے تاکہ جن ملازمین کو پیسے نہیں ملتے ان کو خبر نہ ہونے پائے، اگر کبھی ہم ان سے کہتے ہیں کہ حضور! آپ ایسا غلط کام کیوں کرتے ہیں؟ تو بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اُلٹا مزید ہمارے خلاف ہی انتقامی کارروائی کی جاتی ہے اور ہمیں ناحق پریشان کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسے ہی دُنیادار قسم کے افسر ہوتے تو ہمیں ان سے کوئی گلہ شکوہ نہ ہوتا، اور پھر آپ کو بھی اس سلسلے میں تکلیف نہ دیتے، مگر متذکرہ اوصاف کے حامل انسان کے ایسے رویے سے بڑا دُکھ اور مایوسی ہوتی ہے۔

جواب: الف:... جو صاحبان اوور ٹائم لگائے بغیر اس کا معاوضہ وصول کرلیتے ہیں وہ حرام خور ہیں اور قیامت کے دن ان کو یہ سب کچھ اُگلنا ہوگا، معلوم نہیں قیامت کے حساب و کتاب پر وہ یقین بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔

ب:... یہ نیک پارسا افسر صاحب، لوگوں کو سرکاری رقم حرام کھلاتے ہیں، قیامت کے دن ان سے پوری رقم کا مطالبہ ہوگا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ: دُنیا کا سب سے بڑا احمق کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے دِین کو برباد کرکے دُنیا بنائے، اور دُنیا کی خاطر آخرت کو برباد کرے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر احمق وہ شخص ہے جو دُوسروں کی دُنیا کی خاطر اپنے دِین کو برباد کرے۔

دفتری اوقات میں نیک کام کرنا

سوال: بعض سرکاری ملازمین، مثلاً: اساتذہ، کلرک وغیرہ ڈیوٹی کے اوقات کے دوران جبکہ کوئی وقفہ بھی نہیں (یعنی وقفہ کے علاوہ) رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس دوران کوئی کام نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اساتذہ کرام سے بچوں کا اور دیگر ملازمین سے دفتر اور متعلقہ افراد کا نقصان یا کام کا حرج ہوتا ہے۔ ان کا یہ فعل ثواب ہے یا نہیں؟

جواب: سرکاری ملازمین ہوں یا نجی ملازم، ان کے اوقاتِ کار ان کے اپنے نہیں بلکہ جس ادارے کے وہ ملازم ہیں اس نے تنخواہ کے عوض ان اوقات کو ان سے خرید لیا ہے، ان کے وہ اوقات اس ادارے اور قوم کی امانت ہیں، اگر وہ ان اوقات کو اس کام پر صَرف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کیا گیا ہے تو امانت کا حق ادا کرتے ہیں، اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہے، اور اگر ان اوقات میں

کوئی دُوسرا کام کرتے ہیں (مثلاً: تلاوت) یا کوئی کام نہیں کرتے، بلکہ گپ شپ میں گزار دیتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال نہیں۔

البتہ اگر دفتر کا مطلوبہ کام نمٹا چکے ہیں، اور وہ کام نہ ہونے کی وجہ سے فارغ بیٹھے ہوں تو اس وقت تلاوت کرنا جائز ہے، اسی طرح کس اور اچھے کام میں اس وقت کو صَرف کرنا بھی صحیح ہے۔

ہمارا ملازم طبقہ اس معاملے میں بہت کوتاہی کرتا ہے، دیانت و امانت کے ساتھ کام کے وقت کام کرنے کا تصوّر ہی جاتا رہا، یہ حضرات عوام کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، سرکاری خزانے میں عوام کی کمائی سے جمع ہونے والی رقوم سے تنخواہ پاتے ہیں، لیکن کام چوری کا یہ عالم ہے کہ عوام دفتروں کے بار بار چکر لگاتے ہیں اور ناکام واپس جاتے ہیں، اور اگر رشوت یا سفارش چل جائے تو کام فوراً ہو جاتا ہے، گویا یہی حضرات سرکار کے (اور سرکار کی وساطت سے عوام کے) ملازم نہیں بلکہ رشوت و سفارش کے ملازم ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ ایسے ملازمین کی تنخواہ ان کے لئے کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ اگر ان کو دِل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کل قیامت کے دن ان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے تو دفتری کام کو دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا کریں، اور عوام ان کے طرزِ عمل سے پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت و دیانت کی دولت سے بہرہ ور فرمائیں۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم لینا

سوال 1: ہر سرکاری ملازم کی ایک رقم لازمی طور پر وضع کی جاتی ہے، یہ رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے وضع ہوتی ہے۔ یہ رقم ملازم کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس کو ملتی ہے اور یہ رقم اس کی وضع کی ہوئی رقم کی دُگنی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ یہ رقم بینک میں رکھتی ہے اور چونکہ فکسڈ ڈپازٹ پر زیادہ سود ہوتا ہے اس لئے سرکاری ملازم کی ۲۵ سال یا ۳۰ سال کی ملازمت میں دُگنی ہو جاتی ہے۔ براہ کرم شرع کی روشنی میں بتائیے کہ یہ اضافی رقم لینا جائز ہے یا حرام ہے؟

سوال 2: پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو گورنمنٹ کے کھاتے میں جمع ہوتی ہے، ملازم کو یہ تو ہر سال معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اتنی رقم اس کے کھاتے میں جمع ہوگئی ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ ملازم یہ رقم اپنی مرضی سے نہ تو نکال سکتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے۔

جواب 3: پراویڈنٹ فنڈ پر جو اضافی رقم محکمے کی طرف سے دی جاتی ہے اس کا لینا جائز ہے، اور جب تک وہ وصول نہ ہو جائے اور اس پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

رشتہ دار کے گھر سے فون کرنے کا بل کس کے ذمہ ہو گا؟

سوال: ایک آدمی سفر پر جاتا ہے اور اپنی گھر والی کے کسی قریبی رشتہ دار کو گھر میں چھوڑ جاتا ہے، کیونکہ اس کی بیوی اکیلی ہے اور بیمار بھی ہے، تو وہ رشتہ دار اپنے کام سے اس شخص کے گھر سے فون کرتا ہے، پھر جب بل آتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں دُوں گا، اور بل بھی زیادہ ہے، اب یہ بل کس کے ذمہ ہے؟ جبکہ اس کی گھر والی اپنے عزیز سے کہتی ہے کہ آدھا بل آپ دیں، آدھا میں دُوں، اور میرے خاوند کے اُوپر ہم بوجھ نہ ڈالیں۔ اب وہ عزیز نہیں مانتا۔ مجھے صرف شرعی مسئلہ درکار ہے کہ یہ بل اب کس کے ذمہ ہے؟

جواب: بیوی کے عزیز کے لئے اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر ٹیلیفون کا استعمال جائز نہیں تھا، اور اس بل کا ادا کرنا شرعاً و اخلاقاً اسی عزیز کے ذمہ ہے جس نے امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا۔

سودی کام کا تلاوت سے آغاز کرنا بدترین گناہ ہے

سوال: میں یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کراچی کی ایک مقامی برانچ میں ملازم ہوں۔ میری برانچ میں ہر روز صبح کام کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک اور پورے اسٹاف کی اجتماعی دُعا سے ہوتا ہے، اور ان کا نظریہ ہے کہ اس سے برکت ہوتی ہے، کام میں دِل لگتا ہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ رُونما نہیں ہوتا۔ میں اس قرآنِ پاک کی تلاوت اور دُعا میں شامل نہیں ہوتا، لیکن جب تلاوت ہو رہی ہوتی ہے تو خاموشی سے سنتا ہوں، کیونکہ قرآن پڑھنا سنت اور سننا واجب ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی رُو سے سود، سودی کاروبار، اس کی ملازمت بھی منع ہے۔ قرآن میں ہے کہ سود حرام ہے اور سود نہ لو۔ تلاوت سے اس کا افتتاح کرنا کیسا عمل ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا یہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس کے گنہگار کون ہیں؟

جواب: گناہ کے کام کو تلاوت سے شروع کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ یہ پوچھئے کہ اس سے شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں کفر کا اندیشہ تو نہیں؟

نفع و نقصان کے موجودہ شراکتی کھاتے بھی سودی ہیں

سوال: چند سال قبل جب بلاسود بینکاری شروع کرنے اور نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتے کھولنے کا حکومت کی طرف سے اعلان ہوا تو میں اپنے بینک منیجر کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا کہ جب بینکوں کا سارا کاروبار سود پر چلتا ہے تو یہ نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتے سودی کاروبار سے کس طرح پاک ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حکومت بینکوں کے ذریعہ گندم، چاول،

کپاس وغیرہ خریدتی ہے جس پر وہ بینکوں کو کمیشن دیتی ہے، ہم یہ خریداری اس رقم سے کریں گے جو نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتوں میں جمع ہوگی اور حکومت سے وصول ہونے والے کمیشن میں سے ہم اپنے کھاتے داروں میں منافع تقسیم کریں گے۔ البتہ ان کھاتوں سے ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کی رقم وضع کی جائے گی؟

مندرجہ بالا یقین دہانی پر میں نے اپنی رقم جاری کھاتے سے نفع و نقصان شراکت کے کھاتے میں منتقل کرادی۔ اس وقت سے اب تک آٹھ اور ساڑھے آٹھ فیصدی کے درمیان ہر سال منافع کا اعلان ہوتا رہا ہے، البتہ میری کل جمع رقم میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ ہر سال وضع ہوجاتی ہے۔ میرے جیسے بہت سے بوڑھے افراد اور بیوہ عورتوں نے اپنی رقمیں نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتے میں رکھی ہیں، جن سے زکوٰۃ کی رقم وضع ہونے کے بعد کچھ سالانہ آمدنی ہوجاتی ہے جس سے ان کا خرچ چلتا ہے۔ اگر یہ ذریعہ بند ہوجائے تو ان کے لئے تنگی و ترشی کا باعث ہوگا، یا یہ کہ وہ اپنے رأس المال میں سے خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ تھوڑے عرصے میں ختم ہوجائے اور پھر ان کو سخت تنگی کا سامنا ہوگا۔ بہت سے علمائے کرام کی رائے ہے کہ نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتے کی اسکیم سودی کاروبار ہے اور حرام ہے۔ ہم مسلمان ملک میں رہتے ہیں اور ہم سب کا یہ فریضہ ہے کہ ہم اسلامی اَحکامات پر خود عمل کریں اور حکومت اس سلسلے میں کوئی اسلامی حکم نافذ کرے تو اس کے ساتھ تعاون کریں۔ اب اگر اس ملک کے مسلمان باشندے اپنے ”اُولی الامر“ کے دعویٰ کو مان کر اپنی رقمیں نفع و نقصان شراکت کے کھاتے میں جمع کراتے اور حصولِ منافع اور وضعِ زکوٰۃ میں شریک ہوتے ہیں تو گناہ اور وبال حکومت پر ہوگا یا کھاتہ داروں پر؟ عوام، حکومت کی پالیسیوں پر اختیار نہیں رکھتے اور ایک حد تک بینک میں اپنی رقم رکھنے پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں عام شہری کیا کریں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ”غیرسودی کھاتوں“ کے سلسلے میں حکومت کا یا بینک والوں کا یہ اعلان ہی کافی نہیں، بلکہ ان کے طریقہ کار کو معلوم کرکے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا شرعی اُصولوں کی روشنی میں وہ واقعی ”غیرسودی“ ہیں بھی یا نہیں؟ اگر سچ مچ ”غیرسودی“ ہوں تو زہے قسمت، ورنہ ”سود“ کے وبال سے کھاتہ دار بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ میں نے قابلِ اعتماد ماہرین سے سنا ہے کہ ”غیرسودی“ محض نام ہی نام ہے، ورنہ ”غیرسودی بینکاری“ کا جو خاکہ وضع کیا گیا تھا، اس پر اب تک عمل درآمد نہیں ہوا۔ آپ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ: ”حکومت کوئی اسلامی حکم نافذ کرے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے“ مگر حکومت کوئی اسلامی حکم جاری بھی تو کرے؟ اب تک ہماری حکومت کا حال یہ ہے کہ حکومت کسی اسلامی حکم کو نافذ بھی کرتی ہے تو اس پر اپنی خواہشات کی پیوندکاری اور ملاوٹ کرکے اس کی رُوح ہی کو مسخ کردیتی ہے۔

چنانچہ صریح وعدوں کے باوجود ابھی تک سودی نظام کو ختم نہیں کیا گیا اور جن کھاتوں کو غیر سودی ظاہر کیا گیا ہے ان میں بھی سودی نظام کی رُوح کارفرما ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا!

٦٦ ماہ تک ۱۰۰ روپے جمع کرواکر، ہر ماہ تاحیات ۱۰۰ روپے وصول کرنا

سوال: میں نے نیشنل بینک آف پاکستان کی ایک اسکیم میں حصہ لیا ہے، جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ آپ ٦٦ ماہ تک ۱۰۰ روپے ہر ماہ جمع کرواتے رہیں، ٦٦ ماہ کے بعد آپ کی اصل رقم: ٦،٦۰۰ روپے بھی بینک میں پڑی رہے گی اور وہ آپ کو ۱۰۰ روپے تاحیات (جب تک آپ ٦،٦۰۰ روپے نہ نکلوالیں) دیتے رہیں گے۔ ایک ملازم پیشہ آدمی کیا اپنے لئے اس طرح مستقل آمدنی کا بندوبست کرسکتا ہے؟ کیونکہ جہاں میں ملازم ہوں وہاں پنشن نہیں ملتی۔

جواب: آپ کی اصل رقم تو بینک میں محفوظ ہے، ہر مہینے تاحیات جو سو روپیہ ملتا رہے گا وہ سود ہوگا۔

مسجد کے اکاؤنٹ پر سود کے پیسوں کا کیا کریں؟

سوال: میرے پاس مسجد کے چندے کے پیسے جمع ہوتے ہیں، یہ پیسے مسجد میں خرچ کرنے کے بعد جو پیسے بچتے ہیں وہ پیسے بینک میں جمع کردیتا ہوں۔ آپ مہربانی فرماکر یہ بتائیں کہ ان پیسوں پر جو منافع ملتا ہے اس کو میں کیا کروں؟ اس کو مسجد میں استعمال کردیں یا ان منافع والے پیسے کو کسی غریب یا کسی اور کو دیں؟

جواب: آپ مسجد کے پیسے "کرنٹ اکاؤنٹ" میں رکھوائیں جس پر منافع نہیں ملتا، اور جو منافع وصول کرچکے ہیں وہ مسجد میں نہ لگائیں بلکہ کسی محتاج کو دے دیں۔

سود کی رقم کے کاروبار کے لئے برکت کی دُعا

سوال: سود پر رقم لے کر کاروبار میں لگانا اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کرنا، کیا اس میں برکت ہوگی یا بربادی؟

جواب: سود پر رقم لینا گناہ ہے، اس سے توبہ واِستغفار کرنا چاہئے، نہ کہ اس میں برکت کی دُعا کی جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کاروبار کے لئے بینک سے سودی قرض لیا وہ اس قرض کے جال میں ایسے پھنسے کہ رہائی کی کوئی صورت نہیں رہی۔ اس لئے سود پر لی گئی رقم میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اس کا انجام "ندامت" ہے۔

کیا وصول شدہ سود حلال ہوجائے گا جبکہ اصل رقم لے کر کمپنی بھاگ جائے؟

سوال: میں نے کچھ دوستوں کے کہنے پر اپنی ۲۰ ہزار روپے کی رقم ایک سرمایہ کار کمپنی میں جمع کرادی تھی، جس نے ۸ مہینے تک باقاعدہ منافع دیا جو ۸ ہزار روپے ہے، پھر اس کے بعد وہ کمپنی بھاگ گئی۔ اب آپ سے یہ عرض ہے کہ وہ ۸ ہزار روپے جو منافع یا سود کی شکل میں ملے تھے اور اب کمپنی کے بھاگ جانے کی وجہ سے مجھے جو ۱۲ ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ہے، اس کے بعد وہ ۸ ہزار روپے حلال ہو گئے ہیں یا نہیں؟ یعنی اگر اس رقم سے کوئی نیک کام خیرات یا زکوٰۃ دی جائے تو وہ قبول ہو گی یا نہیں؟

جواب: اگر آپ کو سود ملتا تھا تو وہ حلال نہیں، مگر ۲۰ ہزار کی رقم آپ کی ان کے ذمہ تھی، ان میں ۸ ہزار آپ نے گویا اپنا قرضہ واپس لیا ہے، اس لئے یہ جائز ہے۔

پی ایل ایس اکاؤنٹ کا شرعی حکم

سوال: بینک میں جو رقم پی ایل ایس نفع و نقصان شراکتی کھاتے میں جمع ہوتی ہے، بینک اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے اور ۶ فیصد منافع بھی دیتا ہے، کیا یہ قرآن و سنت کی رُو سے جائز ہے؟

جواب: حکومت اس کو "غیر سودی" کہتی ہے، لیکن اس کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس کو "غیر سودی" کہنا محض برائے نام ہے، ورنہ واقعتاً یہ کھاتہ بھی سودی ہے۔

سود کی رقم دِینی مدرسہ میں بغیر نیتِ صدقہ خرچ کرنا

سوال: سود کی رقم کسی دِینی مدرسہ میں بغیر نیتِ صدقہ کے دے دے تو کیا جائز ہے؟ اور ان متبرک مقامات پر دینے سے اگر ثواب نہ ہوا تو گناہ تو نہیں ہو گا؟ وضاحت سے جواب عطا فرمائیں۔ بغیر کسی صدقے کی نیت کے اگر کسی عالمِ دِین کو کتابیں لے کر دے دیں تاکہ مناظرہ کے وقت اس کے کام آسکیں یا عوام کو ایسے مذاہب سے روشناس کروانے کے لئے تاکہ وہ گمراہی سے بچ جائیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: کیا علم اور علماء کے لئے حلال کمائی میں سے دینے کی کوئی گنجائش نہیں؟ صرف یہ نجاست ہی علماء کے لئے رہ گئی ہے...؟

سود کو بینک میں رہنے دیں، یا نکال کر غریبوں کو دے دیں؟

سوال: ہم تاجر والدین کے بیٹے ہیں، ہمارے والدین زیادہ تر پیسے بینک میں جمع کرتے ہیں اور انہیں جمع کردہ رقم میں سے سال کے بعد "سود" بھی ملتا تھا، ہم نے والدین سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ سود لینا حرام ہے، پھر کیوں لیتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم "سود" کی رقم کو غریبوں میں بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور یہ رقم وہ حضرات اس لئے بینک سے اُٹھاتے ہیں کہ اگر وہ رقم نہ

اُٹھائی جائے تو اس سے بینک والوں کا فائدہ ہو گا اور یوں کم از کم غریبوں کا فائدہ تو ہو گا۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح کرنا صحیح ہے یا افضل پر عمل کرتے ہوئے بالکل سود کی رقم کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہئے اور پیسے کو بینک ہی میں رہنے دیا جائے؟

جواب: بینک سے سود کی رقم لے کر کسی ضرورت مند کو دے دی جائے مگر صدقہ، خیرات کی نیت نہ کی جائے، بلکہ ایک نجس چیز کو اپنی ملک سے نکالنے کی نیت کی جائے۔

بیوہ، بچوں کی پرورِش کے لئے بینک سے سود کیسے لے؟

سوال: میں چار بچیوں کی ماں ہوں اور ابھی پانچ ماہ قبل میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، اور میری عمر ابھی ۲۶ سال ہے، میرے شوہر کے مرنے کے بعد ان کے آفس کی طرف سے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ کی رقم فنڈز وغیرہ کی شکل میں مجھے ملی ہے۔ اب میرے گھر والوں اور تمام لوگوں کا یہی مشورہ ہے کہ میں یہ رقم بینک میں ڈال دُوں اور ہر مہینے اس پر ملنے والی رقم لے لیا کروں اور اس سے اپنا اور بچوں کا خرچ پورا کروں۔ بات کسی حد تک معقول ہے، مگر میرے نزدیک اوّل تو یہ رقم ہی حرام ہے، پھر اس پر مزید حرام وصول کیا جائے اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا جائے، کیونکہ حرام، حرام ہے۔ جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے، مجبوری میں سب جائز ہے۔ جبکہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں، میں اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کی بچیوں کی کفالت فرمائے۔ آپ کے شوہر کو ان کے آفس سے جو واجبات ملے ہیں اگر ان کی ملازمت جائز تھی، تو یہ واجبات بھی حلال ہیں، البتہ ان کو بینک میں رکھ کر ان کا منافع لینا حلال نہیں بلکہ سود ہے۔ اگر آپ کو کوئی نیک رشتہ مل جائے جو آپ کی بچیوں کی بھی کفالت کرے، تو آپ کے لئے عقد کرلینا مناسب ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پرورِش کرنے والے ہیں، اپنی محنت مزدوری کرکے بچیوں کی پرورِش کریں اور ان کے نیک نصیبے کے لئے دُعا کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کی بچیوں کے لئے آسانی فرمائیں، آمین!

خاص ڈپازٹ کی رُقوم کو مسلمانوں کے تصرف میں کیسے لایا جائے؟

سوال: سود اور سودی کاروبار حرام ہے، پاکستانی لوگ اربوں روپے خاص ڈپازٹ میں جمع کراتے ہیں، یہ مسلمانوں کی دولت ہے، ان لوگوں میں بہت سارے بوڑھے لوگ ہوتے ہیں، ان کے کندھوں پر ساری جوان اولاد بیٹے، بیٹیوں کا بار ہوتا ہے۔ بالخصوص پنشن پر جانے والے لوگ۔ ان کو بیٹیوں کو جہیز بھی دینا ہوتا ہے اور روز مرّہ کا خرچ بھی کرنا ہوتا ہے، اگر یہی اربوں روپے تجارت، کرائے کے مکانوں، بسوں اور دُوسرے جائز کاروبار میں لگائے جائیں جس سے اربوں روپے منافع بھی ہو گا، اس سے اگر اصل زَر کو

بھی سلامت رکھا جائے اور نفع مسلمانوں کو دیا جائے تو ایسے طریقے سے کاروبار کا نفع اصل زَر کے مالکوں کو ملے گا۔ اس سے ملک کی ترقی بھی ہوگی اور ہر گھرانا خوشحال ہوگا۔ سودی کاروبار اس حالت میں ناجائز ہے، اگر رقم کسی غریب کو بغرضِ ضرورت دی جائے اور اس سے اصل رقم لی جائے، بینک یا خاص ڈپازٹ والے ادارے غریب نہیں ہیں۔

دُوسری بات یہ کہ گھر میں اصل زَر رکھنے سے ڈاکو سب کچھ لوٹ کر لے جائیں گے، موٹروں اور دیگر جائیدادوں کو زبردستی چھین کے لے جاتے ہیں، ان حالات میں اصل زَر بھی محفوظ نہیں رہتا، تنگ دستی سے ہر ایک مجبور ہو جاتا ہے، اسلامی قوانین کے مطابق کسی ڈاکو یا چور کو سزا نہیں ملتی۔ ان حالات میں اصل زَر سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں، اربوں روپے کا جائز تصرف اور حلال کی کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ شریعت میں ایسے اربوں روپے جن کی حفاظت بھی ہو اور کارآمد منافع بھی ہو تو اس پہلو پر شریعت کے مطابق حکومت کو یا ہمیں مشورہ سے نوازیں۔

جواب: یہ سوال اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کے لئے حکومت کے اربابِ حل و عقد کو غور کرنا چاہئے، اور ایسے لوگوں کے لئے ایسے کاروباری ادارے قائم کرنے چاہئیں جو شرعی مضاربت کے اُصولوں پر کام کریں اور منافع حصہ داروں میں تقسیم کریں۔

نیشنل بینک سیونگ اسکیم کا شرعی حکم

سوال: گورنمنٹ کی ایک نیشنل ڈیفنس سیونگ اسکیم چل رہی ہے، مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اس میں رقم جمع کروانا اور پھر منافع لینا جائز ہے، کیونکہ اس رقم سے ملک کے دفاع کے لئے اسلحہ خریدا جاتا ہے اور ملک کے کام آتا ہے۔ آج جو اسلحہ خریدیں گے اگر وہی اسلحہ چار پانچ سال بعد خریدیں گے تو دُگنی تگنی قیمت حکومت کو ادا کرنا پڑتی ہے، لہٰذا گورنمنٹ اس اسکیم کے تحت اسلحہ خریدتی ہے اور ملک کا دفاع ہوتا ہے۔ آپ قرآن اور حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ کیا اس اسکیم میں رقم لگانا اور منافع کے ساتھ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: اگر حکومت اس رقم پر منافع دیتی ہے تو وہ "سود" ہے۔

ساٹھ ہزار روپے دے کر تین مہینے بعد اَسّی ہزار روپے لینا

سوال: ایک شخص نے بازار میں کمیٹی ڈالی تھی، جب اس کی کمیٹی نکلی (جو ساٹھ ہزار روپے کی تھی) تو وہ اس نے ایک دُوسرے دُکان دار کو دے دی کہ مجھے تین مہینے بعد اَسّی ہزار روپے دوگے، تو کیا یہ بھی سود ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی خالص سود ہے۔

فی صد کے حساب سے منافع وصول کرنا سود ہے

سوال: کچھ لوگ سرمائے کا لین دین فی صد کے حساب سے کرتے ہیں، (یعنی ۱۵ فیصد ماہانہ، ۱۰ فی صد ماہانہ)۔ بعض لوگ اسے "سود" کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سود نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں ہم نے ایک مسجد کے پیش اِمام صاحب سے تصدیق چاہی تو انہوں نے اسے سراسر جائز قرار دیا ہے۔ اب ہم لوگ اس عجیب اُلجھن میں مبتلا ہیں کہ کیا کیا جائے؟ لہٰذا آپ اس مسئلے کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کریں اور ہمیں واضح طور پر بتائیں کہ ایسے سرمائے سے جو ماہانہ منافع ملتا ہے وہ حرام ہے تو اسے حلال کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ جس سے ہمارا قلب صاف ہو جائے اور ہم عذابِ الٰہی سے بچ سکیں۔

جواب: فی صد کے حساب سے روپے کا منافع وصول کرنا خالص سود ہے، جس اِمام صاحب نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا وہ ناواقف ہے، اسے اپنے فتویٰ کی غلطی پر توبہ کرنی چاہئے۔ جو لوگ سود وصول کر چکے ہیں، انہیں چاہئے کہ اتنی رقم بغیر نیتِ صدقہ کے محتاجوں کو دے دیں۔

قرآن کی طباعت کے لئے سودی کاروبار

سوال: ایک کمپنی کے اشتہارات اخبارات میں، کاروبار میں شرکت کے لئے آپ کی نظر سے بھی ضرور گزرتے ہوں گے، لوگوں کو بڑا میٹھا لالچ دیا جاتا ہے کہ "قرآن پاک کی اشاعت میں روپیہ لگایئے اور گھر بیٹھے منافع حاصل کیجئے" کیا یہ سود کی ذیل میں نہیں آتا؟ کیا یہ کمپنی اس طرح سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دے کر ان کی رقم کو حرام بنادینے کا کام نہیں کر رہی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح تو اس کمپنی کا سارے کا سارا کاروبار ہی حرام قرار پاتا ہے۔ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اس کمپنی کے فارم جو آپ نے ارسال کئے ہیں، ان کے مطابق یہ خالص سودی کاروبار ہے، کیونکہ اس نے علی الترتیب ۱۵ فیصد، ساڑھے سات فیصد اور ۲۰ فیصد بالقطع سود رکھا ہوا ہے، اس لئے اس کمپنی میں روپیہ لگانا جائز نہیں۔

کمپنی میں نفع ونقصان کی بنیاد پر رقم جمع کرواکر منافع لینا

سوال: اگر کسی کمپنی میں حصے کے طور پر رقم جمع کروائی جائے اور وہ کمپنی نفع نقصان کی بنیاد پر ہو اور ہر ماہ اور وہ رقم سے کاروبار کر کے ہمیں نفع دیں، کوئی مستقل مہینہ نہیں ہے کہ ۱۰۰ روپے پر ۴ روپے یا ۳ روپے، جتنا نفع ہو گا یا نقصان ہو گا وہ اتنا ہی ہمیں ہر مہینے

پر رقم دیں گے۔ اور جتنی رقم جمع کروائی ہے وہ اتنی ہی رہے گی، جب چاہیں اپنی رقم نکلوا سکتے ہیں۔ یا نفع یا سود کتنے فیصد جائز ہے؟ اور کتنے فیصد ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیجئے، شکریہ۔

جواب: اگر کمپنی کا کاروبار خلافِ شریعت نہیں اور وہ مضاربت کے اُصول پر نفع تقسیم کرتی ہے، لگابندھا منافع طے نہیں کیا جاتا تو یہ منافع جائز ہے۔

قرآن مجید کی طباعت کرنے والے ادارے میں جمع شدہ رقم کا منافع

سوال: ایک تجارتی ادارہ جو کہ قرآنِ پاک کی طباعت و مکمل تیاری اور اس کو ہدیہ کرنے کا کاروبار کرتا ہے، مندرجہ ذیل شرائط پر دُوسرے لوگوں کو حصہ دار بناتا ہے، صرف منافع کی مختلف شرح پر۔ کیا "الف" اس تجارتی ادارہ کے حصص خرید سکتا ہے؟ اس کا نفع حلال ہے؟ شرائط یہ ہیں:

۱ ...: رقم کم سے کم تین سال کے لئے جمع کی جائے گی۔

۲ ...: نئے ڈیپازیٹرز سے کم سے کم رقم دس ہزار قبول کی جائے گی، زیادہ جتنی چاہیں جمع کرا سکتے ہیں۔

۳ ...: دس ہزار سے ۴۹ ہزار تک منافع پندرہ فیصد سالانہ ہوگا، ۵۰ ہزار سے ۹۹ ہزار تک ساڑھے سترہ فیصد ہوگا، ایک لاکھ روپے اور اس سے زائد پر ۲۰ فیصد سالانہ نفع ہوگا۔

۴ ...: جمع شدہ رقم مقرّرہ وقت سے قبل کسی حالت میں واپس نہ کی جائے گی، رقم جس نام پر جمع ہوگی اس سے دُوسرے کے نام پر تبدیل نہ ہوگی، جن کی میعاد ختم ہوجائے وہ آئندہ حسبِ مرضی تجدید کریں گے۔

ج... مقرّرہ شرح منافع کے ساتھ اور مقرّرہ میعاد کے لئے لوگوں سے رقم لینا ناجائز و حرام ہے، قرآن و سنت کی رُو سے خالص سود۔ اور جائز یا ثواب سمجھ کر رقم جمع کرانا اس سے زیادہ گناہ ہے۔

لہٰذا ایسے تجارتی ادارہ میں رقم ہرگز جمع نہ کرائی جائے، ہم نے ایسے اداروں کے متعلق کئی مرتبہ لکھا تھا کہ مذکورہ طریقے سے رقم لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ ایسا بھی نہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو، بلکہ متفقہ طور پر سودی کاروبار ہے، لیکن اگر جہالت اور ناواقفیت کی بنا پر اس میں ملوّث ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں تو بعض دیدہ و دانستہ شرعی حکم سے اغماض کر رہے ہیں۔

۱۰ ہزار روپے نقد دے کر ۱۵ ہزار روپے کرایہ کی رسیدیں لینا

سوال: ہمارے بازار میں ایک شخص کو رقم کی ضرورت تھی، اس کی اپنی مارکیٹ ہے، جس میں چار دُکانیں ہیں، اور ایک دُکان کا کرایہ ۵۰۰ روپے ماہوار ہے، تو اس شخص کو بازار کے ایک دُکان دار نے ۱۰ ہزار روپے دیئے اور اس سے ۱۵ ہزار روپے کے کرایہ کی رسیدیں لے لیں، یعنی ۳۰ رسیدیں پانچ پانچ سو روپے کے کرایہ کی، یعنی ۵ ہزار روپے زیادہ لئے۔ اب یہ شخص تقریباً سات مہینے ان دُکانوں کا کرایہ وصول کر کے ۱۵ ہزار روپے وصول کرے گا۔ یہاں بازار میں تقریباً سارے دُکان دار کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، لیکن یہ شخص کہتا ہے کہ یہ سود نہیں ہے، اس شخص نے حج بھی کیا ہے اور پانچ وقتہ نمازی بھی ہے۔

جواب: جب اس شخص نے ۱۰ ہزار روپے کی جگہ ۱۵ ہزار روپے لے لیا ہے تو یہ سود نہیں تو اور کیا ہے...؟

"اے. ٹی. آئی" اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانا

سوال: گزشتہ کئی برسوں سے بینکوں نے ایک اسکیم جاری کی ہے، جس کا نام "اے. ٹی. آئی" ہے، اس اسکیم کے تحت ایک مقرّرہ رقم جو پچاس روپے سے کم نہ ہو، ٦٦ مہینے تک جمع کرائی جائے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس رقم کے برابر منافع ہر ماہ حاصل کیا جائے، یہ اسکیم ہمیشہ سے لوگوں میں مقبول رہی ہے۔ میں قرآن و سنت کی روشنی میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ اسکیم شرعی اعتبار سے جائز ہے؟ کیونکہ مجھے بھی اس اسکیم میں شامل ہونے کو کہا گیا تھا، لیکن اب تک میں اس میں شامل نہیں ہوں۔

جواب: یہ اسکیم بھی سودی ہے، اس لئے جائز نہیں۔

تجارتی مال کے لئے بینک کو سود دینا

سوال: تجارتی مال دُوسرے ممالک سے بینک کے ذریعے منگوایا جاتا ہے، اور بینک کی بنیاد سود پر ہے، مال بھیجنے والا جب کاغذات تیار کر کے اپنے بینک میں جمع کراتا ہے تو ان کو یہاں بینک پہنچنے میں تقریباً ۸، ۱۰ روز لگ جاتے ہیں، یہاں کے بینک والے اس عرصے کا سود لیتے ہیں جو مجبوراً مال منگوانے والے کو دینا پڑتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں کہ اگر بینک سے ہی کسی طریقے سے سود لے کر اسی کو یہ ۸، ۱۰ روز کا سود دے دیا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب: سود لینے اور دینے کا گناہ ہوگا، اِستغفار کیا جائے۔

کسی ادارے یا بینک میں رقم جمع کروانا کب جائز ہے؟

سوال: اخبارات واشتہارات میں مختلف کمپنیاں اور ادارے اشتہار دیتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ سرمایہ کاری کریں، کوئی ۴ فیصد اور کوئی ۵ فیصد منافع دینے کا اقرار کرتا ہے۔ آیا ایسا منافع جائز ہے؟ بینک میں نفع ونقصان شراکت کھاتے سے حاصل شدہ منافع، این ڈی ایف سی اور نیشنل سیونگ اسکیم سے حاصل شدہ منافع جائز ہے؟ جبکہ ہمارا صرف روپیہ ہی لگا ہے، محنت نہیں۔

جواب: ان دونوں سوالوں کا جواب سمجھنے کے لئے ایک اُصول سمجھ لیجئے۔ وہ یہ کہ جو روپیہ آپ کسی فرد، کمپنی یا ادارے کو کاروبار کے لئے دیں، اس کا منافع آپ کے لئے دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، وہ یہ کہ وہ کاروبار شرعاً جائز ہو، اگر کوئی ادارہ آپ کے روپے سے ناجائز کاروبار کرتا ہے تو اس کا منافع آپ کے لئے حلال نہیں۔ دُوسری شرط یہ ہے کہ اس ادارے نے آپ کے ساتھ منافع فیصد تقسیم کا اُصول طے کیا ہو، اگر منافع کی فیصد تقسیم کے بجائے آپ کو اصل رقم کا فیصد منافع دیتا ہے تو یہ حلال نہیں بلکہ شرعاً سود ہے۔ اس اُصول کو آپ مذکورہ سوالوں پر منطبق کرلیجئے۔

پراویڈنٹ فنڈ پر اضافی رقم لینا

سوال: ایک ملازم کسی ادارے میں کام کرتا ہے، اس کی تنخواہ سے جو بھی رقم کٹتی ہے تو ریٹائر ہونے کے بعد اس ادارے کی طرف سے کچھ زائد کٹوتی پر شامل کرکے دیا جاتا ہے، وہ سود ہے یا نہیں؟

جواب: اگر ادارہ رقم تنخواہ سے زبردستی کاٹتا ہے اور اس پر منافع دیتا ہے تو یہ سود نہیں، اور اگر ملازم خود کٹواتا ہے تو اس پر منافع لینا جائز نہیں، سود ہے۔

متعین منافع کا کاروبار سودی ہے

سوال: میں ذاتی طور پر سود کے خلاف ہوں اور کسی ایسے کاروبار میں قدم نہیں رکھتا جس میں سود کی آلائش کا اندیشہ ہو۔ میں ایک دو کمپنیوں میں رقم لگاکر حصہ دار کے طور پر شامل ہونا چاہتا ہوں، مثلاً: تاج کمپنی یا قرآن کمپنی۔ ایک تو یہ کمپنیاں قرآن شریف اور دِینی کتب کی اشاعت جیسا نیک کام کر رہی ہیں اور منافع بھی اچھا دیتی ہیں، ان کی شرائط یہ ہیں کہ کم از کم تین سال کے لئے جتنی مرضی ہو رقم جمع کرائیں، رقم کے مطابق انہوں نے مختلف منافع کی شرحیں مقرّر کر رکھی ہیں، جو وہ باقاعدگی سے ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ (جیسے مرضی ہو) کے حساب سے بھیجتے ہیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر ان کے کاروبار میں رقم جمع کرواکر شراکت کرکے میں کسی مقرّرہ شرح پر (جو کہ انہوں نے خود مقرّر کی ہے) منافع لوں تو یہ کاروبار سودی ہوگا یا کہ شرعی حساب سے جائز منافع ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کمپنیوں سے واقف ہوں گے اور معاملے میں مجھے صحیح راہ دِکھائیں گے۔

جواب: جو کمپنیاں متعین منافع دیتی ہیں، یہ منافع سود ہے۔ تاج کمپنی کا طریقہ کار میں نے دیکھا ہے، وہ خالص سودی کاروبار ہے۔

نوٹوں کا ہار پہنانے والے کو اس کے عوض زیادہ پیسے دینا

سوال: ہمارے معاشرے میں شادی کی دُوسری رُسومات کے علاوہ ایک یہ بھی رسم ہے کہ سالے کی شادی میں بہنوئی اپنے سالے کو نوٹوں کا ہار پہناتا ہے، اور پھر شادی کے بعد دُولہا کا باپ اس ہار کے عوض ڈبل پیسے ادا کرتا ہے، یعنی اگر بہنوئی ۵۰۰ روپے کا ہار ڈالتا ہے تو اسے ۱۰۰۰ روپے دیئے جاتے ہیں، اور لوگ ڈبل پیسے کے لالچ میں مہنگا ہار پہناتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس سوال کا جواب حدیث و قرآن کی روشنی میں دیں کہ یہ ڈبل پیسے دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں گنہگار دینے والا ہوگا یا لینے والا یا دونوں ہوں گے؟

جواب: یہ تو اچھا خاصا سودی کاروبار ہے، جو بہت سے مفاسد کا مجموعہ بھی ہے۔

روپوں کا روپوں کے ساتھ تبادلہ کرنا

سوال: کیا روپوں کا روپوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کیا لینے والا اس کے بدلے میں روپے ایک دن کے بعد دے سکتا ہے یا ضروری ہے کہ اسی وقت دینا چاہئے؟ اور اگر اس وقت دینا ضروری ہے تو کسی کے پاس اس وقت نہ ہوں تو کیا یہ حرام ہوگا یا حلال؟ براہِ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلایئے۔

جواب: روپوں کا تبادلہ روپوں کے ساتھ جائز ہے، مگر رقم دونوں طرف برابر ہو، کمی جائز نہیں، اور دونوں طرف سے نقد معاملہ ہو، اُدھار بھی جائز نہیں۔

سوال: اگر کسی کے پاس اس وقت رقم نہ ہو تو کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے وہ رقم (روپے) ابھی لے لے اور اس کے بدلے میں رقم (روپے) بعد میں دے؟

جواب: رقم قرض لے لے، بعد میں قرض ادا کر دے۔

بینک میں رقم جمع کروانا جائز ہے

سوال: بینک میں رقم جمع کروانا کیسا ہے؟ اگر ٹھیک ہے تو سود کی اعانت تو نہیں؟ جو زکوٰۃ حکومت کاٹتی ہے، شرعی طور پر ادا ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟

جواب: بینک میں رقم جمع کرانا سود میں اعانت تو بلاشبہ ہے، مگر اس زمانے میں بڑی رقم کی حفاظت بینک کے بغیر دُشوار ہے، اس لئے بامرِ مجبوری جمع کروانا جائز ہے، اور اگر لاکر میں رقم رکھوائی جائے تو بہت اچھا ہے۔

گاڑی بینک خرید کر منافع پر بیچ دے تو جائز ہے

سوال: "الف" ۳۰ ہزار روپے قیمت کی گاڑی خریدنا چاہتا ہے، مبلغ ۳۰ ہزار اس کے پاس نہیں ہیں، گاڑی کی اصل قیمت کا بل بنواکر "الف" بینک میں جاتا ہے، بینک ۳۰ ہزار کی گاڑی خرید کر ۵ ہزار روپے منافع پر یعنی ۳۵ ہزار روپے میں یہ گاڑی "الف" کو بیچ دیتا ہے۔ "الف" گاڑی کی قیمت ۳۵ ہزار روپے اقساط میں ادا کرتا ہے، یعنی ۵ ہزار روپے "الف" نے ایڈوانس دے کر گاڑی اپنے قبضے میں لے لی ہے، بقیہ ۳۰ ہزار روپے دس قسطوں میں ۳ ہزار روپے ماہانہ ادا کرے گا۔ کیا اس صورت میں ۵ ہزار روپے بینک کے لئے سود ہو گا یا نہیں؟ ایسا کاروبار کرنا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تفصیل سے بتایئے۔

جواب: اس معاملے کی دو صورتیں ہیں:

اوّل:... یہ ہے کہ بینک ۳۰ ہزار روپے میں گاڑی خرید کر اس کو ۳۵ ہزار روپے میں فروخت کردے، یعنی کمپنی سے سودا بینک کرے اور گاڑی خریدنے کے بعد اس شخص کے پاس فروخت کرے، یہ صورت تو جائز ہے۔

دوم:... یہ ہے کہ گاڑی تو "الف" نے خریدی اور اس گاڑی کا بل ادا کرنے کے لئے بینک سے قرض لیا، بینک نے ۳۰ ہزار روپے پر ۵ ہزار روپے سود لگاکر اس کو قرض دے دیا، یہ صورت ناجائز ہے۔ آپ نے جو صورت لکھی ہے وہ دُوسری صورت سے ملتی جلتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں۔

بینک کے ذریعے باہر سے مال منگوانا

سوال: باہر سے مال منگوانے کی صورت میں بینک کے ذریعہ کام کرنا پڑتا ہے، جس میں یہاں بینک میں "ایل. سی" کھولنا پڑتی ہے، جس میں مال کی مالیت کا کچھ فیصد بینک میں فی الفور ادا کرنا پڑتا ہے، بقایا رقم بینک خود دیتا ہے، جو رقم بینک لگاتا ہے، بینک اس پر سود لیتا ہے، شرعاً اس کا کیا جواز ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بینک کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ مال منگوانے والوں کے وکیل کی حیثیت سے مال منگواتا ہے یا خود خریدار کی حیثیت سے مال منگواکر ان کو دیتا ہے؟ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ: "بقایا رقم بینک

خود دیتا ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک اس چیز کو خود خریدار کی حیثیت سے منگواتا ہے اور اس پر نفع لے کر اس شخص کے پاس فروخت کرتا ہے، اگر یہ صورت ہو تو شرعاً جائز ہے۔ دُوسرے اہلِ علم سے بھی ان کی رائے معلوم کرلی جائے۔

سودی اداروں میں ملازمت کا وبال کس پر؟

سوال: ایک مفتی اور حافظ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ بینک کی ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اور وہاں سے ملنے والی تنخواہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: "بینک کی ملازمت جائز ہے، بینک کا ملازم اگر پوری دیانت داری اور محنت سے اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی تنخواہ بالکل جائز ہوگی۔ البتہ حکومت اور عوام کو بینکوں کے سودی نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے، اور یہ جو بعض علماء بینک ملازم کو غیر مسلم سے اُدھار لے کر اور اپنی تنخواہ سے اس کا قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، بلکہ دِین کے ساتھ مذاق ہے۔" جناب مولانا صاحب! میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور اس پر خجل رہتا تھا، خصوصاً "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں اس موضوع پر آپ کے جوابات پڑھ کر، لیکن اب مفتی صاحب کے مندرجہ بالا جواب سے ایک گونہ اطمینان ہے کہ میری ملازمت ٹھیک ٹھاک ہے، رہ گیا سودی کاروبار بینک کا، وہ حکومت جانے اور عوام۔ آپ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ اور واضح ہو کہ اس مفتی صاحب کے فتویٰ کے بعد بہت سے لوگوں نے سودی قرضہ حلال جان کر لینا شروع کردیا ہے۔

جواب: اس سلسلے میں چند اُمور لائقِ گزارش ہیں:

اوّل:... سود کا لین دین قرآنِ کریم کی نصِ قطعی سے حرام ہے، اس کو حلال سمجھنے والا مسلمان نہیں، بلکہ مرتد ہے۔ اور سودی کاروبار نہ چھوڑنے والوں کے خلاف قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ (البقرۃ:۲۷۹)

دوم:... صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سود کے لکھنے والے پر اور سود کی گواہی دینے والوں پر، اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (مشکوٰۃ ص:۲۴۴)

سوم:... علمائے اُمت نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں "غیر سودی بینکاری" کا مکمل خاکہ بنا کر دیا، لیکن جن دِماغوں میں یہودیوں کا "ساہوکاری نظام" گھر کئے ہوئے ہے، انہوں نے اس پر عمل درآمد ہی نہیں کیا، نہ شاید وہ اس کا ارادہ ہی رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ "عوام" کیا جدوجہد کرسکتے ہیں؟

چہارم:... جس شخص کے پاس حرام کا پیسہ ہو، اس کو نہ اس کا کھانا جائز ہے، نہ اس سے صدقہ کر سکتا ہے، نہ حج کر سکتا ہے، کیونکہ حرام سے کیا ہوا صدقہ اور حج بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں۔ فقہائے اُمت نے اس کے لئے یہ تدبیر لکھی ہے کہ وہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر خرچ کرلے، کیونکہ یہ قرض اس کے لئے حلال ہے، پھر حرام مال قرضے میں ادا کردے، اس کے دینے کا گناہ ضرور ہوگا، مگر حرام کھانے سے بچ جائے گا۔

پنجم:... ہر شخص کا فتویٰ لائقِ اعتماد نہیں ہوتا، اور جس شخص کا فتویٰ لائقِ اعتماد نہ ہو، اس سے مسئلہ پوچھنا بھی گناہ ہے، ورنہ حدیثِ نبوی کے مطابق "ایسے مفتی خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دُوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" (مشکوٰۃ ص:۳۳)

ششم:... غیر معتبر فتویٰ پر مطمئن ہوجانا عدمِ تدین کی دلیل ہے، ورنہ جب آدمی کو کسی چیز کے جواز اور عدمِ جواز میں تردّد ہوجائے تو دِین داری اور احتیاط کی علامت یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز سے پرہیز کرے۔ مثلاً: اگر آپ کو تردّد ہوجائے کہ یہ گوشت حلال ہے یا مردار؟ ایک لائقِ اعتماد شخص کہتا ہے کہ: "یہ مردار ہے" اور دُوسرا شخص (جس کا لائقِ اعتماد ہونا بھی معلوم نہیں) کہتا ہے کہ: "یہ حلال ہے" تو کیا آپ اس کو بغیر کھٹک کے اطمینان سے کھالیں گے...؟ یا کسی برتن میں تردّد ہوجائے کہ اس میں پانی ہے یا پیشاب؟ ایک قابلِ اعتماد، ثقہ آدمی آپ کو بتاتا ہے کہ: "اس میں میرے سامنے پیشاب رکھا گیا ہے" اور دُوسرا کہتا ہے کہ: "میاں! ایسی باتوں پر کان نہیں دھرا کرتے، اطمینان سے پانی سمجھ کر اس کو پی لو" تو کیا آپ کو اس شخص کی بات پر اطمینان ہوجائے گا...؟ الغرض شرع و عقل کا مُسلّمہ اُصول یہ ہے کہ جس چیز میں تردّد ہو اس کو چھوڑ دو۔ اُمید ہے کہ ان اُمور کی وضاحت سے آپ کے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

بینک کے سود کو منافع قرار دینے کے دلائل کے جوابات

سوال: میں ایک بینک ملازم ہوں، تمام عالموں کی طرح آپ کا یہ خیال ہے کہ بینک میں جمع شدہ رقم پر منافع سود ہے، اور اسلام میں سود حرام ہے۔ سود میرے نزدیک بھی حرام ہے، لیکن سود کے بارے میں، میں اپنی رائے تحریر کر رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا میری رائے غلط بھی ہوسکتی ہے، آپ کی رائے میرے لئے مقدم ہوگی۔ میرے نزدیک سود وہ ہے جو کسی ضرورت مند شخص کو دے کر اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی دی ہوئی رقم سے زائد رقم لوٹانے کا وعدہ لیا جائے اور وہ ضرورت کے تحت زائد رقم دینے پر مجبور ہو۔

ا

کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر زیادہ رقم وصول کرنا میرے نزدیک سود ہے، اور اس کو ہمارے مذہب میں سود قرار دیا گیا ہے۔ میرے پاس اپنے اخراجات کے علاوہ کچھ رقم پس انداز تھی جس کو میں اپنے جاننے والے ضرورت مند کو دے دیا کرتا تھا، لیکن ایک دو صاحبان نے میری رقم واپس نہیں کی جبکہ میں ان سے اپنی رقم سے زیادہ وصول نہیں کرتا تھا، اور نہ ہی واپسی کی کوئی مدّت مقرّر ہوئی تھی۔ جب ان کے پاس ہو جاتے تھے وہ مجھے اصل رقم لوٹا دیا کرتے تھے، لیکن چند صاحبان کی غلط حرکت نے مجھے رقم کسی کو بھی نہ دینے پر مجبور کر دیا۔

میرے پاس جو رقم گھر میں موجود تھی، اس کے چوری ہو جانے کا بھی خوف تھا، اور دُوسرے یہ کہ اگر اسی رقم سے میں کچھ آسائش کی اشیاء خریدتا ہوں تو میرے اخراجات میں اضافہ ہو جائے گا، جبکہ تنخواہ اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے میں نے بہتر یہ ہی سمجھا کہ کیوں نہ اس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا جائے، لیکن سود کا لفظ میرے ذہن میں تھا، پھر میں نے کافی سوچا اور بالآخر یہ سوچتے ہوئے بینک میں جمع کروا دیا کہ اس رقم سے ملکی معیشت میں اضافہ ہو گا، جس سے غریب عوام خوش ہوں گے اور دُوسرے میری معاشی مشکلات میں کمی ہو جائے گی۔ میں بینک کے منافع کو سود اس لئے بھی نہیں سمجھتا کہ اس طرح سے کسی کی مجبوریوں سے فائدہ نہیں اُٹھا رہا، کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہا، اور پھر بینک میں جمع شدہ رقم سے ملکی معیشت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے، اس طرح سے بیروزگار افراد کو روزگار ملتا ہے اور پھر یہ کہ بینک اپنے منافع میں سے کچھ منافع ہمیں بھی دیتا ہے۔ میرے نزدیک یہ منافع سود اس لئے نہیں ہے کہ اس طرح سے کسی کی ضروریات سے فائدہ نہیں اُٹھایا گیا، کیونکہ بعض دفعہ کسی کو اُدھار دی ہوئی رقم بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جاتی ہے کہ اصل رقم لوٹانے کے باوجود بھی اصل رقم سے زائد قرض رہ جاتی ہے، میرے نزدیک صرف اور صرف یہ سود ہے، بینک کا منافع نہیں۔

دُوسری بات میری بینک ملازمت ہے، بینک ملازمت کو آپ عالم حضرات ناجائز کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جو روزی کما رہا ہوں، وہ بھی ناجائز ہے۔ تو کیا میں ملازمت چھوڑ دُوں اور ماں باپ اور بچوں کو اور خود کو بھوکا رکھوں؟ کیونکہ ملازمت حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اور پھر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر گورنمنٹ ملازم کو جو تنخواہ ملتی ہے اس میں بینک کے منافع کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو ہر گورنمنٹ ملازم ناجائز روزی کما رہا ہے، اور آپ یہ کہیں کہ وہ شخص محنت کر کے مزدوری کما رہا ہے تو ہمیں بھی بینک بغیر محنت کے تنخواہ نہیں دیتا۔ ہم جو تنخواہ بینک سے لیتے ہیں وہ ہماری محنت کی ہوتی ہے، نہ کہ بینک اپنے منافع سے دیتا ہے۔ اور آپ روزی کے اس ذریعہ کو کیا کہیں گے جو کوئی شخص کسی بینک ملازم کے ہاں، رشوت خور، منشیات فروش، مشرک، طوائف اور

ڈاکو کے ہاں کام کرکے روزی کماتا ہے؟ ان مندرجہ بالا باتوں سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو کہیں پر بھی کوئی بھی ملازمت کرتا ہے اس کی تنخواہ میں ناجائز پیسہ ضرور شامل ہو جاتا ہے، لہٰذا میرے ان سوالوں کا تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: روپیہ قرض دے کر اس پر زائد روپیہ وصول کرنا سود ہے، خواہ لینے والا مجبوری کی بنا پر قرض لے رہا ہو، یا اپنا کاروبار چمکانے کے لئے، اور وہ جو زائد روپیہ دیتا ہے، خواہ مجبوری کے تحت دیتا ہو یا خوشی سے۔ اس لئے آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ سود محض مجبوری کی صورت میں ہوتا ہے۔

۱ ...: یہ بینک کا سود جو آپ کو بے ضرر نظر آرہا ہے، اس کے نتائج آج عفریت کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ امیروں کا امیر تر ہونا اور غریبوں کا غریب تر ہونا، ملک میں طبقاتی کشمکش کا پیدا ہو جانا اور ملک کا کھربوں روپے کا بیرونی قرضوں کے سود میں جکڑا جانا، اسی سودی نظام کے شاخسانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سودی نظام کو اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے، اسلامی معاشرہ خدا اور رسول سے جنگ کرکے جس طرح چور چور ہو چکا ہے، وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ میرے علم میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کچھ لوگوں نے بینک سے سودی قرضہ لیا اور پھر اس لعنت میں ایسے جکڑے گئے کہ نہ جیتے ہیں، نہ مرتے ہیں۔ ہمارے معاشی ماہرین کا فرض یہ تھا کہ وہ بینکاری نظام کی تشکیل غیر سودی خطوط پر استوار کرتے، لیکن افسوس کہ آج تک سود کی شکلیں بدل کر ان کو حلال اور جائز کہنے کے سوا کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

۲ ...: بینک کے ملازمین کو سودی کام (حساب و کتاب) بھی کرنا پڑتا ہے، اور سود ہی سے ان کو تنخواہ بھی ملتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”عن علی رضی اللہ عنہ أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن آکل الربا أو موکلہ وکاتبہ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ:... ”اللہ کی لعنت! سود لینے والے پر، دینے والے پر، اس کی گواہی دینے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر۔“

جو کام بذاتِ خود حرام ہو، ملعون ہو اور اس کی اُجرت بھی حرام مال ہی سے ملتی ہو، اس کو اگر ناجائز نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے...؟ فرض کریں کہ ایک شخص نے زنا کا اڈّہ قائم کر رکھا ہے اور زنا کی آمدنی سے وہ قحبہ خانے کے ملازمین کو تنخواہ دیتا ہے تو کیا اس تنخواہ کو حلال کہا جائے گا؟ اور کیا قحبہ خانے کی ملازمت حلال ہوگی...؟

آپ کا یہ شبہ کہ: ”تمام سرکاری ملازمین کو جو تنخواہ ملتی ہے، اس میں بینک کا منافع شامل ہوتا ہے، اس لئے کوئی ملازمت بھی صحیح نہیں ہوئی“ یہ شبہ اس لئے صحیح نہیں کہ دُوسرے سرکاری ملازمین کو سود کی لکھت پڑھت کے لئے ملازم نہیں رکھا جاتا، بلکہ حلال

ا

اور جائز کاموں کے لئے ملازم رکھا جاتا ہے، اس لئے ان کی ملازمت جائز ہے۔ اور گورنمنٹ جو تنخواہ ان کو دیتی ہے وہ سود میں سے نہیں دیتی بلکہ سرکاری خزانے میں جو رُقوم جمع ہوتی ہیں، ان میں سے دیتی ہے، اور بینک ملازمین کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ: "ملازمت چھوڑ کر والدین کو اور خود کو اور بچوں کو بھوکا رکھوں؟" اس کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ جب قیامت کے دن آپ سے سوال کیا جائے گا کہ: "جب ہم نے حلال روزی کے ہزاروں وسائل پیدا کئے تھے، تم نے کیوں حرام کمایا اور کھلایا؟" تو اس سوال کا کیا جواب دیجئے گا...؟ اور میں کہتا ہوں کہ اگر آپ بھوک کے خوف سے بینک کی ملازمت پر مجبور ہیں اور ملازمت نہیں چھوڑ سکتے تو کم سے کم اپنے گناہ کا اقرار تو اللہ کی بارگاہ میں کر سکتے ہیں کہ: "یا اللہ! میں اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے حرام کما اور کھلا رہا ہوں، میں مجرم ہوں، مجھے معاف فرمادیجئے" اقرارِ جرم کرنے میں تو کسی بھوک، پیاس کا اندیشہ نہیں!...

کوئی محکمہ سود کی آمیزش سے پاک نہیں تو بینک کی ملازمت حرام کیوں؟

سوال: بینک کی نوکری کا ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ اس کا جواب دے کر میرے اور دُوسرے لوگوں کے شکوک و شبہات کو دُور کر دیں گے۔ میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور اس ملازمت کو ایک سودی کاروبار تصوّر کرتا ہوں، اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ جو زمین سود کی دولت سے خریدی گئی ہو اس پر نماز بھی نہیں ہو سکتی، یعنی بینک کی زمین پر۔ میرے کچھ دوست اس بات سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سود میں اور جو سود حرام ہو چکا ہے، بہت فرق ہے۔ بنیے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر سود اُٹھا لیتے اور بڑھاتے جاتے ہیں، اگر مقرّرہ وقت تک قرض نہیں ملتا تو سود مرکب لگا دیا جاتا ہے، جبکہ بینک ایک معاہدے کے تحت دیتے ہیں اور قرض دار کو قرض واپس کرنے میں چھوٹ بھی دے دی جاتی ہے۔ بعض حالات میں سود کو معاف بھی کر دیا جاتا ہے۔ بینک لوگوں کی جو رقم اپنے پاس رکھتے ہیں اسے کاروبار میں لگا کر کافی رقم کما لیتے ہیں اور پھر انہی لوگوں کو ایک منافع کے ساتھ وہ رقم واپس کر دیتے ہیں۔ اگر بینک کی جائیداد سودی جائیداد ہے تو حکومت کی ہر ایک جائیداد بھی سودی ہے، کیونکہ حکومت بینکوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ سود لے اور دے، حکومت اسی رقم سے معیشت کو چلاتی ہے، مثلاً: کوئی اسپتال، اسکول یا جو بھی جائیداد حکومت خریدتی اور بناتی ہے اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔

جواب: آپ کے دوستوں نے "حرام سود" کے درمیان اور بینک کے سود کے درمیان جو فرق بتایا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سود کا لین دین جب بھی ہوگا کسی معاہدے کے تحت ہی ہوگا، یہی بینک کرتے ہیں۔ بہرحال بینک کی آمدنی سود کی مد میں شامل ہے، اس لئے اس پر سودی رقم کے تمام اَحکام لگائے جائیں گے۔

غیر سودی بینک کی ملازمت جائز ہے

سوال: "بینک میں ملازمت جائز ہے یا ناجائز ہے" اس سلسلے میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بہت سے دوست بینک میں کام کرتے ہیں اور مجھے بھی بینک میں کام کرنے کو کہتے ہیں، لیکن میں نے ان سے یہ کہا ہے کہ بینک میں سود کا لین دین ہوتا ہے، اس لئے بینک کی سروِس ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ دُنیا کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے، آخرت کی زندگی بہت لمبی ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔ اس لئے ہر انسان کو دُنیا میں خدا کے اَحکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر زندگی گزارنی چاہئے۔ لہٰذا میں بینک کی ملازمت کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ اس وقت بینک میں سود ہی پر سارا کاروبار ہوتا ہے، اس لئے اگر بینک کی ملازمت اس وقت کرنا ناجائز ہے، تو جیسا کہ ہمارے ملک میں ابھی اسلامی نظام نافذ ہونے والا ہے اور اس میں سود کو بالکل ختم کردیا جائے گا، اس کی جگہ اسلامی نظام کے تحت کام ہوگا، تو اس صورت میں اس وقت بینک میں سود کا نظام اگر ختم ہوجائے تو بینک کی ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ براہِ مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: جب بینک میں سودی کاروبار نہیں ہوگا تو اس کی ملازمت بلاشک وشبہ جائز ہوگی۔

زرعی ترقیاتی بینک میں نوکری کرنا

سوال: کیا میں زرعی ترقیاتی بینک میں نوکری کرسکتا ہوں؟

جواب: زرعی ترقیاتی بینک اور دُوسرے بینک کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

بینک کی تنخواہ کیسی ہے؟

سوال: میں ایک بینک میں ملازم ہوں، جس کے بارے میں شاید آپ کو علم ہوگا کہ یہ ادارہ کیسے چلتا ہے۔ ہم بے شک محنت تھوڑی بہت کرتے ہیں لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ ہماری تنخواہ حلال نہیں۔ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ حلال ہے، اس لئے کہ ہم محنت کرتے ہیں۔ بہرحال گورنمنٹ نے سودی کاروبار ختم کرنے کا اعلان بھی کیا ہے، اور کچھ کھاتے ختم بھی ہو رہے ہیں، لیکن ابھی مکمل نجات نہیں ملی، آیا ہمارا رزق حلال ہے یا حرام؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: بینک اپنے ملازمین کو سود میں سے تنخواہ دیتا ہے، اس لئے یہ تنخواہ حلال نہیں۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ کسی زانیہ نے اپنے ملازم رکھے ہوئے ہوں اور وہ ان کو اپنے کسب میں سے تنخواہ دیتی ہو، تو ان ملازمین کے لئے وہ تنخواہ حلال نہیں ہوگی، بالکل یہی مثال بینک ملازمین کی ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح سود لینے اور دینے والے پر لعنت آئی ہے، اسی طرح اس کے کاتب وشاہد پر لعنت

آئی ہے۔ اس لئے سود کی دستاویزیں لکھنا بھی حرام ہے، اور اس کی اُجرت بھی حرام ہے۔ حرام کو اگر آدمی چھوڑ نہ سکے تو کم از کم درجے میں حرام کو حرام تو سمجھے!

بینک میں سودی کاروبار کی وجہ سے ملازمت حرام ہے

سوال: آیا پاکستان میں بینک کی نوکری حلال ہے یا حرام؟ (دوٹوک الفاظ میں) کیونکہ کچھ حضرات جو صوم و صلوٰة کے پابند بھی ہیں اور پندرہ بیس سال سے بینک کی نوکری کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس میں لگادیا ہے، اور کہتے ہیں کہ: ہم مانتے ہیں کہ سودی کاروبار مکمل طور پر حرام ہے مگر بینک کی نوکری (گو بینک میں سودی نظام ہے) ایک مزدوری ہے جس کی ہم اُجرت لیتے ہیں۔ اصل سود خور تو اعلیٰ حکام ہیں جن کے ہاتھ میں سارا نظام ہے، ہم تو صرف نوکر ہیں اور ہم تو سود نہیں لیتے" وغیرہ وغیرہ۔

جواب: بینک کا نظام جب تک سود پر چلتا ہے اس کی نوکری حرام ہے، ان حضرات کا یہ استدلال کہ: "ہم تو نوکر ہیں، خود تو سود نہیں لیتے" جواز کی دلیل نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔"

پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ملعون اور گناہ میں برابر قرار دیا ہے تو کسی شخص کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ: "میں خود تو سود نہیں لیتا، میں تو سودی ادارے میں نوکری کرتا ہوں۔"

علاوہ ازیں بینک ملازمین کو جو تنخواہیں دی جاتی ہیں، وہ سود میں سے دی جاتی ہیں، تو مالِ حرام سے تنخواہ لینا کیسے حلال ہوگا...؟ اگر کسی نے بدکاری کا اَڈّہ قائم کیا ہو اور اس نے چند ملازمین بھی اپنے اس ادارے میں کام کرنے کے لئے رکھے ہوئے ہوں، جن کو اس گندی آمدنی میں سے تنخواہ دیتا ہو، کیا ان ملازمین کی یہ نوکری حلال اور ان کی تنخواہ پاک ہوگی؟

جو لوگ بینک میں ملازم ہیں، ان کو چاہئے کہ جب تک بینک میں سودی نظام نافذ ہے، اپنے پیشہ کو گناہ اور اپنی تنخواہ کو ناپاک سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرتے رہیں اور کسی جائز ذریعۂ معاش کی تلاش میں رہیں۔ جب جائز ذریعۂ معاش مل جائے تو فوراً بینک کی نوکری چھوڑ کر اس کو اختیار کرلیں۔

بینک کی ملازمت کرنے والا گناہ کی شدّت کو کم کرنے کے لئے کیا کرے؟

سوال: میں عرصہ ۸ سال سے بینک میں ملازمت بطور اسٹینو کر رہا ہوں، جو کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے حرام ہے۔ میں اس دلدل سے نکلنا چاہتا ہوں، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح جان چھڑاؤں؟ گھر کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اور کوئی دُوسرا روزگار بظاہر نظر نہیں آتا۔ اُمید ہے کوئی بہتر تجویز یا مشورہ عنایت فرمائیں گے۔

جواب: آپ تین باتوں کا التزام کریں:

اوّل:... اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہوئے اِستغفار کرتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں کہ کوئی حلال ذریعۂ معاش عطا فرمائیں۔

دوم:... حلال ذریعۂ معاش کی تلاش اور کوشش جاری رکھیں، خواہ اس میں آمدنی کچھ کم ہو، مگر ضرورت گزارے کے مطابق ہو۔

سوم:... آپ بینک کی تنخواہ گھر میں استعمال نہ کیا کریں، بلکہ ہر مہینے کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کا خرچ چلایا کریں، اور بینک کی تنخواہ قرض میں دے دیا کریں، بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔

بینک کی تنخواہ کے ضرر کو کم کرنے کی تدبیر

سوال: میں ایک بینک میں ملازم ہوں، اس سلسلے میں آپ سے التماس ہے کہ آپ مجھے مندرجہ ذیل سوالات کا حل بتائیں:

۱ ...: یہ پیشہ حلال ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم لوگ محنت کرتے ہیں، اس کا معاوضہ ملتا ہے۔

۲ ...: آپ نے فرمایا تھا کہ تنخواہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر اس کو ادا کردی جائے، اگر کوئی غیرمسلم جاننے والا نہ ہو تو اس کا دُوسرا طریقہ کیا ہے؟

۳ ...: حلال روزی کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں، مگر کامیابی نہیں ہوتی، کیا اس رقم کو کھانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی؟ کیونکہ میں دُعا کرتا ہوں، اگر دُعا قبول نہیں ہوتی تو پھر کس طرح میں دُوسرا وسیلہ بناسکوں گا۔

۴ ...: میں نے اس پیسے سے دُوسرا کاروبار کیا تھا، مگر مجھے سات ہزار روپے کا نقصان ہوا، اب میں کوئی دُوسرا کام کرنے سے ڈرتا ہوں، کیونکہ یہ رقم جہاں بھی لگاتا ہوں، اس سے نقصان ہوتا ہے۔ برائے مہربانی اس کا حل بتائیں کہ کوئی کاروبار کرنا ہو تو پھر کیا کیا جائے؟

۵ ...: کہتے ہیں کہ اس رقم کا صدقہ، خیرات قبول نہیں ہوتا، اس کا کیا طریقہ ہے؟

۶ ...: برائے مہربانی کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میری دُعا، نماز، صدقہ، خیرات قبول ہو۔

جواب: بینک کا سارا نظام سود پر چل رہا ہے اور سود ہی میں سے ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے، اس لئے یہ تو جائز نہیں۔ میں نے یہ تدبیر بتائی تھی کہ ہر مہینے کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کا خرچ چلایا جائے اور بینک کی تنخواہ قرض میں دے دی جائے۔ اب اگر آپ اس تدبیر پر عمل نہیں کرسکتے تو سوائے توبہ واِستغفار کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ حرام مال کا صدقہ نہیں ہوتا، اس کی تدبیر بھی وہی ہے جس پر آپ عمل نہیں کرسکتے۔

بینک کی ملازمت کی تنخواہ کا کیا کریں؟

سوال: میں جب سے بینک میں ملازم ہوا ہوں (مجھے تقریباً ۵ سال ہوگئے ہیں) زیادہ تر بیمار رہتا ہوں۔ اب بھی مجھے حلق میں اور سینے میں صبح فجر سے لے کر رات سونے تک تکلیف رہتی ہے۔ میں بینک کی ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن جب تک یہ تکلیف رہے گی میرے لئے اور ملازمت تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ اخبار "جنگ" میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں بھی ایک دفعہ اس سلسلے میں ایک جواب آیا تھا کہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر تنخواہ اس قرض کی ادائیگی میں دے دی جائے، جب تک کہ دُوسری ملازمت نہ ملے، اور دُعا واِستغفار کیا جائے۔ لیکن میرے کسی غیرمسلم سے تعلقات نہیں ہیں، اس لئے میرے لئے اس سے قرض لینا اور پھر تنخواہ اس کی ادائیگی میں دینا بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ ہی اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔ میں نے اپنی اس تکلیف کا علاج بھی مختلف حکیموں، ڈاکٹروں اور رُوحانی علاج بھی کروایا ہے، لیکن ابھی تک افاقہ نہیں ہوا ہے۔

جواب: اپنے کو گنہگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں اور یہ دُعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے رزقِ حلال کا راستہ کھول دیں اور حرام سے بچالیں۔

جس کی نوّے فیصد رقم سود کی ہو، وہ اب توبہ کس طرح کرے؟

سوال: ایک صاحب تمام عمر بینک کی ملازمت کرتے رہے اور جو آمدنی ان کو ہوتی تھی اس میں سود کی ملاوٹ ہوتی تھی اور وہ آمدنی خود اور اسے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے۔ اب ریٹائر ہوگئے ہیں اور انہوں نے سودخوری اپنا پیشہ بنالیا ہے، اب صرف سود پر ان کا گزارہ ہے، اگر خدا کرے اس سودخوری سے وہ توبہ کرلیں تو اس وقت جو ان کے پاس سرمایہ ہے، اس کا کیا کریں؟ کیا توبہ کے بعد وہ سرمایہ حلال ہوسکتا ہے؟ ۹۰ فیصد ان کا سرمایہ بطور سود کے بینکوں سے کمایا ہوا ہے۔

جواب: توبہ سے حرام روپیہ تو حلال نہیں ہوتا، حرام روپے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک موجود ہو تو اس کو واپس کردے، اور اگر ناجائز طریقے سے کمایا ہو تو بغیر نیتِ صدقہ کے کسی محتاج کو دے دے، اور اگر اس کے پاس ناپاک روپے کے سوا کوئی چیز اس کے اور

اس کے اہل وعیال کے خرچ کے لئے نہ ہو تو اس کی یہ تدبیر کرے کہ کسی غیر مسلم سے قرضہ لے کر اس کو استعمال کرے اور یہ ناجائز روپیہ قرض میں ادا کرے۔ قرضے میں لی ہوئی رقم اس کے لئے حلال ہو گی، اگرچہ ناجائز رقم سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہو گا۔

بینک میں ملازم ماموں کے گھر کھانا اور تحفہ لینا

سوال: میرے ماموں بینک میں ملازمت کرتے ہیں، جو کہ ایک سودی ادارہ ہے، تو کیا ہم ان کے گھر کھانا کھا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ تحفے وغیرہ دیں تو وہ استعمال کر سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی کمائی ناجائز اور حرام کی ہے۔ ان کے گھر کھانے سے ہماری نماز، روزہ قبول ہو گا یا نہیں؟

جواب: بینک کی تنخواہ حلال نہیں، ان کے گھر کھانے سے پرہیز کیا جائے، اور جو کھالیا ہو اس پر اِستغفار کیا جائے۔ وہ کوئی تحفہ وغیرہ دیں تو کسی محتاج کو دے دیا جائے۔

بینک میں ملازم عزیز کے گھر کھانے سے بچنے کی کوشش کریں

سوال: میرے عزیز بینک میں ملازم ہیں، ان کے گھر جب جانا ہوتا ہے تو ان کے ہاں چائے وغیرہ پینا کیسا ہے؟ اگرچہ میں دِل سے اچھا نہیں سمجھتا مگر قریبی سسرالی رشتہ دار ہونے کے ناتے جا کر نہ کھانا شاید عجیب لگے۔

جواب: کوشش بچنے کی کی جائے، اور اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو اِستغفار سے تدارک کیا جائے، اگر ممکن ہو تو اس عزیز کو بھی سمجھایا جائے کہ وہ بینک کی تنخواہ گھر میں نہ لایا کریں بلکہ ہر مہینے کسی غیر مسلم سے قرض لے کر گھر میں خرچ دے دیا کریں اور بینک کی تنخواہ سے قرض ادا کر دیا کریں۔

بیمہ اور انشورنس کا شرعی حکم

سوال: بیمہ اور انشورنس، اسلامی اُصولوں کے لحاظ سے کیسا ہے؟ بعض دفعہ درآمدات کے لئے بیمہ ضروری ہوتا ہے، کیونکہ جہاز کے ڈُوبنے اور آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں وہ شخص بیمہ، انشورنس کمپنی پر کلیم (دعویٰ) کر کے کل مالیت وصول کر سکتا ہے، ایسی صورتوں میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: بیمہ کی جو موجودہ صورتیں رائج ہیں، وہ شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں، بلکہ قمار اور جوا کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ اس لئے اپنے اختیار سے بیمہ کرانا تو جائز نہیں، اور اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے بیمہ کرانا پڑے تو اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ وصول کرنا دُرست نہیں۔ چونکہ بیمہ کا کاروبار دُرست نہیں، اس لئے بیمہ کمپنی میں ملازمت بھی صحیح نہیں۔

انشورنس کمپنی کی ملازمت کرنا

سوال: میں ایک انشورنس کمپنی میں کام کرتا ہوں، اور یہاں آنے سے پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ انشورنس میں کام کرنا دُرست نہیں ہے، اور میں اس وقت صرف لائف انشورنس ہی کو غلط سمجھتا رہا۔ میں اس نوکری میں ۱۹۸۵ء سے لگا ہوں۔ ہماری انشورنس کمپنی براہِ راست لائف پالیسی جاری نہیں کرتی بلکہ اس کا تعلق اسٹیٹ لائف سے ہے، یہ کمپنی لائف کے علاوہ اور تمام رِسک لیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اس کو چاہتا ہوں کہ آج ہی چھوڑ دُوں، لیکن پیچھے گھر کو بھی دیکھتا ہوں کہ میرے والد صاحب خود سرکاری آفیسر تھے ریٹائر ہوچکے ہیں اور والد صاحب کی پنشن آتی ہے۔

جواب: آپ فوری طور پر تو ملازمت نہ چھوڑیں، البتہ کسی جائز ذریعۂ معاش کی تلاش میں رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہیں کہ اس سود کی لعنت سے نجات عطا فرمائیں۔ جب کوئی جائز ذریعۂ معاش میسر آجائے تو چھوڑ دیں، اس وقت تک اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہوئے اِستغفار کرتے رہیں۔ اور اگر کوئی صورت ہوسکے کہ آپ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کے خرچ کے لئے دے دیا کریں اور تنخواہ کی رقم سے اس کا قرض ادا کردیا کریں تو یہ صورت اختیار کرنی چاہئے۔

سوال: ضروری بات یہ ہے کہ کمپنی سے دو وقت چائے ملتی ہے، وہ پینا کیسا ہے؟

جواب: نہ پیا کریں۔

کیا انشورنس کا کاروبار جائز ہے؟

سوال: ہمارے ہاں انشورنس کا کاروبار ہوتا ہے، کیا شرعی لحاظ سے یہ جائز ہے؟ میری نظر میں اس لئے دُرست ہے کہ اگر آپ ایک مکان کی انشورنس کرائیں، اگر مکان کو آگ لگ جائے تو رقم مل جاتی ہے، اگر آگ نہ لگے تو اداشدہ رقم ضائع ہوجاتی ہے، اس لئے اس میں چونکہ نفع و نقصان دونوں شامل ہیں، اس لئے جائز معلوم ہوتی ہے۔ البتہ زندگی کی پالیسی سے اگر انسان کی موت یا حادثہ واقع نہ ہوجائے تو کسی وقت وہ رقم ڈبل ہوجاتی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ اسکیم عمدہ نہیں کہ انسان کو تحفظ مل سکتا ہے؟ اگر کوئی

مر دیا عورت بے سہارا ہے اور آخری عمر کی وجہ سے انشورنس کرواتا ہے تو کیا یہ اچھا نہ ہو گا؟ بس ایک تحفظ سا مل جاتا ہے۔ بہر حال آپ کے فتویٰ کا انتظار ہو گا، اہمیت جناب کے فتویٰ کی ہو گی۔

جواب: انشورنس کی جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ صحیح نہیں۔ یہ معاملہ قمار اور سود دونوں سے مرکب ہے۔ رہا آپ کا یہ ارشاد کہ: "اس سے انسانوں کو تحفظ مل جاتا ہے" اس کا جواب قرآنِ کریم میں دیا جاچکا ہے:

"قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔"

ترجمہ:... "آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں، اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

میڈیکل انشورنس کی ایک جائز صورت

سوال: میڈیکل انشورنس یہاں پر کچھ اس طرح سے شروع ہوئی کہ کسی آفس کے چند لوگ باری باری بیمار ہوئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی مالی حالت ابتر ہوگئی۔ اس کے بعد ایک شخص اتنا بیمار ہوا کہ اس کے پاس علاج کے پیسے بھی نہ تھے، اس پر اس کے قریبی دوست واحباب نے کچھ رقم جمع کی جس کی وجہ سے اس کا علاج ہو سکا۔ اس طرح سے اس کے دوست واحباب نے جو کہ ساتھ ملازم تھے، باقاعدہ ایک فنڈ قائم کیا کہ ہر شخص ہر تنخواہ پر چند روپے فنڈ میں جمع کروائے اور پھر بوقتِ ضرورت ہر ممبر کے علاج کے موقع پر اسے مالی امداد مہیا کرے اس سے ممبر لوگوں کو بیماری کے وقت علاج کے لئے فنڈ سے پیسے مل جاتے تھے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ باہر کے لوگ بھی اس فنڈ میں پیسے جمع کروانے لگے، اور بہت سے لوگ اس سے فائدہ اُٹھانے لگے، اور آج پورے امریکہ میں یہ رواج یا انشورنس عام ہے، اور بڑے بڑے لوگ بغیر تنخواہ کے اس کاروبار کو چلارہے ہیں۔ یہ ہے میڈیکل انشورنس، تجارتی طور پر کوئی اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اگر فنڈ میں سے زیادہ بیمار ممبروں پر صَرف ہوتا ہے تو تمام ممبروں کے لئے فیس بڑھادیتے ہیں، اور اگر کم ہوتا ہے تو فیس کم کردیتے ہیں، اگر یہ صورت ناجائز ہے تو اس کا بدل کیا ہو سکتا ہے؟

جواب: میڈیکل انشورنس کی جو تفصیل سوال میں بیان کی گئی ہے، چونکہ اس کے کسی مرحلے میں سود یا قمار نہیں، اور بھی کوئی چیز خلافِ شریعت نہیں، اس لئے امدادِ باہمی کی یہ صورت بلاکراہت جائز بلکہ مستحب ہے۔ علمائے کرام کی طرف سے انشورنس اور امدادِ باہمی کی جو جائز صورتیں مختلف مواقع پر تجویز کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان ملکوں میں اس طرف

توجہ نہ دی گئی۔ کاش! ان کو بھی توفیق ہو کہ وہ انشورنس کی رائج الوقت حرام صورتوں کو چھوڑ کر جائز صورتیں اختیار کرلیں، واللہ اعلم!

بیمہ کمپنی میں بطور ایجنٹ کمیشن لینا

سوال: ایک بیمہ کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ کوئی بھی شخص اگر اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرے گا تو اسے مناسب کمیشن دیا جائے گا۔ آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ کمیشن لینا جائز ہوگا؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ آج کل تین قسطوں پر مشتمل ایک بیمہ پالیسی چل رہی ہے جس میں پالیسی ہولڈر بیمہ کی مدّت کے اختتام پر اپنی اداشدہ رقم کی دُگنی رقم وصول کرسکتا ہے، آپ وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ رقم جائز ہوگی؟

جواب… بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سود پر چلتا ہے، اور سود میں سے کمیشن لینا کیسا ہوگا؟ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح دُگنی رقم میں بھی برابر کا سود شامل ہے۔

دس ہزار روپے والی بیمہ اسکیم کا شرعی حکم

سوال: حکومت نے حال ہی میں ۱۰ ہزار روپے کی جس بیمہ اسکیم کا اعلان کیا ہے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ یہ اَمر ملحوظِ خاطر رہے کہ اس اسکیم کے تحت مرحوم نے اسٹیٹ لائف سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کیا ہوتا ہے اور اسی لئے وہ قسطیں بھی نہیں ادا کرتا، یعنی اس نے اپنی زندگی کا سودا پہلے سے نہیں کیا ہوتا، مرحوم کے لواحقین اگر یہ رقم لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، اگر نہ لینا چاہیں تو ان کی مرضی۔

جواب: یہ تو حکومت کی طرف سے امدادی اسکیم ہے، اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے...؟

اگر بیمہ گورنمنٹ کی مجبوری سے کروائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر بیمہ حکومت کی طرف سے لازمی قرار دیا جائے، تو کیا رَدِّ عمل اختیار کیا جائے؟

جواب: بیمہ، سود و قمار کی ایک شکل ہے، اختیاری حالت میں کرانا ناجائز ہے، لازمی ہونے کی صورت میں قانونی طور سے جس قدر کم سے کم مقدار بیمہ کرانے کی گنجائش ہو، اسی پر اکتفا کیا جائے۔

بیمہ کیوں حرام ہے؟ جبکہ متوفی کی اولاد کی پرورِش کا ذریعہ ہے۔

سوال: بیمہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ایک غریب آدمی یا کوئی اور اپنا بیمہ کرواتا ہے تو اگر اس کی موت واقع ہو جائے اور اس کی اولاد کی پرورِش کے لئے کوئی نہ ہو تو اسے بیمہ کی رقم مل جائے، جس سے وہ اپنے گھرانے کی پرورِش کر سکے۔

جواب: بیمہ کا موجودہ نظام سود پر مبنی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں، اور اس کے پسماندگان کو جو رقم ملے گی وہ بھی حلال نہیں۔

جوا

تاش کھیلنا اور اس کی شرط کا پیسہ کھانا

سوال: مسلمان کے لئے تاش کھیلنا کیسا ہے؟ نیز یہ کہ اگر تاش میں جیتی ہوئی رقم استعمال کی جاتی ہے تو اس گھر میں کھانا پینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: تاش کھیلنا حرام ہے، اور اس پر شرط لگانا جوا ہے، اس سے جیتی ہوئی رقم مردار کھانے کے حکم میں ہے۔

شرط رکھ کر کھیلنا جوا ہے

سوال: یہاں کراچی میں خاص طور پر اکثر ہوٹلوں میں کیرم کلب چل رہے ہیں، وہاں پر کھیلنے والے حضرات بوتل کی شرط یا چائے کی شرط رکھ کر گیم کھیلتے ہیں۔ تو کیا یہ کیرم کھیلنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: شرط رکھ کر کھیلنا جوا ہے، اور "جوا" حرام ہے۔

مرغوں کو لڑانا اور اس پر شرط لگانا

سوال: اکثر لوگوں نے زمانۂ جاہلیت کی بہت سی فرسودہ رسمیں اب تک اپنائی ہوئی ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرغوں کو آپس میں لڑایا جاتا ہے، یہاں تک کہ مرغے ایک دُوسرے کو لہولہان کر کے ہار جیت کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ رِکشوں اور دُوسری گاڑیوں کی ریس لگائی جاتی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ مرغے لڑانے والے بازیگر اور رِکشوں کی ریس دوڑانے والے شعبدہ باز ہزاروں روپے کی شرطیں بھی لگاتے ہیں، جس کا مرغا لڑائی میں یا رِکشا ریس میں ہار جائے اسے اور بھی بہت کچھ ہارنا پڑتا ہے۔ کیا اسلامی معاشرے میں ان حرکتوں کو برقرار رکھنا جائز ہے؟

جواب: شرعاً ایسا مقابلہ ناجائز ہے اور اس سے ملنے والی رقم جوئے کی رقم ہے اور حرام ہے۔

ذہنی یا علمی مقابلے کی اسکیموں کی شرعی حیثیت

سوال: کسی قسم کے ذہنی یا علمی یا تعلیمی مقابلے کے ضمن میں بنیادی طور پر مقابلے کے حل کے ساتھ بلاواسطہ رقم (بصورت منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر) وصول کی جاتی ہے۔ جیسے: "جنگ پزل، مشرق انعامی پزل، نوائے وقت انعامی پزل" وغیرہ۔ یعنی ہر اُمیدوار اوّلاً اس مقابلے کے حل کے ساتھ رقم خرچ کرتا ہے، بعد ازاں مقابلے کے حل میں قرعہ اندازی کی جاتی ہے اور عمرے کا ٹکٹ یا دیگر نقد انعامات وغیرہ دیئے جاتے ہیں، لہٰذا مفصل جواب دیں کہ اس صورتِ حال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ صورت غائبانہ جوا کی ایک قسم ہے اور سود بھی ہے۔ جو رقم فیس داخلہ وغیرہ ساتھ دی جاتی ہے وہ زیادہ کی خواہش اور زیادہ لینے کے لئے دی جاتی ہے، اس لئے سود ہوا، اور ملنا نہ ملنا غیر یقینی، اس لئے جوا ہوا۔ سود اور جوا دونوں حرام ہیں۔ زیادہ ملنے کی صورت نقد کی ہو یا ٹکٹ کی شکل میں، دونوں حرام ہیں۔ ان اسکیموں کا اصل مقصد زائد رقم کا لالچ ہوتا ہے، ذہنی و علمی اضافہ مقصد نہیں ہوتا، اس طرح جوئے کی عادت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے، یہ ایک "شریفانہ جوا" ہے، واللہ اعلم!

جوئے کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

سوال: ایک عرصہ ہوا میں نے ایک حدیث ان الفاظ میں سنی تھی کہ: "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جس نے جوا کھیلا، گویا اس نے میرے خون میں ہاتھ رنگے۔" میں اس حدیث کو ضرورت کے وقت اکثر لوگوں سے کہتا رہا، اب تقریباً چالیس سال بعد کسی کے توجہ دِلانے سے یہ احساس ہوا کہ آیا یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے بھی یا نہیں؟ میں نے اس کی جستجو کی، لیکن ابھی تک میری نظر سے یہ حدیث نہیں گزری۔ اس سے مجھے تشویش ہے کہ کہیں میں نے یہ حدیث غلط تو بیان نہیں کی۔ لہٰذا یہ فرمایئے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط؟ اگر ہے تو کن الفاظ میں اور کس کتاب میں ہے؟ تاکہ ذہنی تردّد دُور ہو، اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔

جواب: آپ نے حدیث جن الفاظ میں نقل کی ہے، وہ تو کہیں نظر سے نہیں گزری، البتہ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"عن بریدة رضی اللہ عنہ اَن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لعب بالنردشیر فکأنما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ۔" (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۳۸۶)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نردشیر کا کھیل کھیلا تو یہ ایسا ہے گویا اس نے خنزیر کے گوشت اور خون میں ہاتھ رنگے۔"

اور مسندِ احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرد کھیلے اور پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے، پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔" (تفسیر ابنِ کثیر ج:۲ ص:۹۲)

"عن علی رضی اللہ عنہ أنہ کان یقول: الشطرنج ھو میسر الأعاجم۔" (مشکوٰۃ ص:۳۸۷)

ترجمہ:... "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۔"

"عن ابن شھاب أن أبا موسی الأشعری رضی اللہ عنہ قال: لا یلعب بالشطرنج الا خاطی۔" (مشکوٰۃ ص:۳۸۷)

ترجمہ:... "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: شطرنج کا کھیل صرف نافرمان خطاکار ہی کھیل سکتا ہے۔"

قرعہ اندازی کے ذریعہ دُوسرے سے کھانا پینا

سوال: ہم پانچ چھ دوست ہیں جو کہ رات کو روزانہ ایک ہوٹل میں جمع ہوتے ہیں اور پھر آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے وہی کھلاتا پلاتا ہے، اس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی صاحب کا نام ہفتے میں چار مرتبہ بھی آتا ہے، کسی کا دو مرتبہ اور کسی کا آتا ہی نہیں۔ تو اس بارے میں شرعی اَحکام کیا ہیں؟

جواب: یہ قرعہ اندازی جائز نہیں، البتہ اگر یہ صورت ہو کہ جس کا نام ایک بار نکل آئے، آئندہ اس کا نام قرعہ اندازی میں شامل نہ کیا جائے یہاں تک کہ تمام رُفقاء کی باری پوری ہوجائے تو جائز ہے۔

قرعہ ڈال کر ایک دُوسرے سے کھانا پینا

سوال: چند آدمی مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ ہم پرچی ڈالیں گے، جس کا نام نکلے گا وہ دُوسرے سارے آدمیوں کو چائے یا مٹھائی کھلائے۔ بھلے اس کا نام روزانہ نکلے اسے ضرور کھلانی پڑے گی۔ ہم نے اس بات سے ان کو منع کیا، یہ جائز نہیں کہ ایک آدمی پر روزانہ بوجھ پڑے، جس آدمی کا نام ایک دن نکل آئے، دُوسرے دن اس کا نام پرچیوں میں نہ رکھا جائے۔

جواب: یہ جو طے کیا ہے کہ جس کا نام نکلا کرے، وہ چائے پلائے، یہ تو صریح جوا ہے، یہ جائز نہیں۔ اور آپ نے جو صورت تجویز کی ہے، وہ دُرست ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت

سوال: پراویڈنٹ فنڈ کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

جواب: مفتی محمد شفیعؒ کا فتویٰ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ لینا جائز ہے۔

بیوہ کو شوہر کی میراث قومی بچت کی اسکیم میں جمع کروانا جائز نہیں

سوال: ایک شخص اپنے پیچھے ایک بیوہ اور دو بچے چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رُخصت ہو گیا۔ اب اس کی بیوی دُوسری شادی کرنا نہیں چاہتی اور شوہر کی چھوڑی ہوئی رقم کو قومی بچت یا کسی اور منافع بخش اسکیم میں لگانا چاہتی ہے، اور اس کے منافع سے (جو دُوسرے معنوں میں سود کہلاتا ہے) اپنی اور اپنے بچوں کی گزر اوقات کرنا چاہتی ہے، کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ جبکہ اسلام میں سود حرام ہے، یہاں تک کہ وہ بدن جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام روزی سے پرورِش کیا گیا ہو۔

جواب: بیوہ کا اس کے شوہر کے ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے، باقی سات حصے اس کے بچوں کے ہیں، سود کی آمدنی حرام ہے، اس روپے کو کسی جائز تجارت میں لگانا چاہئے۔

انٹرپرائزز اِداروں کی اسکیموں کی شرعی حیثیت

سوال: انٹرپرائزز اِداروں کی اسکیموں کے متعلق یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے تمام ممبروں سے قسط وار رقم وصول کرتے ہیں اور ہر مہینے قرعہ اندازی ہوتی ہے، جس کا نام نکلتا ہے اسے موٹر سائیکل کار وغیرہ دے دیتے ہیں اور باقی رقم نہیں لیتے، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اور وہ چیز اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ اور باقی ممبر ہر مہینے قسط جمع کراتے رہتے ہیں، ایک آدمی کو تو ایک قسط پر موٹر سائیکل یا کار مل جاتی ہے اور باقیوں کو آخر تک قسط دینی پڑتی ہے، اس کا جواب عنایت فرمائیں کیا یہ اسکیم جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ صورت ناجائز اور لاٹری قسم کی ہے۔

ہلالِ احمر کی لاٹری اسکیم جوئے کی ایک شکل ہے

سوال: دُوسرے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی ایک ادارہ کام کر رہا ہے "ہلالِ احمر" کے نام سے، جو دُکھی انسانیت کے نام پر تین روپے فی ٹکٹ کے حساب سے انعامی ٹکٹ فروخت کرتا ہے، ان ٹکٹوں کی قرعہ اندازی کا وہی سسٹم ہے جو کہ انعامی بونڈز کا ہوتا ہے، اس ادارے کی جانب سے ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ اس ادارے کی جانب سے دُکھی انسانیت کی جو خدمت کی جاتی ہے کیا وہ جائز ہے؟ کیونکہ جس رقم سے وہ یہ نیک کام انجام دیتے ہیں، وہ رقم ان ٹکٹوں سے حاصل کی جاتی ہے، جو لوگوں کو انعام کا لالچ دے کر فروخت کئے جاتے ہیں۔ نیز اگر اس ٹکٹ کے خریدنے کے بعد کسی

شخص کا انعام نکل آئے تو کیا وہ حلال اور جائز ہو گا یا حرام؟ اکثر ریڈیو پر اس ادارے کی جانب سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہلالِ احمر کے تین روپے والے انعامی ٹکٹ خرید کر دُکھی انسانیت کی خدمت میں حصہ لیں اور لاکھوں روپے کے انعامات حاصل کریں۔

یہ بتائیں کہ آیا اس طرح سے دُکھی انسانیت کی خدمت کی جاسکتی ہے؟ اور اگر ہم یہ ٹکٹ خرید لیں تو کیا ہم کو ثواب ملے گا؟ جبکہ یہ ٹکٹ صرف انعام کے لالچ میں خریدے جاتے ہیں۔ پھر اسی ٹکٹ کے خریدنے سے ثواب کا کیا تعلق؟ اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ہمارے دِل میں انعام کا بالکل لالچ نہیں ہے تو کیا اس ٹکٹ کے خریدنے سے ثواب ملے گا؟ میرے خیال میں تو دُکھی انسانیت کی خدمت اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ یہ ٹکٹ خریدتے ہیں وہ بجائے ٹکٹ خریدنے کے ہلالِ احمر کے فنڈ میں بھی رقم دے کر ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔ اور یہ ادارہ لاکھوں روپے کے انعامات ہر ماہ تقسیم کرتا ہے، یہ لاکھوں روپے کی رقم بھی دُکھی انسانیت کی خدمت میں صَرف کی جاسکتی ہے۔ برائے مہربانی اس مسئلے کا حل بتاکر میری اُلجھن دُور فرمائیں۔

جواب: ہلالِ احمر کا ادارہ تو بہت ضروری ہے، اور خدمتِ خلق بھی کارِ ثواب ہے، مگر روپیہ جمع کرنے کا جو طریقہ آپ نے لکھا ہے، یہ جوئے کی ایک شکل ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

ہر ماہ سو روپے جمع کرکے پانچ ہزار لینے کی پتی اسکیم جائز نہیں

سوال: ایک شخص تقریباً بیس سال سے حیدرآباد کے ایک علاقے میں رہائش پذیر ہے، نہایت ہی شریف اور بااخلاق آدمی ہے، لوگوں میں انہیں عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دینی مسائل سے بخوبی واقف ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، حسب و نسب میں اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لباس اور شکل و صورت میں باشرع ہیں، روزے نماز کے پابند ہیں، اپنے محلے کی جامع مسجد میں اکثر و بیشتر دِینی جلسوں سے بھی خطاب کرتے رہتے ہیں، اور کبھی کبھی اِمام صاحب کی عدم موجودگی میں پنج وقتہ نماز اور جمعہ کے دن تقریر یا اِمامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ دُوسرے محلے اور علاقے کی جامع مسجدوں میں بھی ان کے اِماموں کی عدم موجودگی میں نمازِ جمعہ پڑھانے اور تقاریر کرنے کے لئے انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔

انہوں نے اپنی مدد آپ کے جذبے کے تحت ایک گھریلو پتی اسکیم جاری کی ہے، جس کے وہ خود نگرانِ اعلیٰ اور رقم کے ضامن ہیں۔ اس اسکیم میں ڈھائی سو ممبران ہیں، یہ اسکیم ۱۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے ماہوار کی ہے، اور اس کی مدّت پچاس ماہ ہے ۱۰۰ روپے ماہوار والے ممبر کو ۵،۰۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے ماہوار والے ممبر کو ۱۰،۰۰۰ روپے ہر ماہ قرعہ انداز کے ذریعے دیئے جاتے ہیں۔ پچاس ماہ کی مدّت کے بعد قرعہ اندازی سے باقی رہنے والے ممبران کو ان کی جمع شدہ تمام رقم یعنی ۱۰۰ روپے والوں کو ۵،۰۰۰ روپے

اور ۲۰۰روپے والے کو ۱۰،۰۰۰ روپے یکمشت ادا کردیئے جائیں گے۔ کیونکہ پچاس ماہ میں ان کی یہی رقم جمع ہوگی۔ البتہ ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ جو نام نکالا جاتا ہے اس ممبر کو یکمشت ۵،۰۰۰ روپے یا ۱۰،۰۰۰ روپے کی رقم بطور امداد اَدا کردی جاتی ہے اور اس کے ذمہ جو باقی اقساط رہ جاتی ہے وہ وصول نہیں کی جاتیں۔ اس کی بقایا اقساط کی ادائیگی کی ذمہ داری پتی کے نگرانِ اعلیٰ پر ہوتی ہے، کیونکہ ہر ماہ ممبر کو رقم ادا کرنے کے بعد جو رقم باقی بچتی ہے، اس کے لئے ممبران نے ان کو یہ حق دیا ہے کہ ان کی اس رقم سے نگرانِ اعلیٰ پچاس ماہ تک جو چاہیں کاروبار کریں، لیکن پچاس ماہ کی مدّت کے بعد باقی تمام ممبران کو مقرّرہ وقت پر ان کی تمام جمع شدہ رقم بغیر کسی نفع یا نقصان پر واپس کرنا ہوگی۔ لہٰذا نگرانِ اعلیٰ شرعی طریقے پر کاروبار کرتے ہیں، اور اس کاروبار کے نفع و نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نگرانِ اعلیٰ نہ تو اس جمع شدہ رقم کو بینک میں رکھ کر کوئی سود حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سودی کاروبار میں یہ رقم لگاتے ہیں، یہ بات انہوں نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر اور گواہ بناتے ہوئے قسم کھاکر ہم سے کہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ صرف اپنی مدد آپ کے تحت ایک اسکیم ہے، اس میں کوئی سودی لین دین نہیں ہے، بلکہ اکثر وہ اس رقم سے بعض ضرورت مندوں کو قرضِ حسنہ بھی دیتے رہتے ہیں۔ مذکورہ شخص نے یہ گھریلو پتی اسکیم اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا کرنے اور ان میں بچت کی عادت ڈالنے کے لے شروع کی ہے، اس سے ان کا مقصد کسی قسم کی ناجائز دولت کا حصول نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کیا اس نیک اور دِین دار شخص کو اِمام صاحب کی عدم موجودگی میں پنج وقتہ نماز یا جمعہ کی نماز یا خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہماری نمازیں اس شخص کے پیچھے ہوں گی یا نہیں؟

جواب: گھریلو پتی اسکیم کا جو طریقہ کار سوال میں لکھا گیا ہے، یہ شرعاً جوا ہے۔ اس اسکیم میں شرکت حرام ہے اور جس شخص کو ۱۰۰ روپے کے بدلے ۵،۰۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے کے بدلے ۱۰،۰۰۰ روپے ملیں گے، وہ زائد رقم اس کے لئے حرام ہے۔

نوٹ:... جس نیک شخص نے یہ اسکیم جاری کی ہے، ان کو اس سے توبہ کرنی چاہئے، ورنہ ان صاحب کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

پری پیمنٹ اسکیم کی شرعی حیثیت

سوال: ان دو اسکیموں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

پہلی اسکیم جو تقریباً ۲۵۰ سے ۳۰۰ ممبران پر مشتمل ہوتی ہے، ہر ممبر ۳۰۰ روپے ماہوار دیتا ہے، ہر مہینے قرعہ اندازی ہوتی ہے، قرعہ میں جس کا نام نکل آتا ہے اس کو مبلغ ۱۵،۰۰۰ روپے یا اس کی مالیت کے برابر دُوسری چیز دی جاتی ہے، اور اس سے باقی قسطیں بھی نہیں لی جاتیں۔

دُوسری اسکیم ۱۰۰ ممبران پر مشتمل ہے، اور ہر ماہ ایک ممبر ۱۰۰ روپے دیتا ہے، ہر مہینے قرعہ میں نام نکل آنے کی صورت میں تین ہزار روپے کے زیورات اس کو دیئے جاتے ہیں اور اس سے باقی قسطیں نہیں لی جاتیں۔ اس کے علاوہ ہر مہینے چند اشخاص کو اضافی انعام بھی قرعہ اندازی کے ذریعہ دیئے جاتے ہیں۔ پہلی اسکیم کی مدّتِ تکمیل ۵۰ ماہ، اور دُوسری اسکیم کی مدّتِ تکمیل ۳۰ ماہ ہے۔ اسکیم نمبر ۱ اور اسکیم نمبر ۲ کے قواعد وضوابط اور شرائط کے دونوں پرچے منسلک ہیں۔

جواب: دونوں اسکیمیں سود کی ایک شکل ہیں، اس لئے کہ ہر دو اسکیموں میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ جس ممبر کا بھی نام نکل آیا اس سے بقیہ اقساط نہیں لی جائیں گی، اور نام نکلنے پر اسے ایک مقرّرہ رقم یا اس کے مساوی چیز دی جائے گی۔ دُوسری جانب یہ کہ رقم جمع کرانے کا مقصد اور ارادہ زیادہ رقم حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسکیم نکالنے والے کی تحریک بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ممبر قرعہ اندازی میں حصہ لے کر نام نکلنے پر زائد رقم حاصل کرے، اس وجہ سے اس میں جوا اور سود دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، جو کہ حرام ہیں، ناجائز ہیں اور اس میں تعاون بھی گناہ ہے۔

نیز اسکیم نمبر ۱ کی آٹھویں شرط کے مطابق جو ممبر اسکیم جاری نہ رکھ سکے اس کی جمع شدہ رقم سے ۱۰ فیصد کاٹ لینا یہ بھی ناجائز ہے، جبکہ اس کی پوری کی پوری جمع شدہ رقم واپس ہونی چاہئے۔

نیز اسکیم نمبر ۲ میں ۳۰۰ روپے ماہوار کے مقابلے میں قرعہ اندازی میں نام نکل آنے والے ممبر کو جہاں ۱۵،۰۰۰ روپے لینے کا اختیار ہے، وہاں اس کو ۷ تولہ سونا لینے کا بھی اختیار ہے، اگر وہ سونا لے تو یہ اس اعتبار سے ناجائز ہے کہ جب سونا یا چاندی روپے پیسے کے مقابلے میں فروخت کئے جائیں تو اس میں قبضہ ایک ہی مجلس میں فوری طور پر ہونا چاہئے، یعنی اِدھر پیسے لئے اور اُدھر سونا دیا، جبکہ اس صورت میں ممبر نے رقم ایک ماہ قبل دی تھی اور اس کو ۷ تولہ سونا اب دیا جارہا ہے، چنانچہ یہ بیع اُدھار پر ہوئی اور سونا چاندی میں اُدھار کی بیع ناجائز ہے۔

مندرجہ بالا اُمور کے پیشِ نظر صورتِ مسئولہ میں مذکورہ دونوں اسکیمیں شریعت کی رُو سے ناجائز ہیں، لہٰذا ان اسکیموں میں رقم لگانا بھی ناجائز ہے۔

بچت سرٹیفکیٹ اور یونٹ وغیرہ کی شرعی حیثیت

سوال: حکومت کی طرف سے مختلف قسم کے بچت سرٹیفکیٹ اور یونٹ وغیرہ جاری کردہ ہیں، جو کہ ۶ سال کے بعد دُگنے اور ۱۰ سال کے بعد تین گنا قیمت کے ہو جاتے ہیں، اس کی یہ رقم سود شمار ہوگی یا منافع؟

جواب: رقم پر مقرّر شدہ منافع شرعاً سود ہے، اور حکومت بھی اس کو سود ہی سمجھتی ہے۔

انجمن کے ممبر کو قرض حسنہ دے کر اس سے ۲۵ روپے فی ہزار منافع وصول کرنا

سوال: ہم نے فلاحی کاموں کے لئے ایک انجمن تشکیل دی ہے، اور حسبِ ضرورت ایک ممبر کو ہم کچھ رقم قرضِ حسنہ دیتے ہیں، لیکن ہم فی ہزار روپیہ پر ۲۵ روپے منافع انجمنِ ہذا کے لئے ماہانہ وصول کرتے ہیں۔ اب مشترکہ انجمن میں جس آدمی کو یہ رقم دی جاتی ہے، وہ آدمی اس انجمن کا ممبر ہے۔ آپ یہ وضاحت کیجئے کہ فی ہزار ۲۵ روپے ماہانہ جو وصول کرتے ہیں، آیا یہ سود ہے؟ یا جائز منافع؟

جواب: خالص سود ہے۔

ممبروں کا اقساط جمع کرواکر قرعہ اندازی سے انعام وصول کرنا

سوال: ایک کمپنی اپنے مقرّر کردہ ممبروں سے ہر ماہ اقساط وصول کرکے قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک مقرّر کردہ چیز دیتی ہے، جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے، وہ اپنی چیز وصول کرنے کے بعد قسط جمع کرانے سے بَری ہو جاتا ہے۔ مقرّرہ مدّت تک کچھ ممبر باقی رہ جاتے ہیں، تو کمپنی انہیں مع انعامات ان کی جمع شدہ رقم واپس کر دیتی ہے۔ اس صورت میں شراکت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کوئی ممبر وہ شراکت درمیان میں ختم کرنا چاہے تو کمپنی اس ممبر کی جمع شدہ رقم سے آدھی رقم اپنے پاس رکھتی ہے اور آدھی ممبر کو واپس کرتی ہے۔ اس صورت میں ممبر کو کیا کرنا چاہئے؟ جبکہ اس کی آدھی رقم غبن ہو رہی ہے؟

جواب: یہ معاملہ بھی جوئے اور سود کی ایک شکل ہے، اس لئے جائز نہیں۔ اور مطالبے پر کمپنی کا آدھی رقم خود رکھ لینا بھی ناجائز ہے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں نے ایسے دھندے شروع کر رکھے ہیں، مگر نہ حکومت ان پر پابندی لگاتی ہے، نہ عوام یہ دیکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط!...

یہ کمیٹی ڈالنا جائز ہے

سوال: جو لوگ کمیٹی کے نام پر دس آدمی ۳۲ روپیہ فی کس جمع کرتے ہیں، مہینے کے بعد قرعہ اندازی کرکے ممبران میں سے جس کا نام نکل آئے تو مبلغ ۶،۰۰۰ روپے دے دیتے ہیں، جبکہ اس کی جمع شدہ رقم ۹۶۰ روپے ہوتی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ جس ممبر کی کمیٹی نکل آئے وہ ۳۲ روپے یومیہ بھی دیتا رہتا ہے اس وقت تک جب تک ۶،۰۰۰ روپے پورے نہیں ہوتے۔

جواب: یہ کمیٹی کا طریقہ قرض کے لین دین کا معاملہ ہے، میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔

کمیٹی (بیسی) ڈالنا جائز ہے

سوال: میں نے ایک کمیٹی ڈال رکھی ہے، پچھلے ہفتے ایک صاحب سے سنا ہے یہ کمیٹی جو آج کل ایک عام رواج بن چکی ہے، سراسر سود ہے، لہٰذا مہربانی فرما کر آپ یہ بتائیں کہ کیا شرعی لحاظ سے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: کمیٹی ڈالنے کی جو عام شکل ہے کہ چند آدمی رقم جمع کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ وہ رقم کسی ایک کو دے دی جاتی ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جبکہ باری باری سب کو ان کی رقم واپس مل جاتی ہے۔

کمیٹی ڈالنے کا مسئلہ

سوال: آج کل رواج ہے کہ بارہ یا چوبیس آدمی آپس میں رقم ایک کے پاس جمع کرتے ہیں، مثلاً: فی آدمی ۶۰ روپے، اور ماہ کی آخری تاریخ میں اس پر قرعہ ڈالتے ہیں جس کو آج کل کی اصطلاح میں "کمیٹی" بولتے ہیں، ہمارے شہر کے علماء کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، مگر اچھے خاصے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور کوئی پروا بھی نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک دُوسرے کے ساتھ احسان ہے، سود کیسے بنتا ہے؟ تو مہربانی فرما کر شریعتِ مطہرہ کی رُو سے بیان فرمائیں۔

جواب: کمیٹی کے نام سے بہت سی شکلیں رائج ہیں، بعض تو صریح سود اور جوئے کے حکم میں آتی ہیں، وہ تو قطعاً جائز نہیں۔ اور جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس کے جواز میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز۔ اس لئے خود تو پرہیز کیا جائے لیکن دُوسروں پر زیادہ شدّت بھی نہ کی جائے۔

ناجائز کمیٹی کی ایک اور صورت

سوال آج کل لوگوں نے ایک نئی کمیٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، مثلاً: ۱۰۰ روپے روز کی کمیٹی ڈالتے ہیں، اس کمیٹی کے ممبران کل ۱۰۰ بنتے ہیں، پندرہ ماہ تک کی کمیٹی ہوتی ہے، وہ ہر ماہ ایک کمیٹی کھولتے ہیں، پندرہ ماہ کے اندر اندر جس ممبر کی کمیٹی کھلتی ہے چاہے پہلے ہی کھلے وہ کمیٹی لے لے گا اور کمیٹی لینے کے بعد وہ کوئی رقم کمیٹی والوں کو ادا نہیں کرے گا۔ یعنی پہلی کمیٹی صرف ۳،۰۰۰ روپے دے کر ۴۵ ہزار روپے حاصل کرے گا۔ چند ماہ تک وہ پندرہ ممبران کی کمیٹی کھولیں گے اور انہیں اسی طرح ۴۵ ہزار روپے ادا کرتے رہیں گے۔ پندرہ ماہ پورے ہونے کے بعد بقایا ۸۵ ممبران کو بھی وہ ۴۵ ہزار روپے فی ممبر ادا کریں گے۔ اب صورتِ حال کچھ اس طرح بنتی ہے کہ ۱۰۰ ممبران کی ایک ماہ میں انہیں ۲۵،۵۰۰ روپے، ۴۵ ہزار روپے ادا کرنے کے بعد رقم بچتی ہے،

پندرہ ماہ تک ان کے پاس کل رقم ۳۸۲،۵۰۰ روپے جمع ہوتی ہے۔ پندرہ ماہ پورے ہونے پر ۱۰۰ ممبران جس میں پندرہ ممبران ہر ماہ نکلنے والی کمیٹی کے بھی شامل ہیں، انہیں کل رقم ادا کرنی ہے ۴۵ ہزار روپے، اس طرح پندرہ ماہ بعد انہیں ۶۷،۵۰۰ روپے کا نقصان ہوگا۔ اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے وہ سیونگ بینک میں منافع حاصل کرنے کے لئے ہر روز رقم جمع کرتے رہتے ہیں، یا پھر وہ ممبران کی رقم سے بزنس کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ جب جو چیز مارکیٹ میں سستی ملتی ہے، اس کا ذخیرہ کرلیتے ہیں، اور جب مارکیٹ میں مال ختم یا مہنگا ہو جاتا ہے تو اسے فروخت کردیتے ہیں، یا پھر انعامی بانڈز زیادہ تعداد میں خرید لیتے ہیں، ان میں بھی کوئی نہ کوئی انعام نکل آتا ہے، ان طریقوں سے وہ نقصان کی رقم پوری کرتے ہیں۔

اب شرعی نقطۂ نظر سے اس طرح کمیٹی ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو پندرہ ممبران تھوڑی رقم دے کر زیادہ رقم حاصل کرتے ہیں، ان کی وہ رقم کون سی کمائی کہلائے گی؟ اور کمیٹی ڈالنے والے نقصان پورا کرنے کے لئے اس طرح منافع بخش کاروبار کرتے ہیں تو ان کا کاروبار اور منافع جائز و حلال ہے یا ناجائز و حرام؟

جواب: ایسی کمیٹی سود اور قمار (جوا) کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کے حرام اور باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

نیلامی بیسی (کمیٹی) جائز نہیں

سوال: ہماری تقریباً چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی ہے، جس کو "بی سی" کہتے ہیں، یہ نیلامی کمیٹی ہے جس میں ہر ممبر ماہانہ ۱۵۰۰ روپے جمع کرتا ہے جس سے مجموعی رقم ۶۰ ہزار روپے بن جاتی ہے۔ یہ نیلامی کمیٹی ہے جب سب ممبر اکٹھے ہوتے ہیں تو اس پر بولی لگتی ہے، یہ ۶۰ ہزار روپے ایک ممبر اپنی مرضی سے ۱۶ ہزار روپے میں لے لیتا ہے، یعنی اس پر کوئی دباؤ اور جبر نہیں ہوتا۔ اس سے ہم کو آگاہ کریں کہ اس میں گناہ ہے یا نہیں؟ اور یہ ۱۶ ہزار روپے فی ممبر ۴۰۰ روپے سود آتا ہے، وہاں کمیٹی کے رجسٹر میں پورا ۱۵۰۰ روپے لکھ دیتا ہے، یعنی ۴۰۰ منافع ہوا۔

جواب: یہ جائز نہیں، بلکہ سود ہے۔

انعامی بونڈز کی رقم کا شرعی حکم

سوال: میں نے ایک دوست کے مشورے سے ۵۰ روپے کا بونڈ خریدا، فیصلہ ہوا کہ بونڈ کھلنے کی صورت میں آدھا انعام میرا اور آدھا انعام اس کا ہوگا۔ اتفاق سے ایک دن بعد وہ بانڈ ۵۰ ہزار روپے کا کھل گیا، چونکہ میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا اس لئے میں نے

اس کو ۲۵ ہزار روپے ادا کردیئے۔ لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ انعامی بونڈ کا انعام سود سے بھی بدتر ہے، تو مجھے بہت دُکھ ہوا اور میں نے اس کو استعمال بھی نہیں کیا، اور نہ میں اب استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن افسوس! میرے والدین یہ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ پیسہ استعمال نہیں کرتے تو ہمیں دے دو، ہماری مرضی ہم کچھ بھی کریں۔ حالانکہ ہم گھر والے اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے کے ہیں۔ بتلایئے اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں خاص اور اہم بات یہ بتائی جائے کہ میں اس پیسے کو کہاں صَرف کروں؟

جواب: انعامی بونڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے، حقیقتاً یہ سود کی ایک شکل ہے۔ انعامی بونڈز کے اِنعام میں ملنے والی رقم حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ بینک جب انعامی بونڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعہ سے جو رقم وہ عوام سے کھینچ لیتا ہے اس رقم کو عموماً بینک کسی کو سودی قرضے پر دے دیتا ہے۔ جس شخص کو قرضہ دیتا ہے اس سے بینک سود وصول کرکے اس سودی رقم میں سے کچھ اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کردیتا ہے کہ جنھوں نے انعامی بونڈز خریدے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم لوگوں کو ملتی ہے وہ اصل میں سود ہی کی رقم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ بینک اس رقم کو سودی قرضے پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بونڈز خریدنے والوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، پھر بھی انعامی بونڈز پر ملنے والی رقم جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اوّل تو پارٹنرشپ کے بزنس میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر ہی نہیں۔

دُوسری بات یہ کہ تجارتی اور شرعی اُصول کے مطابق پارٹنرشپ کے کاروبار میں جب نفع ہوتا ہے تو اس نفع میں سے ہر پارٹنر (شریک) کو اتنے فیصد ہی حصہ ملتا ہے کہ جتنے فیصد اس نے روپیہ لگایا ہے، نفع کی تقسیم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ کرنا، اس میں بہت سوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے، لہٰذا پرائز بونڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ درحقیقت سود اور جوئے دونوں کا مرکب ہے، اگرچہ بینک اسے ”اِنعام“ ہی کہتا رہے۔ زہر کو اگر کوئی تریاق کہے تو وہ تریاق نہیں بنتا، بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔ یہ وہی پُرانی شراب ہے جو نئی بوتلوں میں بند کرکے، نئے لیبل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

آپ کے والدین اگر یہ کہتے ہیں کہ رقم ہمارے حوالے کردو، تو شرعی اعتبار سے اس اَمر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے، جس طرح آپ خود حرام کمائی سے بچنا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کو بھی اس حرام ذریعہ آمدنی سے محفوظ رکھیں اور یہ رقم ان کے حوالے نہ کریں۔

باقی یہ کہ یہ رقم پھر آپ کہاں استعمال کریں؟ تو اس میں ایک تو یہ ہے کہ اگر آپ نے بینک سے اپنے اِنعام کی رقم نہیں لی ہے تو اَب مت لیجئے، اور اگر آپ اِنعام کی رقم لے چکے ہیں تو اس کو ان لوگوں میں بغیر نیتِ ثواب کے صدقہ کردیں کہ جو لوگ زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کے مستحق ہیں۔

پرائز بونڈز بیچ کر اس کی رقم استعمال کرنا دُرست ہے

سوال: پرائز بونڈز کی اِنعامی رقم حرام ہے، اگر حرام ہے تو ہم نے جو بونڈز خرید رکھے ہیں وہ کسی آدمی کو بیچ دیں تو آنے والی رقم کیا ناجائز ہوگی؟

جواب: اِنعامی بونڈز کی رقم لینا جائز نہیں، جتنے میں خریدا ہے، اتنی ہی رقم میں اسے بیچنا یا بینک کو واپس کردینا دُرست ہے۔

پرائز بونڈز کا حکم

سوال: پچھلے ہفتے پاکستان ٹیلیویژن کے ایک پروگرام میں پروفیسر علی رضا شاہ نقوی نے ایک سوال: ”کیا پرائز بونڈز کی صورت میں کسی بھی بونڈز ہولڈر کی رقم ضائع نہیں ہوتی، جبکہ جوا اور لاٹری میں صرف ایک آدمی کو رقم ملتی ہے اور دُوسروں کی رُقوم ضائع ہوجاتی ہیں، لہٰذا انعامی بونڈز پر موصولہ رقم کے انعام سے حاصل شدہ رقم سے حج کیا جاسکتا ہے؟“ کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ: ”پرائز بونڈز کرنسی کی ایک دُوسری شکل ہے، جسے ملک میں کہیں بھی کیش کروایا جاسکتا ہے، اِنعام نکلے تو جائز اور حلال ہے، اور اس سے حج کیا جاسکتا ہے۔“ کیا شریعت کی رُو سے واقعی یہ جواب دُرست ہے؟

جواب: یہ جواب بالکل غلط ہے، سوال یہ ہے کہ جس شخص کو اِنعامی بونڈز کی رقم ملی، وہ کس مد میں ملی؟ اور شریعت کے کس قاعدے سے اس کے لئے حلال ہوگئی...؟

بینک اور پرائز بونڈز سے ملنے والا نفع سود ہے

سوال: میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو بینکوں میں رقم رکھوانے سے اور پرائز بونڈز اور سرٹیفکیٹس پر جو نفع ملتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ میرے علم میں تو یہ ہے کہ یہ سود ہے، لیکن ایک صاحب فرماتے ہیں کہ: ”اس کو سود ماننے کو ہماری عقل نہیں مانتی کیونکہ یہ تو تجارت ہے، اور جو نفع ملتا ہے وہ سود نہیں بلکہ خالص منافع ہے، اور مُلّاؤں نے خواہ مخواہ ہی اسے سود قرار دیا ہے، اس کی کوئی عقلی

۱

دلیل نہیں ہے۔" پس اب آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں اس کی وضاحت کر دیجئے تا کہ یہ غلط فہمی دُور ہو جائے۔

جواب: یہ بھی سود ہے۔ اگر کسی کی عقل نہ مانتی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کرانی چاہئے، یا فردائے قیامت کا انتظار کرنا چاہئے، اس دن پتا چل جائے گا کہ مُلّا ٹھیک کہتا تھا یا مسٹر صاحب کی عقل ٹھیک سوچتی تھی!...

اِنعامی اسکیموں کے ساتھ چیزیں فروخت کرنا

سوال: اب سے کچھ عرصہ پہلے تک مملکتِ پاکستان میں بچوں کے لئے ٹافیاں وغیرہ بنانے والے کاروباری منافع خوروں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ اپنے ناقص مال کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے مختلف لاٹریوں اور اِنعامی کوپن کے چکر چلا کر معصوم بچوں کو بیوقوف بنایا جارہا تھا۔ مثلاً: اگر بچے کوئی مخصوص سپاری یا چیونگم خریدیں تو ہر پیکٹ میں ایک سے پانچ یا سات تک کوئی نمبر ہو گا، بچوں سے کہا جاتا ہے اگر وہ یہ نمبر پورے جمع کر لیں تو انہیں ایک عدد گھڑی، گانوں کا کوئی کیسٹ یا کوئی اور قیمتی چیز بطور انعام دی جائے گی۔ معصوم بچے انعام حاصل کرنے کے لالچ میں دھڑا دھڑ ناقص اور صحت کے لئے نقصان دہ چیزیں خرید کر کثرت سے کھاتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف تو یہ بچے اپنے والدین کا پیسہ برباد کرتے ہیں، اور دُوسری طرف ملک و قوم کی امانت یعنی اپنی صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچے کتنی بھی خریداری کر لیں مگر وہ نمبر پورے جمع نہیں ہوتے ہیں۔ اب تک یہ سلسلہ بچوں تک محدود تھا، مگر زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اِنعامی اسکیم کی یہ کاروباری حکمتِ عملی بھی کسی وبائی بیماری کی طرح چاروں طرف پھیلتی چلی گئی اور آج ہمارے وطنِ عزیز کی بڑی بڑی کمپنیاں ایک دُوسرے پر بازی لے جانے کے لئے چاروں طرف انعامی اسکیموں کا جال پھیلا رہی ہیں۔ یہ انعامی اسکیمیں اس غریب ملک کے عوام کے ساتھ ایک بڑا ظلم ہے، کیونکہ یہ اسکیمیں انہیں فضول خرچی اور غیر ضروری خریداری کی طرف صرف اور صرف انعام کے لالچ کی وجہ سے راغب کر رہی ہیں، جس کے نتیجے میں ایک عام آدمی کے محدود مالی وسائل نہ صرف بُری طرح متأثر ہوتے ہیں، بلکہ اس کے لئے مالی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں کا باعث بھی بنتے ہیں، کیونکہ ان انعامی اسکیموں کے جاری کرنے والے مفاد پرست عناصر نے کمالِ ہوشیاری کے ساتھ ایسے حربے اپنائے ہوئے ہیں کہ اوّل تو اِنعام نکلتا ہی نہیں اور اگر نکلتا ہے تو لاکھوں خریداروں میں صرف ایک آدھ کا، نتیجہ ظاہر ہے مایوسی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ صورتِ حال نہ صرف مایوس کن بلکہ باعثِ ندامت بھی ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں جہاں کی حکومت ملک کے معاشرے کو اسلامی قانون اور شریعت میں ڈھالنے کی سخت جدوجہد کر رہی ہے، وہاں چند مفاد پرست اور خود غرض عناصر اپنے مالی

فائدے کے لئے ملک کے سادہ لوح غریب عوام اور معصوم بچوں ونوجوانوں کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں، کیونکہ ان لاٹری اسکیموں کا شکار سب سے زیادہ بچے اور نوجوان ہو رہے ہیں، جن میں انعام کی لالچ میں جوئے اور قمار بازی کا عنصر جنم لے رہا ہے، جو آگے چل کر ان کی اخلاقی اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ ملکی ذرائع ابلاغ جو ہمارے اندر قومی تشخص اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے صحیح فضا بنانے کے ذمہ دار ہیں، انہیں بھی اس وبا اور غیر اخلاقی مہم کو گھر گھر پہنچانے کے لئے بے دریغ استعمال کیا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ٹیلیویژن جو کہ حکومتِ پاکستان کا ایک قومی ادارہ ہے، اس پر آج کل اسکیموں کے اشتہارات کی بھرمار ہے۔

محترمی! خود میرے ساتھ بھی یہ واقعہ ہو چکا ہے۔ ریڈیو پاکستان کراچی سے ایک مشہور چائے کمپنی کے کمرشل ریڈیو پروگرام میں بہترین شعر روانہ کرنے پر مجھے چائے کے پورے کارٹن کا حق دار قرار دیا گیا اور ریڈیو پر اس کا باقاعدہ اعلان بھی کیا گیا، کافی عرصہ انتظار کے بعد جب انعام مجھے موصول نہ ہوا تو میں مذکورہ کمپنی کے دفتر گیا، وہاں انہوں نے جواب دیا کہ: "ہمیں کچھ معلوم نہیں، آپ ریڈیو والوں سے جاکر معلوم کریں۔" اس طرح کے انعامی چکر آج کل چاروں طرف چل رہے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ فقہِ حنفیہ کی روشنی میں یہ بتائیے کہ کیا یہ انعامی اسکیمیں دینِ اسلام میں جائز اور حلال ہیں؟ اگر نہیں تو حکومت چاروں طرف پھیلے ہوئے اس غیر اخلاقی طوفان کا کوئی نوٹس کیوں نہیں لیتی؟

جواب: کسی چیز کے انفرادی جواز وعدمِ جواز سے قطع نظر اس کے معاشرتی فوائد ونقصانات پر غور کرنا چاہئے، آپ نے انعامی لاٹریوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے، یہ ملک وملت کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں۔ اس لئے حکومت کو اس فریب دہی کا سدِ باب کرنا چاہئے۔

جہاں تک انفرادی جواز کا تعلق ہے، بظاہر کمپنی کی طرف سے انعامی کوپن کا اعلان بڑا دلکش اور معصوم معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی انعام کی شرط پر اپنی چیزیں فروخت کرتی ہے اور خریداروں میں سے ہر خریدار گویا اس شرط پر چیز خریدتا ہے کہ اسے یہ انعام ملے گا، گویا اس کاروبار کا خلاصہ "خرید وفروخت بشرطِ انعام" ہے، اور شرعاً ایسی خرید وفروخت ناجائز ہے جس میں کوئی ایسی خارجی شرط لگائی جائے جس میں فریقین معاملے میں سے کسی ایک کا نفع ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ: "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرید وفروخت سے منع فرمایا، جس میں شرط لگائی جائے" اس لئے یہ انعامی کاروبار شرعاً ناجائز بھی ہے اور معاشرے کے لئے مہلک بھی، حکومت کو چاہئے کہ اس پر پابندی عائد کرے۔

انعامی پروگراموں میں حصہ لینا کیسا ہے؟

سوال: میں اکثر انعامی پروگراموں میں حصہ لیتا ہوں، اور مختلف کہانیاں اور دیگر معلومات انعامی پروگراموں کے لئے بھیجتا ہوں، جن میں کافی محنت خرچ ہوتی ہے، اگر میرا انعام نکل آئے تو وہ انعام میرے لئے صحیح ہے یا غلط؟

پیشگی رقم دینے والے کے کمیشن کی شرعی حیثیت

سوال: میں کمیشن ایجنٹ ہوں، فروٹ مارکیٹ میں میری آڑھت کی دُکان ہے، کوئی زمین دار یا ٹھیکے دار مال لے آتا ہے تو فروخت کرنے کے بعد دس فیصد کمیشن کی صورت میں لے کر کے بقایا رقم ادا کر دیتا ہوں۔ اب اس میں پریشانی والا مسئلہ یہ ہے کہ زمین دار یا ٹھیکے دار کو مال لانے سے قبل بیس پچیّس ہزار روپے دیتا ہوں تاکہ مجھے مال دے، اور عام دستور بھی یہی ہے کہ زمین دار اور ٹھیکے دار کو مال لانے سے قبل اسی لالچ پر پیسے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ مال بھیجے اور اس مال کے فروخت پر کمیشن لیا جاسکے۔ اب اس طریقہ کار پر مختلف باتیں سنتے ہیں، کچھ سود کا کہتے ہیں، اور بعضے لوگ حرام کا کہتے ہیں، اور زیادہ تر لوگ جو اس کام سے تعلق رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حلال ہے۔

جواب: چونکہ زمین دار ان کو یہ رقم پیشگی کے طور پر دیتے ہیں، یعنی ان کا مال آتا رہے گا اور اس میں سے ان کی رقم وضع ہوتی رہے گی، اس لئے یہ ٹھیک ہے، اس پر کوئی قباحت نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ دُکان دار کے پاس کچھ روپیہ پیشگی جمع کرادیا جائے اور پھر اس سے سوداسلف خریدتے رہیں، اور آخر میں حساب کرلیا جائے۔

زمین دار کو پیشگی رقم دے کر آڑھت پر مال کا کمیشن کاٹنا

سوال: اکثر و بیشتر چھوٹے بڑے زمین دار زرعی ضرورتوں کے پیشِ نظر آڑھتیوں سے بوقتِ ضرورت بطور اُدھار کچھ رقم لیتے رہتے ہیں، زرعی فصل کی آمد پر اجناس فصل آڑھتیوں کے حوالے کردی جاتی ہے، بوقتِ ادائیگی رقم مذکورہ آڑھتی واجب الادا رقم میں سے ۲۰ فیصد رقم منہا کرکے بقایا رقم مذکورہ زمین دار کے حوالے کرتا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا ایسی رقم جس کو کمیشن کا نام دیا جاتا ہے اَز رُوئے قرآن و سنت کسی سے لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو ایسی ناجائز رقم لینے اور دینے والے دونوں کے لئے کیا وعید آئی ہے؟

جواب: یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ ایک مسئلہ ہے کاشت کاروں کا آڑھتیوں سے رقم لیتے رہنا اور فصل کی برآمد پر اس رقم کا ادا کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آڑھتی ان کاشت کاروں سے قبل از وقت سستے داموں غلہ خرید لیں، مثلاً: گندم کا نرخ اَسّی روپے ہے، آڑھتی کاشت کار سے فصل آنے سے دو مہینے پہلے ساٹھ روپے کے حساب سے خرید لیں اور فصل وصول کرنے کی تاریخ، جگہ، جنس کی نوعیت وغیرہ طے کرلیں، یہ صورت جائز ہے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ علی الحساب رقم دیتے جائیں اور فصل آنے پر اپنا قرض مع زائد پیسوں کے وصول کریں، یہ سود ہے اور قطعی حرام ہے۔

دُوسرا مسئلہ آڑھتی کے کمیشن کا ہے، یعنی اس نے جو کاشت کار کا غلہ یا جنس فروخت کی ہے، اس پر وہ اپنا محنتانہ فیصد کمیشن کی شکل میں وصول کرے (عام طور پر ''آڑھت'' اسی کو کہا جاتا ہے)، یہ صورت حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تو جائز نہیں، بلکہ ان کو اپنی محنت کے دام الگ طے کرنے چاہئیں، کمیشن کی شکل میں نہیں، مگر صاحبینؒ اور دُوسرے ائمہؒ کے قول کے مطابق جائز ہے۔

ایجنٹ کے کمیشن سے کاٹی ہوئی رقم ملازمین کو نہ دینا

سوال: ہمارے ہاں کپڑا مارکیٹ میں ایک تسلیم شدہ رسم ہے کہ مالکِ دُکان جب کسی ایجنٹ کی معرفت کپڑا فروخت کرتا ہے تو اس کو کمیشن دیتے وقت دس پیسہ فی روپیہ کے حساب سے رقم کاٹتا ہے، جس کو ہمارے ہاں ''سگھڑی'' کہتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ سگھڑی دُکان کے نوکروں کے لئے ہوتی ہے اور پورے مہینے کی جمع شدہ سگھڑی ہر ماہ کے آخر میں تمام نوکروں کو مساوی تقسیم کردی جاتی ہے۔ کچھ مالکانِ دُکان یہ رقم ایجنٹ کے کمیشن سے تو کاٹتے ہیں مگر خود کھا جاتے ہیں، استفسار پر وہ کہتے ہیں کہ یہ رقم ہمارے رشتے کی بیواؤں اور یتیموں کو دی جاتی ہے جو بہت غریب ہیں۔ کیا غریب کارکنان کا حق مار کر بیواؤں کو دینا شرعاً جائز ہے؟

جواب: دس پیسے کاٹ کر جو رقم دی گئی ہے، دلال کی اُجرت اتنی ہی ہوئی، اور دس پیسے جو باقی رہ گئے وہ مالک کی ملکیت میں رہے، خواہ کسی کو دے دے، یا خود رکھ لے۔

چندہ جمع کرنے والے کو چندے میں سے فیصد کے حساب سے کمیشن دینا

سوال: کسی دِینی مدرسے کے لئے کوئی سفیر مقرّر کیا جائے اور وہ سفیر کہے کہ میں ۳۳فیصد یا ۳۰فیصد لوں گا، جبکہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں زکوٰۃ، صدقات اکٹھا کرنے والے حضرات کو بیت المال سے مقرّرہ ماہانہ دیا جاتا تھا، اور آج ایک سفیر دِینی ادارے کے لئے کام کرنے کا ۳۰فیصد یا ۳۳فیصد لینا چاہتا ہے، جبکہ ایک مفتی صاحب یہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ یہ کمیشن لینا یعنی فیصد لینا ناجائز ہے،

اور میرا موقف ہے کہ یہ جائز ہے، یا اسے تنخواہ دی جائے یا فیصد؟ اب آپ سے استدعا ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول سے مکمل واضح اور مدلل جواب عنایت فرما کر اُمتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمائیں۔

جواب: سفیر کا فیصد کمیشن مقرّر کرنا دو وجہ سے ناجائز ہے، ایک تو یہ اُجرت مجہول ہوئی، کیونکہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ مہینے میں کتنا چندہ کرکے لائے گا؟ دُوسری وجہ یہ کہ کام کرنے والے نے جو کام کیا ہو اسی میں سے اُجرت دینا ناجائز ہے، اس لئے سفیر کی تنخواہ مقرّر کرنی چاہئے۔

قیمت سے زائد بل بنوانا نیز دلالی کی اُجرت لینا

سوال: ہماری ایک دُکان ہے، ہمارے پاس کوئی گاہک آتا ہے اور جو مال پچاس روپے کا ہوتا ہے، ہم سے کہتا ہے کہ اس کا بل پچپن روپے سے بنادو، لیکن ہم ایسا نہیں کرتے تو گاہک چلا جاتا ہے، دُوسری دُکان سے بل بڑھا کر مال لے لیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: یہ تو جھوٹ ہے، البتہ اگر ۵۵ روپے کی چیز فروخت کرکے پانچ روپے چھوڑ دیئے جائیں تو جائز ہے، مگر یہ رعایت اس ادارے کے لئے ہے جس کا نمائندہ بن کر یہ شخص مال خریدنے کے لئے آیا ہے، زائد رقم کا بل لے کر، زائد رقم کو اپنی جیب میں ڈال لینا اس کے لئے حرام ہے۔

سوال: ایک آدمی ہمارے پاس آتا ہے، ہم سے ریٹ پوچھتا ہے، ہم ریٹ بتادیتے ہیں، اور وہ کہتا ہے میں گاہک لے کر آتا ہوں، ہر چیز پر پانچ روپے کمیشن دینا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: یہ شخص دُکان دار کی طرف سے دلال ہے، اور اپنی دلالی کی اُجرت وصول کرتا ہے، اور دلالی کی اُجرت جائز ہے۔

دلالی کی اُجرت لینا

سوال: اگر میں کسی شخص کو مشینری، اس کے پارٹس وغیرہ اپنی معرفت خرید کردُوں اور دُکان دار سے کمیشن حاصل کروں تو کیا یہ کمائی اَکلِ حلال ہے؟ مثلاً: کسی کارخانہ دار یا کاروباری شخص کو اپنے ہمراہ لے جاکر کسی بڑی دُکان سے دس بیس ہزار کا مال خرید کر اسے کسی رقم سے دِلوایا اور بعد میں دُکان دار سے مال بکوانے کا کمیشن کسی ریٹ پر حاصل کیا، تو کیا یہ جائز ہوگا؟

جواب: یہ دلالی کی صورت ہے اور دلالی کی اُجرت جائز ہے۔

کمپنی کا کمیشن لینا جائز ہے

سوال: بڑی بڑی کمپنیوں والے حضرات ان کی کسی چیز کی فروختگی کے بعد کمیشن ادا کرتے ہیں، مجھے کبھی دو ایک مرتبہ واسطہ ہوا ہے کہ میں نے ایک کمپنی کی ایک چیز فروخت کرائی تھی جس کے صلے میں مالکان نے مجھے کمیشن عنایت کیا تھا۔ آپ اس سوال کا جواب بمطابق شرعی قوانین دیجئے کہ یہ کمیشن جائز ہے یا ناجائز ہے؟

ج... جائز ہے۔

ادارے کے سربراہ کا سامان کی خرید پر کمیشن لینا

سوال: "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" کے عنوان میں کمپنی کے کمیشن کے متعلق ایک سوال چھپا، جس میں یہ تحریر تھا کہ بڑی بڑی کمپنیوں والے اپنی کسی چیز کی فروخت کے لئے کمیشن ادا کرتے ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ آپ کا جواب واقعی اس لحاظ سے تو ضرور دُرست ہے کہ اگر کوئی کمپنی اپنے قواعد وضوابط میں یہ شرط رکھے یا اس کمیشن پر ہی اپنا اسٹور کھولے جس طرح آٹے وغیرہ کے ڈپو ہیں، یا جوتوں کے سروِس، باٹا وغیرہ کے اسٹور ہیں۔ لیکن جواب مختصر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کر دے گا کیونکہ اگر آپ سوال پر غور فرمائیں تو وہ بے حد پیچیدہ ہے اور ساتھ ہی ذرا وضاحت طلب ہے۔ یہ سوال ایسے کمیشن کا بھی احاطہ کرتا ہے جو مثلاً: دوائی کی کمپنیاں اپنے ایجنٹ کے ذریعہ ڈاکٹروں کو بعض اوقات قیمتی Sample یعنی نمونے کے تحفے دیتی ہیں، اور معاملہ یہاں تک بھی اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے کہ گزشتہ دنوں امریکہ کی جہاز ساز کمپنی نے پاکستان کے بااختیار لوگوں کو چار طیاروں کی فروخت کے لئے ۱۶ لاکھ ڈالر کمیشن دیا تھا۔ یہ عام دستور ہے کہ سرکاری دفاتر، کالج، یونیورسٹیاں اور اسکولوں کے لئے جو سامان خریدا جاتا ہے اس میں خرید کرنے والوں کے لئے باقاعدہ کمیشن ہوتا ہے۔ اُصولاً یہ کمیشن حکومت یا اس مد کے کھاتے میں جمع ہونا چاہئے جس مد سے پیسہ لگتا ہے، لیکن عموماً یہ اس بااختیار شخص یا اس کے ایجنٹ کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ چونکہ دِینی لحاظ سے آپ کے جوابات بہت اہم ہوتے ہیں اور آپ کا مقام بھی بہت اُونچا ہے، اس لئے ڈَر ہے کہ کہیں مجرم ذہن رکھنے والے آپ کے اس فتوے کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ لہٰذا میرے ناقص خیال میں اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ عوام الناس کو صحیح صورتِ حال کا علم ہو جائے۔

جواب: اپنے سوال کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے ایک اُصول سمجھ لیجئے، وہ یہ کہ ایک کمپنی مال تیار کرتی ہے، اور وہ کچھ لوگوں کو اپنے مال کی نکاسی کے لئے وکیل اور ایجنٹ مقرّر کرتی ہے، جو شخص کمپنی کے مال کی نکاسی کے لئے اس کمپنی کا وکیل اور نمائندہ ہو اس کو کمپنی کی طے کردہ شرائط کے مطابق کمپنی سے کمیشن اور معاوضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

ا

اس کے برعکس ایک اور شخص ہے جو کسی ادارے کا ملازم ہے، اور وہ اپنے ادارے کے لئے اس کمپنی سے مال خریدنا چاہتا ہے، وہ چونکہ فروخت کرنے والی کمپنی کا نمائندہ نہیں، بلکہ خریدنے والے ادارے کا وکیل اور نمائندہ ہے، اس کے لئے اس کمپنی سے کمیشن وصول کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ کمپنی کی طرف سے اس کو جتنی رعایت (کمیشن کی شکل میں) دی جائے گی، وہ اس ادارے کا حق ہے جس کا یہ وکیل اور نمائندہ بن کر مال خریدنے کے لئے آیا ہے۔

جب یہ اُصول اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا، تو اب سمجھئے کہ میں نے جو مسئلہ لکھا تھا کہ فروخت کنندہ کمپنی سے کمیشن لینا جائز ہے، یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کمپنی کی طرف سے وکیل اور نمائندے بن کر مال فروخت کرتے ہیں، وہ گویا اس کمپنی کے ملازم ہیں، اور ان کا اس کمپنی سے اُجرت وصول کرنا جائز ہے۔

بخلاف اس کے، سرکاری ملازم اور وزراء اور افسران، سرکاری اداروں کے لئے جو مال خریدتے ہیں اس فروخت کرنے والی کمپنی کے وکیل اور نمائندے نہیں ہوتے، بلکہ وہ سرکار کے وکیل اور نمائندے ہوا کرتے ہیں، اس لئے سرکاری ملازمین، سرکاری اداروں کے لئے جو سامان خریدتے ہیں وہ کمپنی سے جتنی قیمت پر ملا ہو، اتنی ہی قیمت پر متعلقہ سرکاری محکمے کو پہنچانا ضروری ہے، اور کمپنی کی جانب سے جو رعایت یا کمیشن دیا جاتا ہے اس کو سرکاری ملازمین اور افسران کا، یا وزیرانِ بے تدبیر کا خود ہضم کرجانا شرعاً غبن اور خیانت ہے، اس لئے ان کا اپنے ادارے کے لئے خریدی ہوئی چیز میں سے کمیشن وصول کرکے اسے خود ہضم کرنا کسی طرح جائز نہیں، بلکہ قومی خزانے میں خیانت اور حرام ہے۔

کمیشن کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں

سوال: کمیشن کا کاروبار مثلاً: کپڑے اور مکان کی دلالی کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ اس میں تھوڑا بہت جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کیونکہ اس میں نقص کو چھپایا جاتا ہے اور خوبیاں بڑھ چڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔

جواب: دلالی جائز ہے، باقی فریب اور جھوٹ تو کسی چیز میں بھی جائز نہیں۔ اور کسی عیب دار چیز کو یہ کہہ کر فروخت کرنا بھی جائز نہیں کہ: "اس میں کوئی عیب نہیں۔

ملک سے باہر بھیجنے کے پیسوں سے کمیشن لینا

سوال: اگر کسی آدمی کو باہر بھیجنے کے لئے اس سے سولہ ہزار روپے لئے جائیں، لینے والا آگے ایجنٹ کو چودہ ہزار روپے دے، اور آدمی چلا جائے، اب دو ہزار کام کرانے والے کے لئے جو درمیان میں ہے حلال ہے یا نہیں؟

جواب: یہ دو ہزار اگر اس نے اپنے دوڑ دُھوپ کا محنتانہ لیا ہے تو جائز ہے۔

اسٹور کیپر کو مال کا کمیشن لینا جائز نہیں

سوال: میں ایک فیکٹری میں اسٹور کیپر کی حیثیت سے ملازم ہوں، ہمارے پاس جو مال ہو تا ہے، یعنی جو چیز فیکٹری کے لئے آتی ہے اس کی خرید و فروخت وغیرہ ہمارے سیٹھ یعنی فیکٹری کے مالک کرتے ہیں، ریٹ وغیرہ مال سپلائی کرنے والے سے خود طے کرتے ہیں، میرا صرف یہ کام ہو تا ہے کہ جب فیکٹری میں مال آئے، اس کو چیک کروں کہ مال صحیح ہے، خراب تو نہیں؟ یا وزن کم تو نہیں؟ وہ میں چیک کر کے وصول کر تا ہوں مال بھی صحیح ہو تا ہے، اور وزن میں ٹھیک ہو تا ہے، مگر مال سپلائی کرنے والے مجھے فی نگ ۵ روپے کمیشن دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سب کو دیتے ہیں، جن جن کے پاس ہمارا مال جاتا ہے، یہ کمیشن وہ مجھے خود دیتے ہیں، میں ان سے نہیں مانگتا۔ اور میں نے ان کو اس بات سے آگاہ کیا ہوا ہے کہ اگر مال کا وزن کم ہوا یا مال خراب ہوا تو میں واپس کر دُوں گا۔ اور اگر سیٹھوں نے کہا کہ ان سے مال منگواؤ تو آپ کو آرڈر دُوں گا ورنہ نہیں۔ ریٹ میں اگر فرق آئے تو میں مالکان فیکٹری کو آگاہ کر دیتا ہوں، اگر وہ کہیں کہ مال کا آرڈر دو، تو دیتا ہوں، ورنہ مال دُوسرے سے منگوا لیتے ہیں، لیکن مالکان فیکٹری کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارا اسٹور کیپر ان سے کمیشن لیتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ آپ بتائیں کہ یہ میرے لئے جائز ہے یا کہ حرام؟

جواب: ان لوگوں کی آپ سے رشتہ داری تو نہیں ہے کہ آپ کو تحفہ دیں، نہ آپ ان کے پیرزادہ ہیں کہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کریں، اب سوائے رشوت کے اس کی اور کیا مد ہو سکتی ہے؟ اس لئے آپ کے لئے اس کمیشن کا لینا جائز نہیں۔

کام کروانے کا کمیشن لینا

سوال: میری ایک سہیلی جو کہ لوگوں کو کڑھائی کرا کر دیتی ہے، کڑھائی سستی بنواتی ہے اور پیسے زیادہ لیتی ہے، جن سے کڑھائی کرواتی ہے اس کے پورے پیسے دیتی ہے اور باقی پیسے خود لیتی ہے، دُکان دار بھی یوں کرتے ہیں، یہ پیسے اس کے لئے جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب: اگر دونوں طرف کے پیسے طے کر لئے جاتے ہیں تو جائز ہے۔